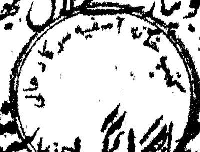
احسان و جواد

مصنفہ

جناب مولوی حنیف احمد صاحب شاد وکیل ہائی کورٹ ریاست
گوالیار مصنف کارگذار و چھلاوہ وغیرہ

بار اوّل

حسب فرمائش بابو پیارے لال بھارگو منیجر سلیمانی پریس



سلیمانی پریس محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس میں چھپا

سنہ ۱۹۱۷

ملنے کا پتہ بابو پیارے لال بھارگو منیجر سلیمانی پریس محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس

سلیمانی پریس بنارس میں جو رسالہ و ناول شایع ہوئے ہیں سب اخلاقی سبق سکھلانیوالے ہیں

قیمت میں آئندہ کی غرض سے خاص رعایت کردی گئی ہے یعنی جو صاحب پورے ایک روپیہ یا اس سے زائد کی کتابیں طلب فرماوینگے انکو ایک روپیہ میں با مجلد سو صفحے کے حساب سے بھیجا جاویگی اور خریدار کا خط خود داکر دیگا ہر ایک کتاب کے صفحے اور انکی اصلی قیمت اسکے آگے درج ہے جن کتابونکے سامنے لفظ پختہ لکھا ہے انکی قیمت نصف لیجاویگی ۔

نام ناول	تعداد صفحات	قیمت	نام ناول	تعداد صفحات	قیمت	نام رسالہ	تعداد صفحات	قیمت
عاشق شیطان	۳۹۶	عہ	گلشن کشور	۹۲	۸ر	پھوا	۱۲	۱ر
یاقوت کی کان	۳۲۸	عہ	جیسی کرنی ویسی بھرنی	۵۰	۴ر	دوبت کیا ہے	۱۲	۱ر
ماں کا قاتل	۲۹۲	۴ر	ابوالحسن نواب	۵۶	۴ر	ہندو عورتوں کی حالت	۱۲	۱ر
معشوقہ فرانس	۲۵۰	عہ	**نام رسالہ**			گلدستہ مسرت	۳۴	۲ر
شیر الشباب	۲۹۲	عہ	قلمداری	۳۱	۱ر	علاج الطاعون	۳۲	۲ر
ثمر شباب	۱۴۲	عہ	ہیپی ہوم	۲۴	۱ر	قیود ذات	۲۸	۱ر
خوبصورت ناگن	۱۸۸	عہ	الیس ظفر بیگ	۲۸	۲ر	مسائل حقہ نوشی	۲۰	۱ر
کالا گراہ	۱۸۸	عہ	وقت اور محنت	۲۴	۱ر	ملیریا یا فصلی بخار	۱۸	۲ر
فرزند مفقود	۱۴۸	عہ	دوستی	۲۰	۱ر	کلید معرفت	۲۴	۲ر
برق غضب	۱۳۶	۱۲ر	راستی	۲۱	۱ر	مسئلہ کرم	۱۸	[illegible]
غضب کا الہم	۱۲۴	عہ	**کفنی**			نوید مسرت	۲۰	[illegible]
ذبح کاظمہ	۹۲	۸ر		۲۴	۲ر	حقہ نامہ	۱۲	[illegible]
تد سیرت پاکدامن	۸۸	۸ر	شادی خانہ آبادی	۲۴	۱ر	کریمن نامہ	۱۲	۱ر
دلدار عشاق	۸۴	۴ر	عیاشی	۲۰	۱ر	جانڈو نامہ	۱۲	۱ر
سلیمان عذرا	۸۴	۸ر	غیرت	۲۴	۱ر	شراب نامہ	۱۲	۱ر
حجاب العشا	۴۸	۴ر	قرض	۲۱	۱ر	طلسم بنگال نظم	۲۴	۲ر
لاولد بیٹی	۶۲	۳ر	مسلم	۲۸	۲ر	**کتب پختہ**		
جوان بی بی کمسن شوہر	۵۲	۴ر	ماں باپ کا اوستاد	۲۸	۲ر			
کمسن بی بی مسن شوہر	۵۲	۴ر	ولایت اور اسکا فرض	۳۰	۲ر	رسالہ چشم	۲۴	۲ر
[illegible]	۴۲	۴ر	مقتول فرنگی	۲۴	۱ر	[illegible]	۵۶	۴ر
[illegible]	۴۴	۵ر	مقدمہ بازی	۲۰	۱ر	قصص العرب	۴۴	۴ر
[illegible]	۲۱	۲ر	تعصب	۲۰	۱ر	احسن المیلاد	۹۶	۸ر
معشوقہ [illegible]	۱۲۴	۸ر	محبت	۲۴	۲ر			
[illegible]	۱۴۰	عہ	شراب خانہ خراب	۲۰	۱ر			
[illegible]	۱۴۲	عہ	[illegible]	۲۴	۲ر			
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۸	۱ر			

ڈیڈیکیشن

میں نے یہ ناول ایک نئے مضمون پر جس پر ابتک کسی مصنف نے قلم نہیں اُٹھایا ہے اپنے ارادتمندوں کے فرمائش سے اپنے فرمانروا کے جشن صحت کی یادگار میں لکھنا شروع کیا تو اسکے ابتدا کو اُنہیں کی روشن اور معزز نام سے عزت دے اور اسکے ختم کو بھی اُنہیں کے نام نامی سے سربلندی بخشے۔ اس وقت میرے عقیدتمندوں کی یہی آرزو تھی کہ میں حضور میں باریاب ہوکر اس ناچیز تصنیف کو اس جشن خوشی میں دکھلانے کے اڈریس کے ساتھ پیش کروں۔ مگر یہہ اَن ہونی تمنا کسی طرح پوری ہونی۔ میں بے کس بے یار و یاور اور وہ عالی دربار۔ وہ موقع نکل گیا اور یہ اسوقت تک یونہی پڑا رہا اب اسکے طبع ہونے کا وقت آیا ہے تو میں اسکو اپنے اُسی ارادتمندوں کی فرمائش سے بطور غائبانہ نذر کے اپنے اُسی عادل رحیم۔ مدبر۔ شجاع۔ منصف غرض موصوف بصفات شاہانہ۔ شہریار۔ عالی جناب معلی القاب حضور پر نور مختار الملک۔ عظیم الاقتدار۔ رفیع الشان۔ والا شکوہ۔ محتشم دوراں۔ عمدۃ الامرا۔ مہاراجہ دہیراج حسام السلطنت کرنیل مہاراجہ مادہو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر سری ناتھ منصور زمان فدوی حضرت ملک معظم انگلینڈ و امپیر ہند جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ وی۔ او۔ ایل۔ ایل ڈی۔ ای۔ ڈی۔ سی۔

فرمانروائے ریاست گوالیار دام حشمتہ واقبالہ و نوالہ کے حضور میں پیش کرکے
طبع ہونے کے لئے بھیجتا ہوں اور خدائے برتر و توانا سے دعا کرتا ہوں
کہ حضور ممدوح کو روز افزوں جاہ و جلال اور فیض و نوال کے ساتھ
بہت عرصہ تک ہمارے سر پر سایہ گستر رکھے اور میری اِس تحریک کو
جو میں نے اِس قصہ کے ضمن میں کی ہے قبول عام کی عزت عطا فرمائے
مخلوق کی توجہ اِس مفید امن تحریک کی طرف مصروف ہو اور ملک
کے اور فرمانروا بھی ادہر توجہ فرمائیں۔

فدوی عقیدت آئین

سید احمد شاد

وکیل ہائی کورٹ گوالیار اسٹیٹ

راحت

یعنی

راحت جان اور علی جواد کا فسانہ

پہلا باب

آجائیں اپنی شعبدہ بازی پہ گر کبھی
ہم وہ کریں کہ تجھ سے بھی چرخ کہن نہ ہو

داؤں گھات

ہم مادھو مہاراج کے نمک خوار ہیں بس انہیں کی جے مناتے ہیں اور اسی نمک کا یہ اثر ہے کہ ہم خلق ... کی بات کہتے ہیں ذرا بھی نہیں جھجکتے یہی ہے تو بس کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم رہیں گے۔ پھر کہیں گے اور ضرور کہیں گے۔ وہ سب یہی ہیں ہیں۔ پھر ہیں۔ اور ضرور ہیں۔ آہ۔ تم بکتے ہو۔ بکو۔ خوب بکو۔ چلاؤ۔ اور گلا پھاڑ پھاڑ کے چلاؤ۔ تم ہو کیا چیز۔ ایک گوشہ نشین فقیر۔ تمہاری سنتا کون ہے ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

بھی سُنا ہے۔ سنا سب کچھ ہے پھر ناحق بکواس۔ چیل پکار۔ کیوں ؎

کون سنتا ہے فغان درویش
قہر درویش بجان درویش

فقیر کہنے پر بہت بگڑے۔ میاں فقیری تمہارا موروثی فخر ہے۔ مگر تم کو وہ مرتبہ کہاں نصیب۔ تم فقیر نہیں بینوا۔ بے سروسامان دنیادار ہو۔ بس اپنی جھونپڑی میں چپ چاپ پڑے رہو۔ کیوں بیفائدہ چلاتے ہو۔ اپنے گلے اور زبان کو دکھ دیتے لوگوں کے کانوں اور دماغوں کو ستاتے ہو۔ اس سے حاصل طبع آزمائی ہی منظور ہے تو کیا اور کوئی مضمون دنیا میں نہیں ملتا۔

نہ سننے کی انکی کہی سے

کون سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

کی سند نہیں۔ میاں ہم کہیں گے ضرور کہیں گے سننے والا بھی پیدا ہو ہی جائیگا۔ مگر ہمیں شنوائی کیوں نہ ہوگی۔ قیصری سرکار بڑی سرکار ہے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے کنارے تک لاکھوں کوس کی سلطنت کروروں آدمی کی آبادی سیکڑوں مختلف مذہب کی رعایا سب کی ضرورتیں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد بڑے بڑے شاہنشاہوں کو اوس سے رشک حسد (خدا انہیں ہمیشہ رشک ہی نصیب کرے) پھر انکے جوڑ توڑ (نصیب دشمناں یہ نیچا دیکھے اور ہر سے اونکے جواب۔ بعض روباہ حریفوں کو ڈانٹ ڈپٹ بہت سے وحشیوں کی گوشمالی۔ کئی سلطنتوں سے ہم سرحد ہونے کے سبب آئے دن کا ایک نہ ایک بکھیڑا۔ ایک جھگڑا ہو تو کہئے وہاں ہماری کوئی نہ سنے تو نقارخانہ میں طوطی کی آواز ہے۔ یونہی سہی۔

ہم اسکے دربار میں اپنی عرضی پیش کرتے ہیں جو اوسی بڑی سلطنت کی پشت پناہی کی بدولت آرام چین۔ اور امن کے ساتھ لاکھوں آدمیوں پر حکومت کر رہا ہے جسے لاکھوں کی جان و مال اور ہر طرح کے حقوق کی حفاظت سپرد کی گئی ہے۔ ہم اپنی فریاد اوسکے حضور میں لیجا ئینگے جو جگت ماتا قیصرہ کے قدم بقدم چلنے کی پوری کوشش کرتا ہے جسکا بیدار دل مظلوموں کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہے۔ جسکے کان بیکس عاجزوں کی فریاد سننے کو ہر وقت آمادہ جسکی آنکھیں شکستہ حال بدقسمت مصیبت زدوں پر رحم اور مہر کی نظر کرنے کے لئے ہر آن مستعد ہیں۔ جسکا روشن ہوا و ہوس۔ لہو و لعب اور عیش و طرب کے بیہودہ خیالات سے خالی۔ شاہانہ دماغ ہر لحظہ ہماری بہتری اور فلاح کے خیالات میں محو ہے جسے ہماری بھلائی کے سوا کچھ فکر نہیں۔ جسکی فکر رات دن ہماری بہتری کی دھن میں ہے۔ جسکی انتھک ہمت مشکور سعی۔ بغیر حصول مدعا نہ پھرنے والی کوشش۔ ہماری برائیوں کے دور کرنے

یہ ناول قبل وفات حضور ملکہ معظمہ تصنیف ہو چکا تھا

ہمیں برکتیں اور نعمتیں دینے۔ ہمارے مضر اسباب کے مٹانے ہمیں راحت پہونچانے والے وسیلوں کے مہیا کرنے کی مفید تدبیروں میں ہمیشہ معروف ہے۔ جسنے اپنی تمام قوتوں کو ہماری بہتری کے کاموں کے لئے وقف کر دیا ہے جسکی پیاری جان جسپر ہم سب قربان ہمارے لئے کیا کیا جوکھم اوٹھاتی ہے۔

جو ہم کو اپنی نیک کمائی کا خوشگوار پھل اور اپنی دولت حشمت جاہ و حشم ہی نہیں بلکہ خدا کی ودیعت اوسکے سپرد کی ہوئی نیک امانت سمجھکر۔ بہت شفیق ماں باپ کی طرح اونکے اکلوتے بیٹے سے زیادہ محبت کی نظروں سے دیکھتا۔ اون سے زیادہ نیک سلوک ہمسے کرتا ہے جنہیں ہم اپنے تھوڑی عقل کی نارسائی کے سبب اکثر پورا پورا سمجھ بھی نہیں سکتے جو اپنی انہیں شاہانہ صفات کی بدولت ہم کو اپنے شفیق ماں باپ دنیا کے سب کنبہ۔ عزت دولت جان مال۔ زمانہ کی سب امیدوں اور تمام خوشی سے زیادہ پیارا ہونا چاہئے۔ اور ہے جو اوس مبارک با اقبال اولوالعزم اور روئے زمین کے سب شہنشاہوں سے زیادہ زوردار سلطنت کے مالک ہوتے پر بھی سب سے زیادہ عاجز نواز۔ نیک دل۔ رحیم۔ تمام تاجداروں سے بزرگ اپنے فرمانبرداروں ہی کو نہیں تمام مخلوق کو پیار کرنے والے ہماری عاجز اور قاصر زبان سے انتہائی عقیدت اور اخلاص ظاہر کرنے والا پیارا خطاب (جگت ماتا) پانے والی قیصرہ کے سب باجگذار۔ فرمانرواؤں میں قابل۔ لائق۔ بیدار مغز اپنی رعایا کے حقوق کا پورا محافظ۔ قیصرہ کی پاک گورنمنٹ کا دلی خیر اندیش۔ اور اظہار عقیدت میں سب سے آگے تسلیم ہو چکا ہے۔

ہاں ہم اوسی کے حضور میں اپنی عرضداشت پیش کریں گے اور وہاں سے قیصرہ کی عزیز گورنمنٹ تک بھی پہونچ جائیگی۔ نام کیا پوچھتے ہو کون نہیں جانتا کہ ہم کہاں رہتے ہیں۔ لشکر گوالیار میں اور گوالیار کا فرمانروا کون ہے۔ بس وہی۔ ہاں وہی مہاراجہ مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بالقابہ جسکے شروع عہد سے ریاست نے ترقی کے میدان میں قدم رکھا جس نے اپنے بچپن ہی میں جبکہ وہ لہو لعب عیش و طرب کی طرف فطرتاً زیادہ متوجہ ہو سکتا تھا۔ ہمارے فلاح کے کاموں کی بنیاد ڈالی۔ ہمیں کسی کام کا بنانے کی کوشش شروع کی۔ ہمارے شہریار کی بیدار مغزی جفاکشی

اور رعایا پر شفقت کرنے کا یہ حال ہے۔ اور ہماری عرضداشت اپنے قدمے کی غیر ہوگی نہیں۔ ہم جو بات کہیں گے مالک ملک ساری دنیا کے فائدہ کی مہر ہمارے معروضہ کو کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کی وقعت ایک بیہودہ بکواس۔ مجذوب کی بڑ۔ دیوانہ کی ڈھل کے برابر ہی ہوگی۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مگر وہاں تک رسائی کے لئے کوئی ذریعہ بھی ہو۔ اور رسائی نہ ہوئی تو کہو گے کیسے اُہ پھر وہی سپاہیے دربار میں کوئی عرضداشت پیش کرنے کے لئے کسی وسیلہ اور سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ جو اپنی باخبری کے سبب ہمارے ہر ایک معاملات سے آگاہ ہے جو ہماری ضروری یا کمی سفید یا مضر مشوروں یا پیدا ارادوں سے بے خبر نہیں رہتا وہ ہماری ہر ایک بات جو عرض کیجائے یا کہیں کہی جائے۔ ضرور سن سکتا ہے۔ تو یہ کرو تو یہ ہم کیسے موحد ہیں ہمارا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ یہ صفت ہر ایک ہر دلعزیز شہریار میں ضرور ہونی چاہیئے۔ اور ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنی رعایا کی فلاح اور خلائق کے امن کی اوسکے دل سے کچھ ایسی لگی ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اوسکی حالت کی جستجو میں رہتا ہے اور اوسکی یہ کوشش خود بخود ہر ایک حال یا واقعہ کی آگاہی کے لئے کوئی ذریعہ پیدا کر ہی دیتی ہے۔ سمجھے تو بس ہم کہیں گے۔ اور ضرور کہیں گے۔ تم ذرا کان لگا کے سنو اور دل سے متوجہ ہو کر سمجھو۔ تم سے کون اور سُننے کا کون؟ وہاں تک ہی پہونچ جائیگی۔ مگر جلدی کیا ہے۔ کہیں گے ضرور کہیں گے۔ موقع اور قرینہ سے کہیں گے ؎

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

اور موقع۔ قرینہ بغیر تو وہی مجذوب کی بڑ ہو جائیگی۔ موقع بھی کبھی آ ہی جائیگا اور قرینہ بھی ہم درست کر ہی لیں گے تم اس ادھیڑبن میں نہ پڑو۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں جی بہلاؤ عجب نہیں انہیں کوئی اپنے مطلب کی ہی نکل آئے تو بس متوجہ ہو جاؤ۔

نو بجا چاہتے ہیں چیت کی خشک ہوا تمام دن زور شور سے چلتے چلتے تھک سی گئی ہے اب اوسکی وہ دم خم نہیں رہی۔ پھر بھی اونچے مکانات کی کھلی کھڑکیوں میں منہ ڈالکر کچھ کہتی ہے۔ کبھی اندر دروازوں کو کھٹکھٹاتی ہے۔ اس طرح آرام کے طالب گھروں میں بیٹھنے والوں کی نیند کے سر ہو رہی ہے۔ کھلے میدانوں میں چلنے والوں کے

لباس کے لٹکتے یا جسم سے الگ پرزوں سے ملکر اونہیں اپنا زور دکہاتی ہے۔ اونکے ہر ایک آگے بڑہتے قدم کو روکتے ہیں کبھی پیپل اور برگد کے پتوں کی زبان سے سنسناہٹیں شائیں کرتی اونکے کان میں کچھ ایسا کہدیتی ہے کہ وہ ڈرکر ادہر اودہر دیکھتے ہیں۔ مگر اندہیاری رات کی دہری تاریکی نے سب جانداروں کی آنکھوں پر ایسی گہری اندھیری ڈالی ہے کہ کچھ ایسی نظر ہی نہیں آتا۔ دن میں بھی ہوا۔ آفتاب کی کسیقدر تیز کرنوں سے گرماکر خوش آیند ہو گئی تہی اب گہرے بادل اور رات کی خنکی نے اوسے برف سے بجھا دیا ہے۔ ہر ایک عجوبہ نگا کہلے جسم پر تپ و لرزہ کی سی جہر جہری کا کام کرتا ہے۔

بس اسیوقت ہمارے ہر دلعزیز شہر یار کی بارونق و عظمت دار السلطنت شوکت آباد لشکر سے جاتے ہوئے پرانے ٹوٹے پہوٹے شہر گوالیار کی آبادی سے تہوڑے ہی دور ایک ویران تکیہ کے پیپل برگد اور فراش کے گنجان درختوں کے سخت پتوں سے عجیب بہیانک آوازیں نکلتی ہیں ایک نہایت بلند نیم پر بسیرا لینے والے سیکڑوں کوے کائوں کائوں کرتے اور کبھی تہوڑی دیر چپ رہکر یکایک زور سے چلاتے ہیں کسی درخت پر الو ہو ہو کرتا ہے اوس کی رعب دار آواز جنگل میں گونجتے پتوں کی کہڑکہڑاہٹ۔ ہوا کے سناٹے سوتے سوتے یکایک چلانے والے پرندوں کی آواز اور لومڑی کے نشاط قہقہوں سے ملکر اس منظر کو زیادہ خوفناک بنادیتی ہے۔ شہر کی بہت پرانی ٹوٹی پہوٹی مسجد کی جابجا شق دیواروں کے دراروں سے کسی موذی جانور کی آواز آرہی ہے جو آرہ کی صدا سے مشابہ ہونے کے سبب حیرت انگیز ہونے کے سوا بہت خوفناک معلوم ہوتی ہے۔ قریب ہے ایک ٹیکرے پر گوہ بولتی ہے۔ اور سانپ ان سب غل شور کرنیوالوں کو جنہوں نے اس بہیانک رات کی خاموشی کی مخالفت کا بیڑا اوٹھایا ہے بہت زور سے ڈانٹ بتاتا ہے۔

ایسی جگہ امرود اور بیر کے نیچے نیچے درختوں کی جہنڈ میں یکایک کچھ سرسراہٹ ہوکر زمین پر پڑے پتوں کے پامالی کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے ہی لمحہ میں ذرا دیر کے لئے اس منظر پر خاموشی چہاجاتی ہے۔ اس خاموشی کا طلسم کوؤں کی آواز توڑدیتی ہے جو ابہی خواب میں کسی دشمن کے حملہ سے ڈرکر سوتے سوتے چونک پڑے

اور بیڈ ہیپ چلا رہے ہیں۔ وہ اپنے وہم سے آگاہ ہو کر چپ ہو جاتے ہیں کہ نہیں امرودوں کے جھنڈ سے باتوں کی آواز آتی ہے۔
ایک۔ کہو کیا ارادے ہیں۔
دوسرا۔ قول پورا کریں گے۔ اور تم۔
پہلا۔ ہم بھی۔ مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔
دوسرا۔ مگر یار بے وقت کہا۔ اور عجیب ڈھنگ سے۔
پہلا۔ ہاں۔ ہاں نہ کرتے بنتی ہے نہ نہیں کرتے۔
دوسرا۔ اجی۔ ہاں۔ نا۔ کیا۔ نہیں کس سے کرتے بڑی بات تو یہ ہے اونچ نیچ سوچنے برائی بھلائی سمجھنے کا بھی موقع نہ ملا۔
پہلا۔ اور کیا۔ شام کو کہا گیا اور اس وقت۔۔۔ مگر۔
دوسرا۔ کیوں نہیں۔ نہ معلوم کیسی پڑے۔ اور جو اس میں کچھ اور بھید ہو۔
پہلا۔ نہیں میاں۔۔۔ کچھ اور کی بھی ایک ہی ہوئی۔ وہ اور یہہ باتیں تو یہ۔
دوسرا۔ کیوں کیا ہوا ہے کون قوم۔ اُف۔ کڑوا کریلا اور نیم چڑھا۔ ان سے اور وفا کی امید۔۔۔
پہلا۔ اوہ۔ تمہارا کدھر خیال ہے۔ اسکے فرشتہ بھی۔۔۔
دوسرا۔ کیوں۔
پہلا۔ ہمارے خوف سے۔
دوسرا۔ تمہی نہ رہے تو خوف کسکا۔ اور ہاتھ گرمانے کی طرح تو کھلی ہوئی ہے۔
پہلا۔ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ کوئی وہم نہ کرو۔ اور یہ دشوار ہی کیا ہے۔
دوسرا۔ کچھ بھی نہیں۔
پہلا۔ وہاں ہے کون۔ پھر کیا ڈر ہے۔
دوسرا۔ اور ہوتا بھی تو کیا ڈر ہے۔
پہلا۔ پھر

دوسرا۔ کچھ سوچنے یا دریافت کرنیکا وقت نہیں ملا۔ بس یہی۔
پہلا۔ نہ سہی۔ یہہ اگر مگر۔ تم نے اب سیکھے ہیں۔ پہلے کسی کام میں تم اتنا وہم نہ کرتے تھے۔
دوسرا۔ بیشک۔ مگر یہ کام ہی اور ہے۔
پہلا۔ بہت بڑا ہے۔
دوسرا۔ نہیں میاں۔
پہلا۔ اس سے زیادہ سہل کوئی کام ہمنے کبھی کیا ہی نہیں۔
دوسرا۔ بیشک۔ مگر سوچو تو۔ ہم کہاں ہیں۔ اور کہاں جاتے ہیں۔ وہ سامنے قلعہ ہے انہیں کام دینے والا کون ہے۔ اوس سے کس کس سے میل ہے۔ قلعدار اسکا کون ہے۔
پہلا۔ میں نے یہ سب باتیں سوچ سمجھ لی ہیں۔ کچھ اندیشہ نہیں۔ میں نے تم سے کہا نہیں۔ اُسکے پاس سے اوٹھکر میں اسی تلاش میں رہا۔ اسوقت تک بھید لیتا رہا جب اطمینان ہوگیا۔ تو یہاں تمھارے پاس آیا۔ کوئی وسواس نکرو سیدھی سی بات ہے۔ اُس سے کسی سے محبت ہے تو ہوا کرے۔ ہم ہی تو کوئی چیز ہیں ہماری محبت نہ سہی ہمارا خوف ہی آخر کچھ ہے تم نہ رہے تو ہمارے لیے کیا کم ہیں۔
دوسرا۔ یہ کیوں نہیں کہتے سب دریافت کر چکے ہو۔
پہلا۔ میں تمھیں آزماتا تھا۔ کہتے ہو۔ کیا کہتے ہو۔ تم بے تامل جلد دیتے تو میں اسوقت تم سے الگ ہو جاتا۔
دوسرا۔ کیوں۔ مجھپر کچھ شبہہ کرتے۔
پہلا۔ بیشک۔
دوسرا۔ (ہنسکر) کبھی پہلے بھی میرے کسی بات سے کوئی شبہہ ہوا ہے۔
پہلا۔ نہیں۔ مگر یہ اور ہی موقع ہے۔
دوسرا۔ چلو۔ بسم اللہ کرو۔ ہاں۔۔۔ اور تدبیر۔۔۔ میں نے تو۔۔۔
پہلا۔ (ہنستے ہوئے) نہیں آج کیا ہوگیا ہے۔ نئی نرالی باتیں کرتے ہو۔ میاں تدبیر کیا چاہئے جیسے بنے کرو۔ اور آج ہی کرو۔ لو میں تو چلا۔ (ہنسکر) تم مجھے جانچتے ہو پھر

ملوگی تو سب بتادوں گا۔
ذرا دیر تک خشک پتی کھڑکھڑائی - پھر خموشی چھاگئی ہر طرف سناٹا ہوگیا - ہم نے بہت کوشش کی کہ ان دونوں کو جاتے دیکھیں مگر بے سود - تاریک رات نے اونہیں پہلے ہی اپنی سیاہ کمک میں چھپا لیا تھا اور ہماری آنکھوں پر پٹی باندہ دی تہی - صرف کانوں پر اسکا بس نہ تہا - جب تک وہ باتیں کرتے تہے یا پتوں پر چلتے تہے - ہمارے سامعہ کے قابو میں تہے - پہر کیا پتا ملتا تہا - خیر جانے دو - اندہیاری ویسی ہی چھکی ہے - اور اب ننہی ننہی پھوار پڑہ لی ہے - ایسی حالت میں ہم قلعہ کے قریب نور گنج میں پہونچ گئے ہیں یہاں جو دو چار مکانات ہیں ان میں بالکل سناٹا ہے - مگر نہیں وہ دیکھو ایک دروازہ ... اوہ دیکھو گے کیا - کچھہ نظر آتا ہی نہیں - مگر ابہی ایک دروازہ کے کہلنے کی آواز ہوئی تہی لو سنو، دروازہ کے پاس کوئی چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہا ہے - اوہ ایک لفظ بھی پورا سنائی نہیں دیتا - لو وہ آواز بھی غائب ہوگئی - اور کسی نے دو بار سیٹی بجائی اسکے ساتھ ہی کئی آدمیوں کے ننگے پاؤں بہاگنے کی آہٹ معلوم ہوئی - مگر یہ پتہ نہ چلا کہ وہ سب کدہر گئے ذرا دیر بعد یہاں سے دور ایک دہول گولا بہت زور سے چھوٹا اور ایک ہوائی جھوٹتی ہوئی ایک مکان کے چہت پر گری اور ۲۰ - ۲۵ منٹ کے بعد اسی سنسان تکیہ میں امرودوں کے جھنڈ میں چند آدمیوں کے باتوں کی آواز سنائی دی - آوازوں سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب پانچ آدمی ہیں مگر مرد و عورت کی تمیز نہیں ہوتی سب کی آواز بھاری ہے ۔

ایک ۔ کہئے اب کیا حکم ہے۔
دوسرا ۔ یہ لیجئے آپکی فرمائش حاضر ہے۔
تیسرا ۔ میں یہاں لیکر کیا کروں - میں نے تم سے کیا کہا تہا - ہم تو اس وقت صرف خبر سننے کے مالک ہیں ۔
پہلا ۔ بہت اچھا - لیکن ابہی کیسے مل جائیگی - ہم جائیں گے نہیں - اور جائیں بھی تو ۔ ....
تیسرا ۔ نہیں منگا دو - مگر جلدی - ہاں یہ دونوں کون ہیں۔
پہلا ۔ اسکے گہر کی ماما۔

تیسرا۔ (جلدی سے بات کاٹ کر) نہیں ۔۔۔ دو ۔۔۔ (چپ ہو کر) مگر نہیں انہیں نے ہم کو پہلے بہت مدد دی تھی۔ ہمنے سب حال تم سے کہا تو تھا۔ جبھی تم نے انکے ذریعہ سے ۔۔۔

پہلا۔ اور یہ ہمارے بھی رازدار ہیں۔

دوسرا۔ انہوں نے مجھکو بہت خوش کیا ہے۔

تیسرا۔ اس کام میں مگر ۔۔۔

دوسرا۔ اگر مگر کچھ نہیں۔ کچھ وہم نہ کرو۔

پہلا۔ ہاں انسے کچھ اندیشہ نہیں۔

تیسرا۔ تو انہیں انعام دو۔

پہلا۔ ہاں ضرور دیں گے۔

چوتھا۔ اور ہمیں ساتھ لے چلو۔

پہلا۔ ہاں ضرور۔

تیسرا۔ اور انہیں معمولی انعام ضرور ہی دو۔ یہ یاد تو کریں۔

پہلا۔ جی ہاں۔

اور وہ تیسرا شخص اُن دو نوکشیدہ قامت جوانوں سے دیر تک چپکے چپکے باتیں کرتا رہا۔ وہ دونو بہت توجہ سے اوسکی باتیں سنتے اور ہاں ہاں کرتے رہے۔

تیسرا۔ بس اب ہم جاتے ہیں۔ ہاں ذرا جلدی خبر لینا۔

پہلا۔ ابھی ابھی۔

سب چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد بجلی چمکی اور اس تکیہ سے بہت دور ایک پہاڑی کے پاس چار آدمی نظر آئے یہ سر سے پاؤں تک سفید و سیاہ چادروں میں لپٹے ہیں ان میں دو بہت کشیدہ قامت ہیں اور دو اون سے پستہ قد اُن دونو لانبے آدمیوں سے ایک نے اپنے پستہ قد رفیقوں سے مخاطب ہو کر کہا لاؤ ہمیں دیدو تمہارے ہاتھ تھک گئے ہوں گے۔ اُن دونوں نے دو سفید گٹھریاں اونہیں دیدیں یہانتک تو بار بار چمکنے والی بجلی کی عنایت سے ہم اُنکے حالات معلوم کرتے رہے پھر بجلی کی چمک بند ہو گئی۔ نہیں معلوم وہ یہیں رہے یا کہیں چلے گئے۔ اتنا تو جانتے

ہیں پہلے کچھ دھماکا سا ہوا پھر ایک بھاری پتھر کے لڑھکنے کی آواز کے بعد کسی بہت وزنی چیز کی کسی غار میں گرنے کی آواز ہوئی۔ اسکے بعد تھوڑی دیر تک ایسی آوازیں آتی رہیں پھر سناٹا ہو گیا۔

جس وقت جنگل میں وہ واقعات پیش آرہے تھے جو آپ نے ابھی دیکھے شہر میں کچھ اور ہی رنگ ڈھنگ تھے۔ گوالیار کے مشہور پردیسی کسبی کے بالاخانہ میں سرشام ہی سے پانچ چھ دیوارگیریاں روشن تھیں۔ دو بڑے فرشی لیمپ مسند کے سامنے روشن رکھے تھے۔ تمام کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ دو نوجوان حسین دلربا نازنین بن سنور کے مسند کے سامنے اپنے سازندوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔ ایک مسن عورت پاندان لئے ایک گوشہ میں بیٹھی پان بنا رہی تھی اور ان سب کی نگاہیں زینہ کی طرف تھیں کسی کے آنیکا انتظار تھا یکایک زینہ پر کسی کے چڑھنے کی آواز ہوئی۔ اور تین نوجوان کمرہ میں آتے دکھائی دئے۔ انہیں یہاں دیکھتے ہی سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ایک نازنین۔ واہ کب سے راہ دیکھتے ہیں۔ اور ان کا کہیں پتا ہی نہیں۔ کچھ دن رہے کا وعدہ تھا اب آئے ہیں۔

دوسری۔ ہیں۔ وہ سنتے ہی نہیں۔ میر صاحب میر صاحب ادہر دیکھئے ادہر۔ یہ آپ ہی سے کہتے ہیں (دوسرے نوجوان کا دامن پکڑ کے) کیوں صاحب تم نے کیوں دیر کی۔

پہلی نازنین۔ پنڈت جی آپ بھی دوسری طرف منہ پھیر لیجئے۔ (تیسرے نوجوان سے) منشی جی آپ سے ہمیں یہ امید نہ تھی۔ آپ نے بھی ہمارے سر کی قسم جھوٹی کہانی اور نہیں تو کیا کہوں۔ ہے ہے۔ جبھی آج تمام دن میرے سر میں درد رہا۔

پنڈت جی۔ قسم جھوٹی تو نہیں کہانی ہاں جھوٹی ہو گئی۔ (سب کے ساتھ بیٹھتے ہوئے) کیا کیا جائے اتفاق۔۔۔۔

وہی مسن عورت۔ واہ جھوٹی کیسے ہو گئی۔ قسم کا خیال ہوتا تو کبھی جھوٹی ہوتی۔

پہلی نازنین۔ خیال کیوں ہوتا۔ آخر انہیں کے دوست ہیں نہ۔ انکے نزدیک ہمارے جان کی کوئی قدر نہیں۔

منشی جی۔ آپکی پیاری جان۔ کچھہ چیز نہیں تو ہمارے دوست میر صاحب پر قربان ہیں اور انکے ہم سب دوست ہیں۔

نازنین۔ واہ یہ سُنئے ہوئے ہیں۔ پیاری ہوتی تو قسم کہا کے۔۔ اے تو یہ جہوٹی قسم کیوں کہائی۔ (میر صاحب کو قہر کی نظر سے دیکہکر) کیوں جی تُم نے ہمارے سر کی قسم نہیں کہائی ہتی۔

میر صاحب۔ جی ہاں۔

پنڈت جی۔ (ہنستے ہوئے) نہیں کہائی ہتی (میر صاحب سے) ہہی کہتے ہو۔

نازنین۔ تم چپ بیٹہے رہو ہم ابہی تم سے کچھہ نہیں۔ کہتے (میر صاحب سے) بتاتے نہیں۔

میر صاحب۔ جی ہاں قسم کہائی ہتی۔

نازنین۔ پہر دیر کیوں ہوئی۔ تمہارے یہاں کچھہ دن ابہی باقی ہوگا۔

وہی مِس عورت (علاوہ جانتے ہی دو۔ کسی سبب سے دیر ہوگئی ہوگی

نازنین۔ وہ سبب بہی معلوم ہو۔

دوسری نازنین (بہت تیکہی ہوکر چتون بدلکر) کہیں اور چلے گئے ہونگے۔

پہلی نازنین۔ (میر صاحب کا ہاتہہ پکڑ کر تیور بدلکر) کیوں جی یہی بات ہے۔

میر صاحب۔ (دہشت ظاہر کرنے والے لہجہ سے) نہیں صاحب یہ تو آگ پر تیل ڈالتی ہیں۔ بات یہ ہوئی میں یہاں چلنے کے لئے تیار ہوا ابا جان گہر میں سے آگئے اور اسیوقت گاؤں کا پٹواری آگیا اُسکے ساتھہ دو تین اسامیاں تہیں ابا جان نے اُنکے حساب میں مجھے اُلجھا دیا بس ابہی فرصت ملی ہے۔

دوسری نازنین (پنڈت جی سے) اور آپ کہاں ہتے۔

میر صاحب۔ یہ اور منشی جی دونوں مجھے بلانے گئے تہے ابا جان نے دو تین انگریزی چٹہیاں انہیں ترجمہ کرنیکو دیدیں۔

نازنین۔ بہت خوب جی ہاں۔ اُنہوں نے سبکو پکڑ لیا۔

منشی جی۔ آپکی قسم

نازنین۔ چلو بس رہنے دو ہماری قسم نہ کہاؤ۔ جہتہ۔ پہلے سے یہ صلاح ہوگئی ہتی۔

یہ بہانہ سوچ رکھا تھا۔

دہی مسن عورت۔ (سازندوں سے) اوستاد جی اب یہ تعلیم کیا لیں گی۔ آپ اپنا ہرج کیوں کرتے ہیں (نازنین سے) چلو جا سے نہی دوا دو باتیں کرو۔ کیا ہوا دنیا کے سو بکھیڑے ہیں۔ ٹھیک وقت پر نہ آنا ہوا تو کیا۔ آئے تو سہی۔ نہ آتے تو تھوڑی قسم ہوں (استاد جی سے) آپ اب نبی جان کے یہاں جائیں گے۔

میر صاحب۔ (اچھا موقع پاکر) نہیں تعلیم لینے ہی دیجیئے ناغہ کیوں ہو (پنڈت جی سے چپکے سے) کسی طرح یہ بات ٹلے بھی۔

نازنین۔ تعلیم اب کیا خاک لینگے۔ ناغہ تو ضرور ہی ہوگا۔ (ان سے) سے انتظار کرتے کرتے یہ وقت آیا۔ آپ اب آئے ہیں جب ہم تعلیم لینے بیٹھ گئے۔

میر صاحب۔ تو کیا ہرج ہے۔

مسن عورت۔ نہیں صاحب ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے۔ ہمیں لوٹنے کے ڈھنگ نہیں آتے۔ آپکے سامنے تعلیم ہوگی آپ سنیں گے تو کچھ کہیں گے (استاد جی سے) نہیں استاد جی آپ جائے۔

استاد جی۔ تعلیم نہیں مجرا سہی چھوڑ مجرا سنیں۔ ہم بھی بہت دنوں سے امیدوار تھیا اب سلامت رہے ہم انکے استاد ہیں خاہ ابھی کچھ حق ہے۔

مسن عورت۔ استاد جی ہمیں یہ بات بری معلوم ہوتی ہے ہمارے یہاں یہ بے تمیزیاں تو نہیں ہونا چاہیئے۔

میر صاحب۔ میں خود ہی کہنے کو تھا۔ انھوں نے کہہ دیا تو کیا ہرج ہوا۔ میں آپکے یہاں کے رنگ ڈھنگ سے خوب واقف ہوں۔ مگر اس وقت میری یہی تمنا ہے کہ مجرا سنوں (نگاہ تکیہ پر زیادہ ہے) دیکھا بہت دن سے انھیں سنا بھی نہیں ہے۔

پنڈت جی۔ اور بھئی ہم بھی کچھ کہتے ہیں۔ باری باری سے مجرا ہو۔

میر صاحب۔ واہ پہنچے تو آپ ساتھ ہی۔ کس ٹھہرائی تھی۔ خیر تمہاری خوشی (استاد جی سے) ہاں صاحب ہو۔ آپ سارنگی چھیڑیے (نازنین سے) تو سنبھل بیٹھو (مسن عورت سے) حضور اجازت دیدیجیئے میری خاطر سے سہی۔

مسن۔ خیر آپکی خاطر ہے (پان کی تھالی میں بہت سی گلوریاں رکھکر آگے بڑھا کر)

اے ہے ۔ اب تک کسی نے پان کو بھی نہیں پوچھا ۔ لیجئے پان کھائیے ۔

میر صاحب ۔ کون پوچھتا (مسکرا کر) وہاں تو خفگی تھی ۔ اور اب بھی تیوری پر بل ہیں الٰہی خیر ۔

اک ذرا سی بات پر یہ خفگیاں
وہ ہنسی ہونٹھوں پر آئی دیکھنا

نازنین ۔ (مسکراتے ہوئے منہ پھیر کر) جی ہاں ہنسی آئی ۔ ہنسنے والی بات ہی ہو ۔ تو ہمارے سر کی جھوٹی قسم کھائی جائے ۔ ۔ ۔ (ہنستے ہوئے) اور تمہیں ہنسی آ گئے ۔

مسن عورت ۔ چلو اب من جاؤ ۔ انہیں گلوری دو ۔

نازنین ۔ کون دے کسے غرض آپ ہی کھا لیں گے

میر صاحب ۔ جی ہاں (مسن عورت سے) بندگی دہقانی ذرا دور ہٹی اوسکی طرف ہاتھ بڑھانے کے لئے ذرا جھک کر لائیے ذرا اور بڑھا دیجئے (لیمپ کے سامنے ایک کاغذ پڑا دیکھکر) یہ خط کسکا ہے ۔

دوسری نازنین (جلدی سے اوٹھا کر) خط نہیں ہے ۔

پہلی نازنین ۔ اے ہے بلا دو اماں جان تمہاری بھی کیا بُری عادت ہے ۔ کاغذ ادہر اودہر پھینکا ۔ جی ہو (میر صاحب سے) خط نہیں پڑیا کا کاغذ ہے ۔ نہ معلوم ۔ ہاں ابا نے ابھی شام کو لونگیں منگائی تہیں ۔ (دوسری نازنین سے) اسی کے پڑیا کا ہوگا ۔ چلو پھینک بھی دو ۔ لئے کیا بیٹھی ہو ابا جان سے لاکہ بار کہا کاغذ ادہر اودہر نہ پھینکا کرو ۔ پاؤں کے نیچے آتا ہے ۔

میر صاحب ۔ جی ہاں بات نہ بنائیے ۔ پڑیا کا کاغذ نہیں خط ہے کسی کا ۔ (دوسری نازنین سے) تمہیں ہماری قسم ہمیں دیدو ۔ دیکھیں کسکا خط ہے ۔

دوسری نازنین خط نہیں ہے ۔ تم تو سر ہو گئے (مسن عورت سے) یہاں پھینک ڈالدیا تھا (ملکر گولی بنا کے پھینکنے کا قصد کرتے ہوئے) اب ایسے عجیب ہیں کہ انہیں کچھ خبر ہی نہیں ۔

میر صاحب ۔ (جھپٹکر اوسکا وہ ہاتھ پکڑ کر جسمیں کاغذ کی گولی تھی اور اب وہ پھینکنے کے لئے اوٹھنے کو تھا) لاؤ ہمیں دیدو ۔ تمہیں ہماری قسم ۔

دوسری نازنین۔ ہم نہ دیں گے۔ الگ ہی رہو۔ استاد جی بیٹھے ہیں۔ اور میرا تمہارا رشتہ اور ہے۔ میں بڑی ہوں۔
حسن عورت۔ کیسا کاغذ۔ میں نے کون کاغذ یہاں پھینکا تھا۔
پہلی نازنین۔ وہی بڑیا کا کاغذ ہے یہاں پھینک دیا تھا۔
میر صاحب۔ جی ہاں بڑیا کا ہے (چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے) یہ بڑیا ہے۔
حسن عورت۔ بھئی ہمیں تو یاد نہیں کیسا کاغذ اور کس نے پھینکا۔
دوسری نازنین (کاغذ کے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے جھلا کر کیسا کاغذ۔ اب کیوں یاد ہوگا۔ وہی خط جو شام کو دیکھتے دیکھتے چپ ہو گئی)
میر صاحب۔ (پہلی نازنین سے) اب بھی کچھ خط نہیں ہے (مٹھی کھولنے کے لئے زور کرتے ہوئے) دیدو۔
دوسری نازنین (مٹھی کھولکر) ہے ہے میرا ہاتھ مروڑ ڈالا۔ لو چولہے میں پڑے یہ خط۔ میرا ہاتھ لہو لہان ہو گیا۔
حسن عورت۔ اہا۔ وہ خط۔ تو دیدو اس میں چوری ہی کیا ہے ایسے خط سیکڑوں آتے ہیں۔ ہم کیا انہیں مانتے ہیں۔ یہی تو ہم میں وصف ہے جیسے ہوئے ویسے رہے۔
میر صاحب۔ (خط پڑھتے ہوئے) یہ ہے کون۔
پنڈت جی۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کیا لکھا ہے۔
میر صاحب۔ لکھا کیا ہے خوب سبز باغ دکھائے ہیں۔ پانسو ماہواری۔ مکان۔ سواری تمام گھر کا خرچ اور پوشاک۔
پنڈت جی۔ یہ سب کسکے لئے۔ آپ پر عنایت ہے یا کسپر۔
میر صاحب۔ یہ صرف مجھپر کرم ہے۔ آپ پر انکے دوست عنایت فرماتے ہیں۔ انہیں (دوسری نازنین کی طرف اشارہ) چارسو ماہوار اور پوشاک وغیرہ کا خرچ دینا قبول کرتے ہیں۔
پنڈت جی۔ دونو جگت سیٹھ کے بیٹے ہیں۔

میر صاحب۔ جی ہاں۔ کروڑوں کی دولت گھر میں بھری پڑی ہے کسی طرح خرچ بھی کریں۔

پنڈت جی۔ ہیں کون صاحب۔

مس عورت۔ بابو صاحب ہیں۔ اے ہے۔ بھلا سا نام ہے۔ ستا۔ ابجرن بنرجی۔ یہاں مرار کی چھاؤنی میں نوکر ہیں۔ پارسال ہی تو نوکری چھوڑ کر گئے ہیں۔

میر صاحب۔ ایسے امیر ہیں پھر نوکری کیوں کرتے پھرتے ہیں۔

مس عورت۔ اسی نوکری کی بدولت سب کچھ ہے۔ پہلے انکے باپ اسی جگہ پر تھے انہوں نے لاکھوں ہی کمائے۔ بڈھے ہوئے پنشن لے لی اور اپنے بیٹے کو اپنی جگہہ دلا دی انہوں نے بھی دس بارس میں ۲۵۔ ۳۰ لاکھ روپیہ پیدا کیا۔

پنڈت جی۔ نوکری کیا اکسیر تھی۔

میر صاحب۔ زبان اپنی ہے جو چاہا کہدیا۔

مس عورت۔ ہاں صاحب۔ کمسریٹ کی نوکری کیمیا ہی ہوتی ہے۔ انکے باپ کابل کی پہلی لڑائی میں گئے تھے۔ وہاں سے ۴۰ لاکھ روپیہ کما کے لائے تھے۔ ایک ہی بیٹا ہے۔ انہوں نے بہت چاہا یہ نوکری نہ کرے۔ مگر اس کی ضد کے آگے ان کی ایک نہ چلی آخر انہیں اپنی جگہہ دیتے ہی بنی۔ یہ دوسری لڑائی میں وہیں گیا تھا۔ وہاں سے مالا مال ہو کر آیا۔ باپ نے زبردستی پنشن دلوا دیا۔ پھر نے گئے۔ وہ چلتے وقت ہم سب کو ساتھ لئے جاتا تھا۔ مگر ہم کہاں جاتے تھے۔ اب دو مہینہ ہوئے جیسے برابر خط آتے ہیں۔

پہلی نازنین۔ ہوگا۔ مارو موئے کو۔ کالا کوئیل۔ تمباکو کا پنڈا۔ بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ میں تو اوس سے پاخانہ میں لوٹا بھی نہ رکھاتی۔ تمہارے ڈر کے مارے اوس سے بات بھی کر لیتی تھی اور جی ہی جی میں۔ گھٹتی تھی۔

مس عورت۔ واہ رے بڑی خوبصورت۔ آپ اوس سے پاخانہ میں۔ ۔ ۔ تم ایسی اُسکے یہاں پانی بھرتی ہیں۔ یہاں بھی۔ ہماری بہت سی بہنیں اس تمنا میں تھیں کہ وہ انسے سیدھے منہ بات بھی کرے۔

پہلی نازنین۔ اوس میں ایسے ہی لعل جڑے ہیں۔

مس عورت۔ ہاں لعل ہی جڑے ہیں۔ ایسے آدمی نصیبوں سے ملتے ہیں۔ تمہیں

کیا قدر (میر صاحب سے) میاں آپ بڑا زمانہ لگا۔ ہم دولت کی دنیا میں جہاں
یہ ہوگی وہیں جائیں گے۔ عورت شکل اور سلیقہ کو دیکھنا کیا چاہئیں۔ اونہیں بچیاں بھی
آپ کا واسطہ اور اپنے گھر کی وضع آن بان کا پاس نہ ہوتا تو میں بھی اپنی بہنوں کے
قدم بقدم چلتے۔

میر صاحب۔ آپ میرا خیال نہ کیجئے۔ پہلے ضرور ہمیں ہے۔ ہمیں یہی دیکھنا ہے
وہ بہو کا کنگالی انہیں لیا دیتا ہے۔ اور یہ کیا کلک کے لائق ہیں۔

مسن عورت۔ اب کیا جائیں گے۔ ہم میں بھی خوشی ہے۔ اور خدا کی عنایت
ہے کہیں یہاں بھی سب کچھ ہے آپ ہمارے لئے اوس سے کیا کم ہیں۔

پنڈت جی۔ پھر آپ نے ابھی کیوں کہا تھا کہ ...

مسن عورت۔ میں نے اس مردار کے جہیز کا جواب دیا تھا کیا خدا نخواستہ
میں عمالی ہی اور جب یہاں گذر نہ ہوگا تو ... پنڈت جی۔ آپ جانتے ہی ہیں
ہمارا کتنا بڑا خرچ ہے۔ اور آمدنی جو کچھ ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ آپ ہی دونوں
صاحبوں کا سہارا ہے پھر کیسے گذر ہوتی ہو۔ ان کی نئی عمر میں کھانے پینے اور
ہر طرح کے شوق کے دن۔ ذات برادری کے سیکڑوں خرچ۔ یہ آپکی محبت کے سبب
آپکے بیٹے کی غرض سے۔ آپکی خیر خواہی کریں اپنا جی ماریں کچھ نہ کہیں۔ ہم انکی
آئی ہوئی طبیعت کے لحاظ سے خاموش ہو رہیں۔ مگر خرچ تو کرنا ہی پڑتے ہیں اور اپنے
گھر کے نام کے موافق۔ خدا کے فضل سے آپ سب صاحبوں کی جوتیوں کے صدقے
سے ہمارے گھر کا وہ نام ہے کہ بس ... پھر اسی مطابق سب کام ہونا چاہئے۔
برادری کی لاج بھی تو کوئی چیز ہے۔ ابھی کل ہی کا ذکر ہے۔ اور گیا وہ کل ہی
سا ہے ایک مہینہ ہوا تو کیا۔ منّے کے چھیدن ہی میں سات ہزار خرچ ہوئے۔
گھر میں کوڑی بھی نہ تھی جتنی آمدنی اس سے دگنا خرچ۔ ہو کہاں سے۔ ساہوکار سے
قرض لیکر خرچ کیا۔ نہ کیسے کرتے سب ہماری اوقات کو نہ ہوسکتے نہیں۔ اور آپ کی بات
یہ بھی حرف تھا۔ اور کیا سارے زمانہ میں تو یہی مشہور ہے میر صاحب اور پنڈت جی
کے سر ہیں۔ اب ساہوکار کا تقاضا ہے۔

پہلی نازنین۔ اے ہے دماغ چاٹ گئیں۔ کبھی یہ چرچہ ...

پہلی نازنین۔ (اور کیا۔ جینے سوا) کہا۔ تم ہمارے بیچ میں دخل نہ دیا کرو۔ ہمارے اچھے مجھ سے کہیں بہتر ہو گا۔ مگر جب ہوگا دوکھڑا لیکے بیٹھ جائیں گی سننے والا بھی گھبرا جائے آئے دن کے تقاضے روز کی فرمائشیں کوئی کہاں تک اٹھا سکتا ہے۔ ہمیں بھی ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔

مسن عورت۔ میں نے کیا کہا ہے۔ میں تقاضا کرتی ہوں۔ میر صاحب میاں انصاف کی بھی کے بات ہے۔ میں نے آپ سے کچھ کہا ہے۔

پہلی نازنین۔ کبھی کہا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی دکھڑا لیکے بیٹھ جاتی ہے۔ آخر اس سے مطلب ہی کیا ہے۔ یہ آنا چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم یہ یاد رکھ

تم ہمیں بہت ستاؤ گی تو۔۔۔

میر صاحب۔ ہیں ہیں۔ جی بیزاری کرنے کی کیا بات ہے۔

مسن عورت۔ (دبلا) میں نے ایسی بات کیا کہی ہے۔ میں اسکو تم سے جدا کرنا چاہتی ہوں۔ میں آدمی کو نہیں پہچانتی۔ طبیعت کا ڈھنگ نہیں سمجھتی۔ آئی ہوئی طبیعت ہی نہیں رکتی ہے۔ اور پھر خدا کے فضل سے آپکے یہاں کیا کمی ہے۔ ہمیں چاہیے کیا دال روٹی بس۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کی دم سے سب کچھ ملتا ہے۔

پہلی نازنین۔ (آنسو پونچھتے ہوئے) پھر کیوں۔

میر صاحب۔ انھوں نے کیا کہا۔ وہ تو صرف ایک بات تھی۔

پہلی نازنین۔ کیوں ایسی بات کہی۔ سات ہزار بھی کوئی چیز ہیں۔ ہم چاہیں تو آج ہی دیدیں۔ سات ہزار کا طعنہ دینے بیٹھی ہیں۔ کوئی سنے تو کہے انھوں نے کبھی کوڑیاں بھی نہیں گنی ہیں۔

میر صاحب۔ آہ سات ہزار۔ کیا چیز ہیں۔ خدا نے چاہا کل ہی ادا ہو جائیں گے بلکہ اسی وقت۔

مسن عورت۔ ہاں میاں آپ ہی کا تو سہارا ہے۔ خدا آپکو سلامت رکھے۔

پہلی نازنین۔ (منہ چڑھانے کے طور پر) خدا آپکو۔۔۔۔ تم ایک کوڑی نہ دیتا۔ یہی تو مطلب تھا اور کس لئے یہ دکھڑا لئے بیٹھی تھیں۔ تم نے کچھ بھی دیا تو ہم سے

برا کوئی نہیں۔ کیا ہم سے پوچھ کے خرچ کیا تھا۔ یا اس میں ہماری نامودی ہے۔ پھر ہم کیوں دیں۔

مس عورت۔ اور کسکی ہے۔ ہم کچھ کریں نام انہیں دونوں کا ہوتا ہے۔

پہلی نازنین۔ ہوا کرے۔ ہم ایسا نام نہیں چاہتے۔

میر صاحب۔ کیوں نہیں۔

پہلی نازنین۔ دیکھیں تم کیسے دیتے ہو۔ خدا قسم جیسے ایک گھڑی نہ بنے گی ایسی ہوگی کہ تم بھی یاد کروگے۔

میر صاحب۔ جی ہاں آپ سے اور کیا ہوتا ہے۔ اپنے اوس مردود کو کچھ نہیں کہتیں۔

پہلی نازنین۔ اپنے لئے کیوں رہ گئے وہی کہو۔ تو بلن کیوں دبالی۔ دیکھو دآ سنتو پوچھتے ہوئے پھر ہم بھی کچھ کہیں گے (مس عورت سے) یہی سنوانا چاہتی تھیں۔ اللہ کرے وہ موا۔۔۔ جوان۔ نامراد۔۔۔ (میر صاحب سے بگڑ کر) ہمیں کیا ہے تم اپنا گھر لٹا دو۔ تمہارے بیٹے کی جو ہے وہ تمہارا دشمن ہے۔

میر صاحب۔ ہاں اوسی کو کہو۔ ہم سب کا گلا کیوں دبا تی ہو۔ اوس بے ایمان نے یہ خط کیوں لکھا۔ فساد کی جڑ تو یہی خط ہے۔ اور گھر کیا بگڑتا ہے۔ گھر کہاں گیا کچہری میں گیا۔

پہلی نازنین۔ (خط میر صاحب کے ہاتھ سے چھینکر) موا بے ایمان (خط جلاتے ہوئے) یونہی جیتا جاگتا جلایا جائے۔

میر صاحب۔ ہیں ہیں۔ یہاں نہیں یہاں نہیں۔ فرش فرش۔ ارے یہ جل جائیگا (جلتا خط اوسکے ہاتھ سے لیکر باہر پھینکتے ہوئے) وہاں جل جائے گا۔ (منشی جی سے چپکے سے) تم دکنیوں کا مجرا دیکھا میرا کبس کہوں کے۔۔۔۔ اور بھی آہستہ سے) ۔۔۔۔ بس جلدی آؤ۔

منشی جی۔ ابھی آیا۔ مگر مجرا شروع ہو۔ (وہ چلے تو پنڈت جی نے بھی اوسے کچھ کہدیا۔

پہلی نازنین۔ کہاں کھسکتے ہو۔ نہیں ہم نہ جانے دیں گے۔ کچھ نہیں۔ منشی جی تم بیٹھے

رہوا نہیں تو غضب ہو گیا ہے۔
منشی جی۔ میں انکے کہنے سے کبھی نہ جاؤں گا۔
پہلی نازنین۔ تو پان کھاؤ۔
منشی جی۔ بندگی۔ مگر میں اپنے ایک کام کو جاتا ہوں۔
پہلی نازنین۔ پھر وہی مجھسے یہ چکمہ۔
منشی جی۔ چکمہ نہیں۔ ابھی آیا۔
یہ کہکر وہ چلدئے اور یہاں ویسے ہی باتیں ہوتی رہیں اس اثنا میں تار کے سپاہی نے آبی دروازہ پر آواز دی۔ یہ تار ہے جاؤ۔ تار کا نام سنتے ہی کہل بلی مچ گئی سب عورتیں اور انکے سازندے گھبرا گئے۔
مسن عورت۔ ہیں تار کیسا۔ کہاں سے آیا۔
پہلی نازنین۔ الہی خیر
دوسری۔ یا اللہ تو ہی مالک ہے۔
استاد جی۔ خدا فضل کرے۔ یہ تار کسنے اسوقت دیا۔
پنڈت جی۔ (مسکراتے ہوئے) تار کیا آیا کوئی شیر آیا۔ سب سہم گئے۔ الہی خیر۔ پناہ بخدا۔ بد حواسی میں سب اپنی اپنی کہتے ہیں کوئی اوسکی خبر نہیں لیتا آخر آیا کہاں سے (خود نیچے جاتے ہوئے) میں لاتا ہوں (مسن عورت سے) گھبرانے کی کیا بات ہے تار لوگوں کے پاس آیا ہی کرتے ہیں۔
مسن عورت۔ (مغموم لہجے سے) ہاں خدا کرے خیریت ہو (میر صاحب سے) کیوں میاں تار میں خیریت ہوگی بہی ہے خدا کرے میرے بھائی بھانجے سب کنبہ والے اچھے ہوں۔ ہاں میں اونہیں کا تار ہوگا بمبئی سے۔
پنڈت جی۔ (کمرہ میں پہونچکے) یہ شیر آگیا (لفافہ کہولکر فرما دالا)
مسن عورت۔ کہاں سے آیا ہے۔ سب خیریت۔
پنڈت۔ کلکتہ سے۔
مسن عورت۔ آہ تو اونکا نہیں ہے اور کسی نے بھیجا ہے۔
پنڈت۔ انہیں بابو تاراچرن صاحب نے بھیجا ہے۔

پہلی نازنین۔ لاؤ مجھے دو اسے بھی چراغ کے حوالہ کر دوں۔
مسن عورت۔ پڑھو تو سہی کیا لکھا ہے۔ تار دینے کی ضرورت تو معلوم ہو۔
پہلی نازنین۔ نہیں تم ہی پڑھنا۔ ہم نہیں سنتے۔
مسن عورت۔ مجھے کون سنتا ہے۔
پہلی نازنین۔ اور ہمیں سننے سے سر درد کا۔
مسن عورت۔ کیوں نہیں آخر معلوم بھی ہو ایسا کیا ضروری کام ہے تار کیوں دیا ہے
شاید کسی جگہ ناچ کے لئے بلایا ہو۔
پہلی نازنین۔ ہوا کرے۔ ہم اس مہینے تو کہیں گے بھی نہیں جانا تو بہت
دور ہے۔
پنڈت۔ لکھا ہے۔
پہلی نازنین۔ (کانوں میں انگلی دیکر) ہے ہے نہیں مانتے۔
پنڈت جی۔ ہمنے کئی خط بھیجے کسی کا جواب نہیں۔ تردد ہے۔ جواب دو ورنہ
ہم آدمی بھیجینگے۔ اور وہ تمہارا سفر خرچ اور ایک سال کی تنخواہ تمہیں دیگا۔
اور تم کو لے آئیگا۔
منشی جی۔ (کمرہ میں پہونچکر) یہ کیا پڑھ رہے ہو۔
پنڈت۔ انہیں حضرت کا تار ہے۔
منشی جی۔ آہ۔ پھینکو نہیں اسے بھی حوالہ دو (میر صاحب سے) کیوں کیسے
جلدی آگئے۔
میر صاحب۔ (پہلی نازنین کی طرف اشارہ کرکے) انہیں انکے ہاں اڑا لے
گئے تھے۔
منشی جی۔ واہ یہ انعام ملا ہے۔
استاد جی۔ کیا لطیفہ فرمایا حضور نے۔
دوسرا سارنگیا۔ کیا کہنا ہے اس طبیعت کے قربان۔
پہلی نازنین۔ (مسکراتی ہوئی) اسد جانتا ہے کیا بات کہی ہے۔ جی پھڑک گیا
(چپکے سے) منہ چوم لے۔

دوسری نازنین۔ اسکے تو یہ بادشاہ ہیں۔
استاد۔ بیشک۔ اور ایسی صحبتوں میں لوگ آدمی بن جاتے ہیں۔ ہے ہے کیا
لطیفہ کہا ہے۔ منشی جی کی تعریف بھی کہ ایسی جلدی آ گئے گویا پہلے سے لگا رکھے تھے۔ اور
مذمت بھی ہر انسان کے ہوتے نہیں پڑیوں سے کے ہوتے ہیں پھر اس پہلو کو کس
خوبصورتی سے بچایا ہے خود انہیں کہتے پر لگا رکھتے تو یہ خوبصورتی یہ لطافت پیدا
نہ ہوتی۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ آدمی ہیں پرند نہیں ہیں۔ اور مرد ہیں پری نہیں ہاں جو
سکتے تھے۔ انہیں مستانہ پرو لوٹ کس ترکیب سے خوب ایک بات کہہ گئے
اور اپنے معشوق کی تعریف بھی کر دی انکا دل بڑھا دیا۔
دوسرا سارنگیا۔ اور پردوں سے کے لئے۔ اور ایسے گئے کہ تماشا سب انداز تھا۔ اور بیان
بڑھا لیے گئے تھے تو یہ بات پیدا ہوتی۔
اوستاد جی۔ اور کس انداز سے اپنے دونوں شاگردوں کی طرف دیکھ کے چپکے سے
کہا ہے۔ مشفق پیشینی پیری بقدیر۔
منشی جی۔ تم بھی ایک لطیفہ کی کہتے ہو۔ ہمارے حضور ہر وقت ایسے ہی لطیفے
کہتے ہیں خدا جانتا ہے حضور کی ہر ایک بات لکھ لینے کے قابل ہوتی ہے۔
میر صاحب۔ دیکھا تم نے ہو۔ شاہی تعریفوں پر فخر کرنے کو چھپانے کے لئے لطف
کی طرح پر واہ۔ وہ بات بھی کیا تھی۔ ہاں صاحب اب شروع ہو۔
اُستاد جی۔ بہت اچھا۔ اگر حضور۔ آج بھی ہیر کے اشعار لیں گے۔
میر صاحب۔ بہت خوب۔
استاد جی نے سارنگی پیچھے سے ملائی تھی طبلہ بھی ملا رہی تھا۔ ساز چھڑ گیا نازنین نے
جب اسم پیری رو کہیں گے۔ پھر بھی اپنے ڈھب کی موقع کے مناسب چھیڑ دی
تو بے بیگی لاگے صورت تہاری۔ دلیں لگا تیر۔ سیر کی یا سٹ دانا آواز وقت
کی راگنی۔ اور سیر پیری رو کا میر صاحب کو مخاطب کرکے گاتا تا۔ وہ سماں بندھا ہے
کہ واہ۔ میر صاحب اسم پاسی پر پیری کی ہر ادا پر لوٹے جاتے اور ہر تان پر جھومتے
چٹکی سے تال دیتے ہم پر گردن ہلاتے تھے۔
پنڈت۔ واہ لیں صاحب کیا کہنا ہے دو دو روپیہ دیتے ہو سبحان اللہ

سبحان اللہ۔ کیا ریاض کر رہے ہو۔ واہ واہ۔
میر صاحب۔ (پانچ روپیہ دیکر) میں بڑا خوش قسمت ہوں۔
پری رو۔ موہے بھلی لاگے صورت تہاری صورت (مسکراتے ہوئے) تہاری۔
میر صاحب۔ (پھر پانچ روپیہ دیتے ہوئے) ہاں ہاں جبھی تو تمہیں میری صورت اچھی لگے تو پھر کیا کہنا ہے۔
اُستاد جی۔ (سارنگی بجاتے بجاتے) اس وقت بھی حضور نہیں چوکتے بلا کی شوخ طبیعت ہے۔
دوسری نازنین جسے ہم اب صرف نازنین کہیں گے۔ خوش نصیب نہ کہا۔
میر صاحب۔ تم کنا سیکھ لیتا تب کہتا۔
استاد جی۔ (نازنین کی طرف آنکھ سے اشارہ کرکے) سب جانتے ہیں۔ اس بچاؤ کی غرض سے نہیں کہا وہ تو اپنے اوپر ہو جاتی (لکھنؤ میں خوش نصیب بھانڈوں کا ایک طائفہ ہے)
پری رو۔ (استاد سے) پہلے باتیں ہی کرلو۔
استاد۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ ہاں موہے بھلی لاگے صورت تہاری۔
یہ چیز ختم کرکے دوسرا پہلو بھی ویس کا شروع کیا گیا۔ موہے سے نین لاگے گویاں۔ کہو اور سنگ کا ہے۔ پنڈت جی نے دم دم چھ روپیہ تین بار میں دئے تھے ہمارے فیاض عالی ہمت میر صاحب نے اپنے آدھی جیب خالی کردی۔ دوسری چیز چھیڑی گئی تو پھر پنڈت جی نے اوسی طرح پہل کی۔ اور میر صاحب کے فیاض ہاتھ ابھی بار سونا پہر سامنے لگے انہوں نے صرف اس ایک چیز گانے میں پانچ ہی بار میں دس اشرفیاں دیں۔ اور غزل کی فرمائش کی پری رو نے ہمارے نازک خیال جادو بیان دوست قاضی سید مقصود حسن حیرت شاہجہاں پوری کی یہ مرصع غزل اس دھن میں شروع کی سے

وصل میں ناز سے کہتے ہیں کن احسانوں سے
ناک میں دم تھا ہمارا ترے ارمانوں سے

ماہ وش پری رو جیسی گانے میں یکتا ہے ویسی ہی بتانے میں بے مثل ہے۔ اس کی دردناک، سریلی، پاٹ دار آواز، گانے کی لے، سروں کا دلکش انداز سے ٹھیک ٹھیک ادا ہونا۔ اس کا غزل کو ٹھمری سے زیادہ اچھی طرح بتا بتا کے گانا۔ اپنے کمال کو خوب ظاہر کرتا تھا۔ اس کا زاہد فریب حسن اور بلا کا نکھار یہ سب بلائیں ہمارے میر صاحب کی چونچلے دل کو تڑپانے کے لئے کیا کم تھیں کہ اس غزل کے مضامین چٹیلی بندش، زبان کی نفاست، ادا بندی کی خوبی اتنی اور قیامتیں اس بیچارے پر نازل ہو گئیں۔ پری رو نے ابھی مطلع کا پہلا ہی مصرع ادا کیا تھا کہ میر صاحب نے جھوم کر کہا۔ اہا ہا ہا۔ یہ کون ظالم ہے۔

پنڈت۔ مولانا حیرت۔

میر صاحب۔ اُف اُف۔ جبھی اس کلام میں یہ اثر ہے (پری رو سے) اُف رے ظالم۔ کیا غزل نکالی ہے۔

پری رو نے اتنی داد پا کر کئی بار اسی مطلع کو گایا اور ہر مرتبہ نئے انداز سے بتایا۔ میر صاحب جھوم جھوم کے مزے لیتے رہے۔

پری رو۔

نہ رہی دل میں جگہ چند ہی پیکانوں سے
یہ تو گھر بھر گیا دو چار ہی مہمانوں سے

پنڈت۔ ہائے ظالم کیا شعر لکھا ہے۔

منشی جی۔ اور انہوں نے اسے ادا کس خوبی سے کیا ہے۔

پری رو۔

جانتے ہی نہیں وہ غیض محبت کیا ہے — ٹوٹتا آیا ہے وفا میں یہ نہیں نقصانوں سے
کر لیا وصل کا اقرار عدو سے تم نے — مجھ سے کیوں اٹھتے ہو خود میں نے سنا کانوں سے

میر صاحب۔ ہے ہے ظالم نے کیا کیا شعر لکھے ہیں۔ دل تڑپا جاتا ہے۔ ہر بار انہیں داد دینے کے لئے جان لبوں پر آنے کا قصد کرتی ہے۔ اور یہ اور زیادہ مزے لینے کی غرض سے وہیں روک دیتی ہے۔

پری رو۔

بت ہیں عیار خدا ان سے بچائے حیرت
چال کر جاتے ہیں کافر یہ مسلمانوں سے

میر صاحب۔ ہیں ایسی جلدی یہ پیاری غزل ختم ہوگئی (ہریرو سے) کیا اس غزل میں صرف پانچ ہی شعر تھے۔

ہریرو۔ نہیں۔ بڑی غزل ہے اور سب شعر ایسے ہی ہیں۔

پنڈت۔ بلکہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔

ہریرو۔ مگر ہم لوگ گانے کے لئے پانچ یا سات ہی شعر یاد کرتے ہیں۔

میر صاحب۔ جی ہاں تڑپانے اور ترسانے کے لئے۔

پنڈت۔ اچھا کوئی اور غزل گاؤ۔

ہریرو نے سوچتے ذہن میں یہ غزل شروع کی ؎

وصل کی چاہ مجھے آپکو چاہت دل کی
وعدہ کر لیجئے طے ہولی ہے حجت دل کی

میر صاحب۔ ہاہاہا۔ بھئی کیا مطلع کہا ہے۔ ظالم نے۔ یہ بھی وہی ہیں۔

پنڈت جی۔ وہ نہیں انکے دوست شاگرد حکیم سید اصغر علی صاحب ہیں۔

میر صاحب۔ خوب بہت خوب۔ انکا کلام بھی بہت ہی مزیدار ہوتا ہے۔ زبان بھی چٹپٹی وہی۔ وہی بندش کیوں نہو۔

منشی جی۔ یہ سب حضرت داغ کا فیض ہے۔

پنڈت۔ مگر میر صاحب آپ ایسی جلدی سے یہیں پر پہونچ گئے۔

منشی جی۔ اپنے حجرہ میں دقت اور ترتیب کی پابندی نہیں ہو سکتی۔

میر صاحب۔ بہت ٹھیک۔ یہ فضول جھگڑے ہیں۔ سننے بھی دو۔ (ہریرو سے) ہاں پیاری تم اپنا کلام سنانا چاہو تو کوئی ایک سنو۔

ہریرو گاتی ہے ؎

ہائے اسے تجھ کو دی شوق نے اتنا تیرا	وصل میں تو نے نکلنے نہ دی حسرت دل کی
طور بیطور ہیں کیا ہو خدا خیر کرے	لوٹ کر آئی ہے ظالم پہ طبیعت دل کی
ساتھ دے کس کا دیا خوب ہی اے رنج و الم	خوب ہی تم نے نباہی ہے رفاقت دل کی

یہ حسینوں کی نگاہوں پر چڑھا ہے ظفر
خیریت اب نظر آتی نہیں حضرت دل کی

میر صاحب۔ ہائے ظالم پھر وہی۔ یہ کیا ستم ہے۔ ایسے لوگوں کا کلام اور ایسے حسینوں کا سا انتخاب۔ ان ظالم معشوقوں کی تو ہر ایک بات جلانے ہی کی ہوتی ہے۔

پنڈت۔ کیا ہی گاتی رہیں گی۔

منشی جی۔ بس دو وقت کی راگنی کے سر دو رہیں۔ اب سے لال پری کی باری (نازنین گلابی ساری پہنے تھی)

میر صاحب۔ (پنڈت جی کی خاطر سے) ہاں۔ اب (نازنین سے) آپ کی باری ہے۔

پھر تھی دور۔ میر صاحب کی بغل میں آ بیٹھی۔ اور نازنین نے بجائی۔ ہر دور شروع کیا۔ یعنی وہی سوں بجائی۔ پھر اور چیزیں وقت اور موقع کے مناسب گائیں سب کو خوب رجھایا۔ میر صاحب نے دوسری سارنگی بھی انعام کی اشرفی اور روپیوں سے بھر دی۔ مجرا اس قدر سے ہو رہا تھا کہ سب کے کان آنکھیں اور دل اس میں محو تھے اور وہ حسین عورت جسے اب ہم شعبدہ (ایک جادوگر عورت کا نام تھا) کہیں گے اسی طرح اسی گوشہ میں بیٹھی تماشا دیکھتی اور اپنے مکان کے ایک کھڑکی چھپت کی طرف دیکھتی تھی۔ اسی حالت میں تو بے چلی۔ تھوڑی دیر بعد پھر دیکھی آواز بدلی۔ پھر کچھ روشنی نظر آئی۔ اور کوئی چیز سنائی دی۔ اور چھت پر سے قریب کہیں گری۔ اس وقت شعبدہ نے چلا کے کہا حسین بیٹھی رہیں۔ شیدا پاندان میں رکھ دی۔ اور ہٹانے چلی گئی۔ پھر اس وقت واپس آئی تب سے وہ بار بار میر صاحب کو رجھا رہی تھی اسے آتے دیکھ کر میر صاحب نے اشارہ سے پاس بلایا۔

شعبدہ۔ کہئے۔

میر صاحب۔ چند نوٹ دیکر انہیں رکھ لیجئے۔

شعبدہ۔ کیا کروں۔

میر صاحب۔ یہ سات ہزار کے نوٹ ہیں۔ ابتو آپکا قرض ادا ہو جائے گا۔
شعیدہ۔ (بلائیں لیکر) خدا انہیں خوش رکھے۔
استاد جی۔ یہ دل یہ حوصلہ کوئی کہاں سے پائے۔
میر صاحب۔ اور ہم آج سے انہیں چار سو ماہواری بھی دیا کرینگے۔
استاد جی۔ خدا سلامت رکھے ایسے قدردان حوصلہ والے سے سبھی طرح کی امید ہے اور ہو سکتی ہے۔
پری رو۔ (تیوری چڑھاکر) تو باتیں ہی کرو۔
میر صاحب۔ نہیں صاحب۔ ہم سنتے ہیں اور دل سے کان کسی طرف ہوں تو کیا ہے دل تمہارا ہے۔ تمہاری ہی طرف ہے اور رہے گا۔
استاد جی۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ کیا بات کہی ہے۔ سچ ہے حضور کی کوئی بات لطیفہ سے خالی نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ ہر لفظ موتیوں میں تولنے کے قابل ہوتا ہے۔
پری رو۔ ہو چکی۔
استاد جی۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ جیسے ہمارے یہ اپنا کام کر رہے ہیں ایسی حالت میں بارہ بج گئے پری رو نے خمار آلودہ صورت بنا کے انگڑائی اور جمائی لیکر چلو سو رہیں آدھی رات ہے۔ بہاگ کے دھن میں گانا شروع کیا اب شعیدہ کی آنکھیں اوسکے چہرہ پر نہیں۔ وہ ہی گاے گاتے کبھی کبھی شعیدہ کی طرف دیکھتے تھی۔ یکایک دروازہ پر بہت زور سے آواز بندوق کی سی ہوئی۔ شاید کسی نے پتاس کا پٹاخا اس گھر کے دروازہ پر زور سے مارکے چھوڑ دیا۔ نازنین اور پری رو دونوں نے ڈر سے چیخ ماری۔ دونو زور سے اچھلکر فرش پر گریں اور گریں تو بیہوش۔
شعیدہ۔ ہے ہے یہ کیا ہوا پری رو کو اٹھاتے ہوئے میرے نیچے میرے لاڈلے دپیار کرکے) ہائے ہائے دانتوں پوچھتے ہوئے اس بری گھڑی کی کسی کو خبر تھی۔ ہائے اب کیا کروں۔
استاد جی۔ (نازنین کو اٹھاتے ہوئے) ہے ہے رنگ میں بھنگ

شعیدہ۔ (سبکو گنگر) استاد جی۔ اب تم بھی اپنے گھر جاؤ۔ یہ اب اچھی ہیں۔

سب سازندے رخصت ہو گئے۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔ پری رو اور نازنین اُن کمروں کی طرف چلیں جن میں نفیس اور حشمت نے ان کی بیہوشی کی حالت میں روشنی کی تھی کمرہ کے دروازہ تک دونوں ساتھ۔ ہاتھ میں ہاتھ دئے۔ باتیں کرتی ہنستی کھکھلاتی گئیں۔ پھر الگ ہو گئیں۔ ایک کمرہ میں پری رو دوسرے میں نازنین چلی گئی۔

وہاں اُنکے خریدار پہلے سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد شعیدہ ایک کمرہ کے دروازہ پر آئی۔ اُسکی آہٹ سنکر پری رو نے کہا کون اماں جان۔

شعیدہ۔ ہاں ذرا نہیں یہاں بھیجدیجئے۔

پری رو۔ تمہیں چلے آؤ۔

شعیدہ۔ ذرا تامل کر کے اچھا لیکر اندر گئی۔ اوس نے پری رو کو دوسرے کمرہ میں بھیجا۔ وہ ایک قوی ہیکل مرد کو ساتھ لئے آئی دونوں اوس کمرہ میں چلے گئے جس میں شعیدہ کسی مرد سے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھی اب تیز لیمپ کی روشنی میں ان دونوں جوانوں کو دیکھا۔ دونوں منہ چھپانے کے لئے ڈھاٹے باندھے تھے صرف آنکھیں کھلی تھیں۔

شعیدہ۔ ان دونوں مردوں سے (یہ پنڈت اور سید صاحب کبھی آتے ہیں پہلے کی اینٹ ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ مطلب نہ سروکار۔

ایک جوان۔ انہیں کو منہ لگاتے ہی کیوں ہو۔

شعیدہ۔ کون منہ لگاتا ہے۔ وہ تو مانے نہ مانیں میرا مہمان خوب ہی بڑھ بڑھ کے حفظ کئے بیٹھے ہیں شام سے آ دھمکے۔ کتنا ہی ٹالا مگر وہ کیا ٹلنے والے تھے مجرا ستار ناچ دکھاؤ۔ اور خدا جانے کیا کیا واہیات خرافات بکتے رہے۔ مجھے تو کئی بار غصہ آیا۔ جی میں تو آیا کہ انہیں جھڑک دوں۔ پھر یہ سوچی رنڈی کا مکان ہے یہاں سبھی طرح کے آدمی آتے ہیں۔۔۔۔ اور اُنسے کچھ الجھو گے تو یہ نہ معلوم کیا کہیں۔ پھر کیا ہو۔ وہ ہیں بدمعاش تم اُس وقت تک آئے نہ تھے۔ تم ہوتے تو میں اسیوقت للکار دیتی۔

وہی جوان۔ مجرا تو ہو رہا تھا۔

شعیدہ۔ پیچھے پڑگئے تو۔۔۔۔

وہی جوان۔ کچھ بہانہ کردیتیں۔

دوسرا۔ ہم نے سیٹی دی کسی نے سنی ہی نہیں۔ تب میں نے پٹاخا چھوڑا۔ اور دونوں ادھر چلے آئے یہاں تم کو اپنا منتظر پایا۔ مگر تم اسکے سبب جلدی سے چلدیں۔

وہی پہلا جوان۔ ایسے آدمیوں کا روز آنا اور اتنی دیر بیٹھنا ٹھیک نہیں۔

شعیدہ۔ روز نہیں آتے ہاں وہ کام ہوگیا۔

وہی پہلا جوان۔ ہاں۔

شعیدہ۔ کیا میں کسی کام کو کہتی ہوں۔

وہی پہلا جوان۔ بھینٹ کو پوچھتے ہو۔

دوسرا جوان۔ نقد دینا۔ بھینٹ جو کچھ ہو ہمارا کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا۔

شعیدہ۔ اور وہ خط

وہی پہلا جوان۔ روانہ کردیا آج کے بیسویں دن جواب آجائیگا۔

شعیدہ۔ اب تو تم نے بہت دن سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ ہماری کچھ خبر بھی ہے۔

وہی پہلا جوان۔ ابھی وہ ہی مہینہ تو ہوئے۔ اوس میں جو کچھ نفع ہمکو ہوا تھا ہم اوسکا حصہ تمہیں دے چکے۔ وہ تو۔۔۔

شعیدہ۔ ہاں ہاں بہت دن کے لئے کافی ضرور تھا۔ مگر۔

وہی پہلا جوان۔ آخر ایسی جلدی کیونکر خرچ ہوگیا۔

شعیدہ۔ دس ہزار تو نصیبن کے جہیز میں خرچ ہوئے۔ کچھ ان دنوں سے زیور بنایا۔ باقی ایک خرچ ہوتا رہا۔

وہی پہلا جوان۔ اچھا دیکھا جائے گا۔

دوسرا جوان۔ زیور انکے پاس پہلے سے ہے۔

شعیدہ۔ ہاں پہلے کا بھی تھا۔ مگر تم جانتے ہو۔ یہی عمر کھانے پہننے اور ہر طرح کے شوق کی ہوتی ہے۔ نوجہاں کو کسی محفل میں پرانا زیور پہنے دیکھ آئی تھیں۔ اوس دن

اوسکا جوڑا سبز تھا۔ تو زیور بھی سب زمرد کا پہنے تھی۔ کسی نے اُن سے کہدیا یہ جس رنگ کا جوڑا پہنتی ہے اوسی رنگ کے جواہرات کا سب زیور بھی اوسدن پہنتی ہے انہیں بھی وہی شوق ہوا۔ میں نے کہا تمہارے کمانے والے سلامت رہیں ضرور بنوالو۔ زمرد۔ اور پکھراج دو طرح کے سب عدد بنگئے ہیں اور بنیں گے۔

پہلا نوجوان۔ اچھا۔

سعیدہ۔ ایسی ہی باتیں کرکے۔ چلی گئی۔ وہ دوسرا جوان بھی اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ اور میاں سناٹا ہوگیا۔

دوسرا باب ۲

کاشکے وہ بھی ہمارے سامنے ہی ہو چکیں
گردشیں باقی ہیں جتنی چرخ زنگاری میں اور

جال اور سونے کی چڑیا

واہ کیا سہانا وقت اور کیا دلکش سماں ہے۔ پچھلا پہر ہے صبح ہوا ہی چاہتی ہے آفتاب قریبا پہونچا ہے تو اوسکی گرمی پہنچا ہوا ہے مگر گہرے سایہ کو ہلکا کر دیا ہے ہاں ہاں چمکتے تاروں کی تمام رات جلی ہوئی شمعیں جھلملا رہی ہیں صبح کے نورانی چہرہ کے تپاک کے سامنے اوس پھیکے پیلے ماہتاب کی روشنی ماند ہوگئی ہے تاہم ہم دنیا ابھی اوسکے دم قدم سے روشن نظر آتی ہے۔ اوسکی دھیمی دھیمی روشنی ہر طرف پھیلی ہے۔ مگر یہ کیا ایک ذرا سی دیر میں شاہ خاور کی آمد کا غلغلہ زیادہ ہوگیا۔ الغرض صبح اپنا رنگ جمانے کے لئے بہت تیزی سے اس بزم کی طرف بڑھی۔ اور رات کی ملکہ ماہتاب کے چہرہ پر ہوائیاں سی اوڑنے لگیں۔ اب قدرت کے فراشوں نے تاروں کی جھلملاتی شمعیں ایک ایک کرکے گل کرنا شروع کی ہیں اور خلقی گویوں۔ کوئل پپیہا وغیرہ خوش آواز پرندوں نے شہنشاہ روز کی آمد آمد کا ترانہ دلکش سروں میں چھیڑ دیا ہے۔ صحت اور صبح کی ہوا اس محفل کے معطر کرنے کو آم کے بور وغیرہ موسمی پھولوں کی

خوشبو لئے اڑاتی ہوئی چلی آتی ہے۔

اور ہم اس فسانہ کی پہلی ہی صبح کو اسی کے دوسرے باب کے تقاضے سے زمانہ رواں کے خیالی تاریخ لینے بیٹھے ہیں آپ ہی دیکھئے سمت ۱۹۴۸ اور سنہ ۱۸۹۱ء ہیں۔ فصلی پہلی مہینہ کے مقابلہ میں اپریل کا مہینہ ہے دن تاریخ کی خبر نہیں۔ وقت البتہ وہی ہے جو ہم پہلے دکھا چکے ہیں۔ دارالسلطنت لشکر سے اوتر پچھم کے کونے پر شیوپور کے قریب (خدا قائم رکھے) ہماری اس ریاست کے حدود کے اندر ایک پہاڑ کے دامن میں بہت ناہموار اور تنگ پگڈنڈی کا جنگل ہے جس میں سے ایک چھوٹا سا قافلہ جا رہا ہے۔ اور کیا قافلہ ہے۔ تین بھینسوں پر جو لھا چکی گرستی کا سب سامان لدا ہے۔ انکی آگے چھ سات بکریاں دو گائیں ہیں اور پیچھے چھ آدمی اسباب کی گٹھریاں باندھے چل رہے ہیں۔ گٹھری والوں کے پیچھے دو ٹٹوؤں پر دو عورتیں سر سے پاؤں تک سفید چادروں میں لپٹی گود میں سوتے بچے لئے بیٹھے ہیں۔ انکی پیچھے سات جوان تلوار بندوق سے مسلح۔ اور ان جوانوں کے حلقہ میں تین عورتیں ہیں۔

صبح کی ڈاک پر آفتاب کی ہیں ڈوری بہت تیزی سے ادہر ملی آتی ہے۔ اور ہمارے خانہ بدوش مسافر چاہتے ہیں کہ جلدی جلدی اس پہاڑی کے دوسری طرف چلے ہیں۔ ایسی حالت میں ان مسلح جوانوں سے ایک شخص جو قافلہ سالار معلوم ہوتا ہے ان سوار عورتوں سے کہتا ہے "اب انہیں دودھ پلادو" وہ دونوں عورتیں سوتے بچوں کو جگا کے گود میں بیٹھا لیتی ہیں۔ مگر نیند کے سبب اونکی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں۔ اور نہ زبان کلام دیتی ہے دونوں عورتیں انکے منہ میں ایک ایک گولی دیکر چمکارتے کہتی ہیں۔ بیٹی اسے نگل جاؤ۔ کئی بار سر ہلانے جھنجھوڑنے اور بار بار کہنے سے وہ لڑکیاں آنکھیں کھولتی۔ ان گولیوں کو جلدی سے نگل جاتی اور دوبارہ جلدی جلدی پلک مارتے پھر آنکھیں بند کرکے ان عورتوں کے گود میں لپٹ جاتی ہیں۔ قافلہ بدستور چلا جاتا ہے۔ گولی کھلانے کے چند روز ہی منٹ کے بعد دونوں لڑکیاں اٹھ بیٹھتی ہیں۔ ادھر ادھر بہت گھنا جنگل اونچا نیچا تنگ راستہ پہاڑ کی چھوٹی بڑی چوٹیاں جا بجا گہرے غار۔ اونچی نیچی چٹانیں قافلہ کے ساتھ چند مسلح آدمی کچھ میلی کچیلی بدصورت عورتیں۔ بھاری گٹھریاں لئے چند آدمی ٹٹوؤں کی سواری پر

غرض یہ یہاں تک منظر جو آنکھوں نے اب تک کبھی نہ دیکھا تھا۔ دیکھو ذرا جاتی؟
ابھی ابھی ماں سے جنگلی گود میں وہ بیٹھی ہیں چمٹ جاتی ہیں۔
اور انہیں چمکار کے چھاتی سے لگا لیتی ہیں۔ اور ان کا خوف دور کرنے کے لئے تسکین اور دلاسے کی باتیں کہتی ہیں۔ مگر اپنا منہ جو چادر کے گھونگھٹ میں چھپا ہے نہیں کھولتیں۔

پھر ان دونوں لڑکیوں کی تصویر ابھی آپکو کیا دکھائیں۔ انکی حسن و خوبی کا بھی اعتبار ہی کیا۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں۔ ان کی صورت بہت ہی پیاری ہے۔ یہ زمانہ کی افتادوں اور مصیبتوں سے بچکر زندہ رہیں۔ اور چیچک وغیرہ صورت بگاڑنے والی بیماریوں نے انکی اچھی صورت پر رحم کیا تو دونوں اپنے وقت میں ایک دوسرے کا جواب ہونگی ان دونوں کے عمر کے اون ملاکے چودہ سال سے زیادہ نہ ہونگے ۔ اور کیا وہ ملائم ملائم بھولے بھولے پیارے پیارے نقشہ والی پتلیا کمیت شوخ پر بیٹھی ہے جسکا نقشہ اسپ تناسب موزوں۔ اور حسن کا کمال کمانوں نقش و نگار کی بدولت زنانہ خوبی کا دلکش اور مکمل مرقع ہے۔ پانچ چھ برس کی ہے۔ دوسری جو سرنگ ٹٹو پر ہے جسکے دلاویز نقشہ اور ڈیل ڈول میں مردانہ خوبی کی کچھ جھلک سی معلوم ہوتی ہے سات آٹھ برس سے زیادہ نہیں ہے شباب میں اسکا یہ دلربا نقشہ جسکے آئینہ میں مردانہ آن بان بھی کچھ جھلک دکھاتی ہے حسن کے قدردان مرد عورت دونوں کی نظر کے لئے بہت چلتے ہوئے مرچی بازو دار خنجر ہوگا۔

یہ دونوں لڑکیاں اب جیسی ہیں اور کبھی جو کچھ ہوں۔ ہم اس موقع پر انہیں بالکل اجنبی کے طور پر مخاطب کریں گے اور چھوٹی سیاہ کمیت سوار کو زیبا اور ٹٹو سوار کو دلربا کہیں گے۔ قافلہ چلتے چلتے ایسی جگہ پہونچ گیا ہے جہاں اس تیلی سی ناہموار پگڈنڈی پر دونوں طرف سے بہت جھکتا ہے گنجان جنگلی درختوں کی گھنی شاخوں نے اور بھی اندھیرا کر دیا ہے۔ سائبان اتنا نیچا ہے کہ گھوڑے کے لئے دو سوار عورتیں اپنے اپنے بچوں کو سینے سے لگا کر گھوڑوں پر جھکی ہیں اور سب بیل حالت کو جو میں ہو گئے ہیں [illegible]

اپنی سربلند بندوقیں نیچی کرلیں اور گٹھری والوں نے اپنے بوجھ پیٹھ پر باندھ لئے ہیں اس طرح بہت احتیاط سے قدم اٹھاتے جا رہے ہیں۔ تنگ پگڈنڈی کے بائیں طرف ۲۰ ہاتھ سے زیادہ اونچا ٹیلا ہے جس پر بہت جھتنارے گھنے درخت ہیں داہنے سمت ایک چھوٹی سی پہاڑی جو سامنے دکھائی دیتی ہے بہت ناہموار اور کاواک گھاٹی ہے گو اس گھاٹی کا نشیب پگڈنڈی کے کنارہ ہی سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ بڑھتا ذرا سی دور پر ختم ہو گیا ہے جیسے خاتمہ کی سطح پگڈنڈی کے کنارہ سے چھ سات ہاتھ نیچی ہے مگر اس ٹوکدار پتھروں اور خاردار درختوں نے جو اس گھاٹی کی تمام زمین کو چھپائے ہیں۔ اس جگہ کو ایسا خوفناک بنا دیا ہے کہ چلنے والے کو ہر قدم پر پگڈنڈی کے نیچے لڑھک جانے کا وہم ہوتا ہے۔ اور نیچے جانے والے کو کسی طرح گڑھے تک صحیح سلامت پہونچنے کا گمان ہی نہیں ہوتا۔

گنجان درختوں کی جھتناری شاخوں نے اپنے گھنے پتوں کی گاڑھی پوشش اس منظر پر ایسی ڈالی ہے کہ جھلملانے والے تاروں کی روشنی تو کیا اوجالا دن بھی یہاں کی زمین نہیں دیکھ سکتا۔ آفتاب کی تیز شعاعوں کی روشنی اس حصار کے باہر ہی رہتی ہے۔ تاریکی کا یہ عالم ہے اور جنگل کے چرند پرند اور درندوں کی آوازوں اور زمین پر پڑے خشک پتوں کی چرچراہٹ نے جو چلنے والوں سے اپنی پامالی کی شکایت کر رہے ہیں۔ اس اندھیری گھپ جگہ کو اور بھی خوفناک بنا دیا ہے۔

معصوم بھولے بھالی لڑکیوں کے ننھے ننھے کلیجے دہلے جاتے ہیں انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ امی جان کے سینے سے چمٹکر چادر کے آنچل سے منہ ڈھانک لیا ہے۔ مگر ہائے پھر بھی ڈر کم نہیں ہوا تا یہ دشوار گزار مقام ختم ہونے کو تھا کہ زیبا نے ڈر سے چیخ ماری۔

زیبا کی ماں۔ (چمکار کر) کیوں۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ ڈرو نہیں دامن نیچے درختوں سے باہر نکل کر ٹٹو پر جھک کے بیٹھتے ہوئے آؤ مجھے چمٹ جاؤ۔

زیبا۔ امی جان۔ ہیں چھپاؤ۔

زیبا کی ماں۔ مجھے چمٹی ہوئی تو ہو۔ پھر کیوں ڈرتی ہو

زیبا۔ وہ اندھیرا کیسا ہے۔

ما۔ بیٹی رات ہے نہ۔

دلربا۔ (اپنی ماں سے زور سے چمٹ کر اور اٹھ کر روتے ہوئے) ہائے اللہ

ما۔ روتی کیوں ہو۔

دلربا۔ اماں۔ یہ درخت جابجا ہلتے دیکھے تھے۔

ما۔ ہاں ہاں دلربا کچھ ڈرو نہیں۔ یہ سب پیڑ جنگلی ہیں۔

دلربا۔ کیوں جنگل کیا۔

ما۔ ہم جنگل میں چلے جاتے ہیں نہ۔ جنگل وہ جہاں بہت سے درخت ہوں۔

دلربا۔ ہائے اللہ۔ تم یہاں کیوں آئی ہو گھر کہاں ہے

ما۔ گھر بہت دور چھوڑ آئے [illegible]

لئے جاتے ہیں۔

دلربا۔ کس جگہ۔ ابا نوکری پر سے آگئے۔

ما۔ ہاں وہاں بھی ہمارا گھر ہے۔ وہ بھی ایسا ہی شہر ہے جیسے اپنا گوالیار ہے۔

دلربا۔ تو وہاں کیوں جاتی ہو۔

ما۔ تمہارے ماموں نے بلایا ہے۔

دلربا۔ تو اس راستے بازار بازار چلیں۔ یہ تو بہت برا راستہ ہے اندھیرا ایسا ہے کہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

زیبا۔ (ان باتوں کو سن کر اپنی ماں سے) تم بھی اور جگہ جاتی ہو۔

ما۔ ہاں۔

زیبا۔ کیوں۔

ما۔ تمہارے ہی ماموں نے بلایا ہے۔

زیبا۔ اور یہ ہمارے ساتھ کون ہیں۔

ما۔ سب ہمارے نوکر چاکر ہیں۔

زیبا۔ ہمارے ... پہلے تو ...

ما۔ ہاں ہمارے نوکر ہیں سب تمہارے ماموں کے پاس تھے انہوں نے

انکو بھی اپنے چھپا ہے۔
زیبا۔ اماں اور یہ کون بولتا ہے۔
ما۔ بیٹی جنگل کے جانور ہیں۔ ڈرو نہیں۔ کوئی کاٹیگا نہیں۔
زیبا۔ ہمارا گھر بھی وہاں ہے۔ ہمارے ابا بھی ساتھ ہیں۔
ما۔ ہاں بیٹی۔
زیبا۔ کتنی دیر میں پہونچیں گے۔
ما۔ ابھی ذرا سی دیر میں۔
زیبا۔ بڑا راستہ ہے۔
ما۔ ہاں بیٹی۔
زیبا۔ اری بوا ماں۔ تم اب بھی منھ چھپائے ہو۔
ما۔ ہاں۔
زیبا۔ تمہیں بھی ڈر لگتا ہے۔
ما۔ نہیں میں نہیں ڈرتی۔
زیبا۔ پھر منھ کیوں ڈھانکے ہوئے تہیں اور اب بھی۔
ما۔ ان مردوں سے پردہ کرتی ہوں۔ کیا انکے سامنے ہو جاؤں۔
زیبا۔ پردہ کیوں کرتی ہو۔ گھر میں بھی جب سقا آتا تھا تم کوٹھری میں چھپ جاتی تھی۔ ویسا ہی پردہ کرتی ہو۔
ما۔ ویسا ہی۔
زیبا۔ یہ بھی بہشتی ہیں۔ مگر انکے پاس مشک نہیں ہے۔
ما۔ نہیں یہ مرد ہے ہیں نہ۔
زیبا۔ تو بہشتی اور مردوں سے منھ چھپاتی ہو۔
ما۔ ہاں سب مردوں سے اور بہشتی بھی رہی ہوتا ہے۔
زیبا۔ کیچ والے چچا گیا مرد نہیں ہیں۔
ما۔ کیوں نہیں وہ اپنے ہیں۔ تمہارے چچا ہیں نہ ان سے اون سے پردہ نہیں کرتی۔ اپنوں سے پردہ نہیں کرتے۔

زیبا۔ بجانے سے ...

ما۔ ہاں۔

زیبا۔ تو ہم وہاں کیوں جاتے ہیں۔

ما۔ اب وہیں رہیں گے۔

زیبا۔ اب ہم گھر میں کبھی نہ آئیں گی۔

ما۔ کبھی نہیں۔ یہ گھر تو چھن گیا۔

زیبا۔ کس نے چھین لیا۔

ما۔ اوسی بہشتی نے۔ تم سوتی تھیں وہ آیا ہمیں مار کے نکال دیا۔

زیبا۔ موا بے ایمان۔ مرے خدا کرے ۔ ہائے اللہ ہمارا گھروندا بھی لے لیا۔

ما۔ روؤ نہیں۔ لے لینے دو۔

زیبا۔ (روتے ہوئے) وہ ہمارا گھروندا ۔ ہائے اللہ

ما۔ روؤ نہیں۔ وہاں بھی ایسا ہی گھروندا ہے۔

دلربا۔ (اپنی ماں سے) تمہیں بی۔

ما۔ ہاں انہیں موذی بے ایمان بہشتی نے نکال دیا۔

دلربا۔ ہماری انا کہاں گئی۔

ما۔ وہ آگے چلی گئی ہے۔

دلربا۔ (مسکراتی ماں سے) ہماری انا ...

ما۔ اوسے اوسی بے ایمان نے پکڑ لیا تھا ہم نے چھڑا کر بھگا دیا۔ وہ تمہیں وہیں مل جائیگی۔

دلربا۔ (اپنی ماں سے) تمہاری آواز کیسی ہے۔

ما۔ کیسی ہے اچھی خاصی تو ہے۔

زیبا۔ (مسکرا اپنی ماں سے) امی جان تمہاری آواز بھی۔

ما۔ نہیں بیٹی۔

دلربا۔ (اپنی ماں سے) تم مردوں کی طرح بولتی ہو۔

زیبا۔ (اپنی ماں سے) تم مردوں کی طرح بولتی ہو۔
دلربا۔ تم اماں نہیں ہو۔
ما۔ پھر کون ہوں۔
دلربا۔ ہماری اماں تو مردوں کی طرح نہیں بولتی تھیں۔
ما۔ بیٹی میری آواز بیٹھ گئی ہے۔
دلربا۔ کیسے۔
ما۔ زکام ہو گیا ہے۔
دلربا۔ زکام... کھانسی۔ جیسے ہمیں آئی تھی۔ ہاں ہماری بھی آواز تو بیٹھ گئی تھی۔
ما۔ پھر کیوں پوچھتی ہو۔
دلربا۔ مگر تم کو کھانسی نہیں آتی ہے
ما۔ بیٹی خالی زکام ہے۔
دلربا۔ خالی کیا...
ما۔ ناک بہتی ہے۔ گلے کے اندر کھجلی سی ہوتی ہے اسی سے آواز بیٹھ گئی ہے جس ہی کو زکام کہتے ہیں۔
زیبا۔ (دیا بتی سنبھالتی) امی جان تم کو بھی زکام ہوا ہے۔
ما۔ ہاں بیٹی۔
زیبا۔ (آنکھیں کھول کر) ارے ابھی اندھیرا ہی ہے۔ امی جان ابھی تو ڈر لگتا ہے۔
ما۔ نہیں بیٹی ڈر دہنیں۔
زیبا۔ دن کب آئے گا
ما۔ تھوڑی دیر میں۔
دلربا۔ اماں۔ ماموں جان نوکر ہیں۔
ما۔ ہاں۔
دلربا۔ کس کے۔ انہیں سرکار کے ہونگے یا کسی امیر کے...

ما۔ کیا معلوم۔
دلربا۔ ہمارا یہ گھر اچھا تھا۔
ما۔ بیٹی کیا کریں اب تو چھٹ گیا۔
دلربا۔ اماں جلدی جلدی چلو۔ یہ جنگل پڑا ہے۔
ما۔ چلتے تو ہیں۔
دلربا۔ آج استانی جی آئیں گی۔ کیوں آئینگی نہ۔ انھوں نے وہ گھر دیکھا ہو نہ
ما۔ دیکھا ہے۔
دلربا۔ ہم آج ہی پڑھیں گے۔
ما۔ کیوں کیا ہوا۔ کیا کل کا سبق یاد نہیں ہے
دلربا۔ یاد ہے
ما۔ پھر
دلربا۔ آج چھٹی نہ دیں گی؟
ما۔ کیوں۔
دلربا۔ نئی جگہ جاتی ہیں نہ
ما۔ نئی جگہ جانے سے چھٹی ملتی ہے
دلربا۔ ہاں ہم بیاہ میں گئے تھے تب کہاں پڑھا تھا۔
ما۔ بیاہ کی اور بات ہے۔ ہو تو تم اپنے گھر جاتی ہو۔
دلربا۔ واہ نئی جگہ نہیں ہے۔ تمہیں نے کہا تھا۔ نئی جگہ جانے میں تو استانی جی چھٹی دیدیتی ہیں۔ نہیں آتیں۔
ما۔ کب کہا تھا۔
دلربا۔ واہ بھول گئیں تمنے وہیں بیاہ میں کہا تھا۔ اما چلو استانی جی آئی ہونگی ہم سبق پڑھیں گے۔ تم نے کہا تھا۔۔۔ کہا تھا کہ نہیں۔ یاد آیا۔
ما۔ کہا تھا
دلربا۔ پھر
ما۔ اچھا آج ہم چھٹی دلادیں گے۔

دلربا۔ وہاں تمھیں بھی آئیگی - ہماری گوئیاں۔
ما۔ آئیگی۔
دلربا۔ تو ہم آج اسکے ساتھ کھیلینگے۔ کل سے پڑھیں گے۔ اُیں۔
ما۔ اچھا۔
دلربا۔ (اپنی ماسے) امی جان۔ ہم بھی آج نہ پڑھیں گے۔
ما۔ اچھا۔
دلربا۔ (چپکے سے) امی جان یہ کون سی لڑکی بولتی ہے۔ جمنی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔
ما۔ نہیں بیٹا۔ یہ کوئی اور ہے
زیبا۔ تو یہ کون ہے۔
ما۔ کوئی ہوگی۔ اسے بھی اسکے ماموں نے بلایا ہے اور وہ تمھارے ماموں جان کے گھر ہی میں رہتے ہیں۔ تمہارے ماموں جان کے یہاں تمہاری ایک پھوپھی بی بھی تمہیں ملیں گی۔
زیبا۔ تو یہ اور ہم ایک ہی گھر میں رہیں گے۔
ما۔ اور کیا۔
زیبا۔ اور ساتھ ساتھ وہاں جائیں گے۔
ما۔ ہاں۔
زیبا۔ دن نکل آئے جلدی سے خدا کرے۔
ما۔ ایسی جلدی کیا ہے۔
زیبا۔ ہم انہیں دیکھیں۔ امی جان ہم نہیں اپنی گوئیاں بنائیں گے۔
ما۔ اچھا۔
زیبا۔ انکا گھروندا بھی ہوگا۔ وہاں۔
ما۔ ہوگا۔
زیبا الگ۔
ما۔ الگ۔

زیبا۔ اور ہم دونوں ایک ہی گھروندے میں کھیلیں گے۔

ماں۔ اچھا۔

زیبا۔ اسنے باتیں کریں۔

ماں۔ ابھی نہیں۔

زیبا۔ کب۔

ماں۔ دن نکل آنے دو۔

زیبا۔ کیوں۔

ماں۔ تم انکی صورت دیکھو وہ تمہیں دیکھیں جب باتیں کرنا۔

زیبا۔ اچھا۔

یہ سب باتیں چپکے چپکے ہوئیں۔

دلربا۔ (اپنی ماں سے چپکے سے) اماجان یہ کون لڑکی ہے۔ اپنی اماجان سے ابھی باتیں کرتی تھی۔

ماں۔ تمھارے ماموں جان اسکے بھی ماموں جان ہیں۔ یہ بھی وہیں جاتی ہے۔ تم دونوں ایک ہی گھر میں رہوگی۔ اور وہیں تمھاری پھوپھی تم کو ملینگی۔

انہیں باتوں میں یہ خوفناک مقام طے ہوگیا۔ ہمارے مسافر اس پہاڑی کے دوسری طرف پہونچ گئے۔ یہاں جنگل دلیسا گھنا نہیں ہے راستہ بھی کچھ ہموار اور فراخ ہے وقت بھی وہی ہے۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی جاتی ہے۔ دونوں لڑکیوں نے اپنی ماں کے کہنے سے آنکھیں کھولدی ہیں۔ اُنکے گود میں بیٹھی ادہر اودہر دیکھتی ہیں کہ یکایک اوس گھنے اور تاریک جنگل سے جو اس قافلے کے پیچھے قریب ہی ہے بہت ہی خوفناک لہجہ سے بھاری آواز میں یہ صدا آتی ہے۔ ہوں ہوں۔ کھاجاؤں گا سب کو کھاجاؤں گا۔ ایک کو نہ چھوڑوں گا۔ اس آواز کے ساتھ ہی اسی تاریکی میں بجلی کی سی چمک ہوتی ہے۔ پھر دو بڑے انگارے آگے آتے دکھائی دیتے ہیں۔

وہ آواز سنتے ہی سبکی نگاہیں ادہر ہی پہونچ گئی تھیں سب حیرت اور خوف کی نظر سے اس منظر کو دیکھتے تھے۔ وہ دونوں لڑکیاں بھی اپنی ماں سے چمٹ گئیں۔ اور کچھ

بہت کچھ خوف کی نگاہ سے اوہر ہی دیکھتی تہیں۔ ابھی کسی کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی تھی کہ ان انگاروں کو اپنی طرف دوڑتے دیکھکر قافلہ سالار مسلح جوان نے کچھ خوف زدہ آواز سے کہا۔ ارے یہ تو کوئی بھوت ہے۔ اور سب قافلہ والوں نے اوسی کے ہم زبان ہوکر اوسی لہجہ اور آواز سے یہی کہا۔ اب لڑکیاں کچھ سہم گئیں ننھی بچی نے رونا شروع کیا مگر ان کی ماں نے انہیں تسلی دی اس سے وہ خوف زدہ نہیں ہوئیں اس شور وغل کے جواب میں دہیمی آواز سے بادل وہیں گرجا بجلی چمکی اور یہ صدا آئی بھوت نہیں ہوں۔ سب کو کھا جاؤں گا اور دوسرے ہی لمحہ میں ایک قوی ہیکل سیاہ جسم جو کم سے کم چار گز اونچا اور ڈیڑھ گز چوڑا ہوگا۔ اوس تاریکی سے نکلکر قافلہ کیطرف آتا دکھائی دیا۔ اس جسم پر سر سے پاؤں تک سیاہ بہت گھنے موٹے بال ہیں جن کی عنایت سے اس کی جلد بالکل کالا کمل معلوم ہوتی ہے۔ گنبد نما گول سر کے دونوں طرف ہاتھی کے ایسے کان ہیں۔ ان کے بیچ میں سونڈ لٹک رہا ہے سونڈ کے دونوں طرف بڑے بڑے موٹے سفید چمکدار دانت اور سر پہ دونوں کانوں کی جڑ میں دو سرخ سینگ ہیں۔ ان سینگوں نے اس چہرہ کو ہاتھی کے نقشہ سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے مگر بے سود۔ ہم اس کو سینگ والا ہاتھی کہہ سکتے ہیں ہاتھی کا سا منہ پہاڑ کی طرح کہلا ہے۔ دونوں مضبوط خوب موٹے ہاتھ جن میں شیر کے ایسے پنجے ہیں نیچے لٹک رہے ہیں اور سونڈ کے دونوں طرف مستک کے نیچے دو بڑے بڑے انگارے دہک رہے ہیں یہ آنکھیں ہیں۔ شانوں سے نیچے۔ سینہ۔ پیٹ۔ کمر۔ دونوں ٹانگوں اور پاؤں کسی عضو کا پتہ نہیں چلتا۔ اوپر سے نیچے تک بالکل ایک ڈال ہے۔ جاندار ستون سا معلوم ہوتا ہے ایسی حرکت نہ ہوتی تو ہم یہی کہتے ہاتھی کا چہرہ کاٹ کر کسی سیاہ ستون پر رکھدیا گیا ہے۔

اسے دیکھتے ہی اوسی مسلح جوان قافلہ سالار نے چلا کے خوف زدہ آواز سے کہا بھوت نہیں یہ تو کالا دیو ہے۔

کالا دیو۔ (بادل کی گرج سے مشابہ آواز سے ہنستے ہوئے) ہو ہو ہو۔ اب پہچانا۔

ہنسنے میں اسکا منہ کھل گیا۔ اس سے ہنسی کی آواز کے ساتھ ہی شعلے نکلے اور بجلی چمکی

یہ سامنے کھڑا ہنستا اور چوتڑ بجا کے ناچتا ہے اور سب مرد و عورت خوف سے
بہت سہمے اسکی طرف دیکھتی ہیں۔ دہشت نے انکے اعضا کو اسقدر بیکار کر دیا ہے کہ
پلکیں بھی نہیں چلتیں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی ہیں اور منہ سے آواز ذرا بھی نہیں
نکلتی کھلی بند ہوگیا زبان بند اور بے حرکت ہوگئی ہے۔ یہی حالت اُن نادان لڑکیوں
کی بھی ہے۔ خیر۔ ان کی یہی حالت غنیمت ہے ہم کو بھی حیرت ہے اس دیو کو دیکھکر
ان سب کے کلیجے کیوں نہ پھٹ گئے۔ ایک ساتھ سب مر کیوں نہ گئے سب سے
زیادہ تعجب ان بھولی بھالی لڑکیوں پر ہے یہ کیسے بچ گئیں کیوں نہ مریں یہ تک
یہ اس کالے دیو کو کیسے چپ چاپ دیکھ رہی ہیں۔ مگر ہمیں تعجب کی کیا بات ہے۔
گنوار اکثر بڑے مضبوط بہت جری ہوتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی ان سے کم مضبوط
نہیں ہوتیں۔ خاصکر۔ گوجر۔ جاٹ۔ سواتی۔ ٹھاکر وغیرہ انکا بچہ بچہ بڑا بہادر بڑا سورما ہوتا
ہے۔ یہ کسی موقع پر کسی سے ڈرنا جانتی ہی نہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر ان سوار عورتوں
اور ان لڑکیوں کی بابت ہم کیا لکھ سکتے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔ یہ بھی بتاتے ہیں۔
یہ عورتیں کسی قوم کی ہوں۔ لب و لہجے سے شہری معلوم ہوتی ہیں اور شہر کے آدمی
اکثر بودے دل کے ہوتے ہیں خاصکر عورتیں جو سانپ ایسے کیڑے کا نام بھی نہیں
لیتیں ہمیشہ اسے رسی کہتی ہیں۔ اس وہم سے کہ جس جگہ اس کا نام لیا جاتا ہے وہ
ضرور وہاں موجود ہوتا ہے۔ یہ درست ہے مگر یہ بھی مانی ہوئی بات ہے۔ کبھی
خطرناک موقع پر دو ڈرنے والے بھی یکجا ہو جاتے ہیں۔ ذرہ ذرہ سے بچوں کے
سہارے جلادوں سے کچھ بات کر سکیں۔ بڑے بڑے خالی مکانوں میں پہروں
بیٹھی رہتی اور اندھیاری اوجیالی میں بڑے بڑے سنسان خوفناک مقامات سے
بےخوف گزر جاتی ہیں۔ اس جگہ ان عورتوں کے ساتھ بہت سے نڈر مرد اور چند
بےخوف عورتیں ہیں۔ جو اس دیو کے خوف سے ذرا بھی نہ چلائیں انکی خاموشی نے
ان سوار عورتوں کے خوف کو بہت کم کر دیا۔ اونہیں خوب یقین ہے کہ یہ موذی
جو سب سے سلوک کریگا اوس میں ہم بھی شریک ہیں۔ پھر ناحق شور و غل کیوں کریں
اور شاید چیخنے چلانے سے وہ سب سے پہلے ہمی کو ستائے۔
دونو لڑکیاں بالکل نادان ہیں۔ انہوں نے اب تک اپنی اس عمر میں کبھی ایسی کوئی

چیز دیکھنا کیسا سنی بھی نہ ہوگی ۔ شاید کہا یقیناً وہ دیو کا نام بھی جانتی ہوں گی۔
اوس کی صورت کا خیال ہونا دور ہے جب وہ زمانہ بچپن کی راہ سے نہیں جانتیں
نہ اُنہوں نے اپنے سکھانے اور ڈرپوک بنانے والیوں سے کبھی کسی
کہانی میں بھی دیو کا نام سُنا اور اوس سے ڈرنے کا سبق پڑھا ہے ۔ پھر ان کا
ایسی عجیب الخلقت جانور سے ڈر کر مرجانا تعجب انگیز نہیں ہو سکتا ۔ اور ایسی
حالت میں کہ اون کی ساتھ اپنے بہت سے آدمی ہیں جو بظاہر اوس سے ذرا بھی نہیں
ڈرے ۔ اور خود انکی ما اوسکو بخوف دیکھتی اور انہیں کلیجے سے لگائے بیٹھی
ہے ۔ اور جنہوں نے دیو کا نام نہ سنا ہو تا اوسکی صورت انکے خیال میں نہ ہوتی
تاہم اگر اوسے دیکھتے ہی اون کی ما اونکے ساتھی سب یکایک چلاتے بیحد
خوف کا اظہار کرتے تو ضرور وہ اس جسم کو جسے شاید اب تک وہ دو پاؤں سے کھڑا
ہوا ہی سمجھتی ہیں ۔ کم از کم ہوا سے زیادہ خوفناک سمجھتیں جس سے وہ کبھی ضرور
ڈرائی گئی ہونگی ۔ چاہے اوسکی خیالی اور ڈراؤنی شکل نہیں نہ بتائی یا دکھائی گئی
ہو وہ اس طرح ڈرتیں تو ضرور مرجاتیں ۔ یا شاید وہ کبھی ہوا سے نہ ڈرائی گئی ہوں وہ
ضدی معلوم نہیں ہوتیں اور رونے اور ضدی بچے ہی ایسی خیالی چیزوں سے
اکثر ڈرائے جاتے ہیں ۔ یوں ماں باپ انہیں زیادہ ڈرپوک بنانے کی کوشش کرتے
اور ڈرنا سکھاتے ہیں

اسکے سوا کوئی امر وجہ ان لوگوں کے نزدیک ہو تو ہمیں اوس سے سروکار نہیں۔
اب دیکھتے ہیں وہ اوسی طرح ناچتا اوچھلتا کودتا ہے اور سب اوسکی طرف بہت
حیرت اور خوف سے بدستور دیکھتے ہیں ۔ وہ ناچتے ناچتے تھک جاتا ہے تو ایک
طرف کھڑا ہو رہتا ہے ۔
"ہاں بتاؤ اب پہلے کیسے کہا تھا"۔
قافلہ سالار ۔ دست کرایہ تعلیم کا اشارہ کرکے زمین پر سجدہ میں گرے ہوئے ہے
اور پھر دیکھا ۔ بھیجنا ... صور کیلئے ہمیں کیوں ستاتا ہے ۔
اسکے ساتھی بھی کہا ... اور لڑکیوں کی ما بھی اپنے دونوں بچیوں کو
سجدہ میں ... اور لڑکیوں کو بھی جھکا دیا ۔ ان لڑکیوں نے بھی ... اور

سب ساتھیوں کی مذکورہ ہی الفاظ بچی پیاری زبان سے ادا کئے۔

دیو۔ تو (غصّہ) کیا۔ میں تم سب کو کھا جاؤں گا۔

قافلہ سالار۔ (اسی طرح سہمے ہوئے) مجھے کیا گناہ کیا ہے۔

دیو۔ گناہ پوچھتے ہو

قافلہ سالار۔ حضور۔

دیو۔ تم میرے باغ میں کیوں آئے

قافلہ سالار۔ مہاراج ہمنے آپکا باغ دیکھا بھی نہیں۔

دیو۔ نہیں۔ دیکھا نہیں۔

قافلہ سالار۔ ہاں مہاراج۔ آپکی چرنوں کے سوگند ہمنے آپکا باغ نہیں دیکھا۔

دیو۔ (غصّہ ہو کر) ہیں۔ تم میرے قدموں کی قسم جھوٹی کھاتے ہو۔ اچھا....

قافلہ سالار۔ نہیں مہاراج ہم سچے ہیں اور سوگند بھی....

دیو۔ کبھی نہیں۔ بالکل جھوٹ۔

قافلہ سالار۔ مہاراج آپ جو چاہے سمجھیں۔ ہم۔

دیو۔ ہاں ہاں تم جھوٹے ہو۔ اچھا بتاؤ تم کدھر سے آئے ہو۔

قافلہ سالار۔ (اس رہگزار مقام کیطرف اشارہ کرکے) ادہر سے۔

دیو۔ ہو ہو ہو (ہنستا ہے) یہی تو ہمارا باغ ہے۔

قافلہ سالار۔ ہم کیا جانتے تھے۔

دیو۔ میں جانتے نہ جاننے کو نہیں پوچھتا تم ادہر سے آئے کیوں۔

قافلہ سالار۔ مہاراج ہمکو تو معلوم ہوتا تو ہم ادہر منہ بھی نہ کرتے۔

دیو۔ آہ نہ کرتے اور بات ہے تم ادہر سے آئے کیوں۔

قافلہ سالار۔ دہوکے میں۔ اور یہ ہمسے خطا ہوئی۔

دیو۔ خطا ہوئی نہ۔

قافلہ سالار۔ بیشک۔

دیو۔ یہی گناہ ہے۔ بس اب میں تم سب کو کھا جاؤں گا۔

قافلہ سالار۔ نہیں مہاراج۔ مہر دیا کرو۔ ہماری خطا بخشدو۔

دیو۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔

قافلہ سالار۔ مہاراج انجان کی خطا خطا نہیں ہوتی۔ پھر دیا کرو۔

دیو۔ تم ادہر سے چُپ چاپ چلے آتے یہیں تک غنیمت تھا تم نے شور غل کر کے مجھے کیوں جگایا۔ میں بہت بے آرام ہوا۔

قافلہ سالار۔ مہاراج یہ بھی قصور ہوا۔

دیو۔ بس سزا دینے کے لئے یہی قصور بہت ہیں۔ اچھا تم سب آنکھیں بند کرو۔ میں ایک ایک کو کھانا شروع کروں۔ نہیں بند کرتے تو لو۔

یہ کہکر اوس نے زور سے چیخ ماری۔ آواز کے ساتھ اوسکے مُنہ سے چنگاریاں نکلیں۔ دونو ہاتھ سے تالی بجائی۔ اسکی آواز توپ سے بھی زیادہ ہوئی اور تمام جنگل میں دھواں گھٹ گیا اور اندھیرا ہو گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ اس خوفناک تماشے سے وہ لڑکیاں بیہوش ہو گئیں۔ اور سب قافلہ والے چپ ہو گئے۔ گویا سب ایسے بیخبر ہیں جنہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ دیو کی چیخ کے ساتھ چھوٹے بڑے دیو پچاس ساٹھ چیخیں مارتے اوچھلتے کودتے آپہونچے۔ تاریکی کے سبب ان کی صورتیں نظر نہیں آتیں البتہ آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کالے دیو نے انکو حکم دیا۔ ان سب کو ہمارے باغ میں لیچلو۔ انکے کباب بناؤ۔ ہم ابھی کھائیں گے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ دھواں دُور ہو گیا تو اس جگہ کوئی نظر نہ آیا۔ اوس تنگ تاریک مقام سے ہائے وائے فریاد شور غل کی آواز۔ ذبح ہونے والوں کے گلے کی خرخراہٹ۔ اور ہڈیوں کے چبائے جانے کی صدا سنائی دی۔ تھوڑی دیر یہی کیفیت رہی پھر اوسی جگہہ ایک درخت کے نیچے سُلگتی ہوئی آگ سے ایک لو اٹھی اوس کی دھندلی روشنی میں یہ ہوشربا تماشا نظر آیا۔

دیو اوس جگہ الاؤ کے سامنے ایک بڑے درخت کے نیچے زمین پر پالتی مارے بیٹھا ہے سب قافلہ والے سامنے بندھے پڑے ہیں۔ اور کچھ الاؤ کے ادہر اودہر پڑے ہیں۔

الاؤ کے گرد پچاس ساٹھ ریچھ بندر اور لنگور کے منہ والے چھوٹے چھوٹے دیو یا دیونی جا بجا بیٹھی ہیں۔ ایک طرف وہ دونو لڑکیاں بیہوش تو نہیں آنکھیں

بنا کئے بڑی اونچی سانسیں جلدی جلدی لیتی ایڑیاں رگڑتی ہیں چند دیو پتلی پتلی خشک لکڑیاں توڑ توڑ کے الاؤ میں ڈالتے ہیں۔ وہ بڑا موذی کالا دیو ذرا دیر بعد چٹخاریاں لیکے کہتا ہے "اہا ہا ہا۔ کیا مزے کے کباب تھے اور لاؤ جلدی لاؤ پھر لڑکیوں کی طرف دیکھ کے کہتا ہے۔ انکا گوشت ابھی بہت نرم ہوگا انہیں ابھی نکھاؤں گا انہیں پالوں گا۔ اور جو یہ روئینگے چلائیں گے اپنی ماکو یاد کریں گی تو ابھی کھا جاؤنگا جوان ہو جائیں گے تو انکے کباب بھی بہت مزے کے ہوں گے۔ انکا گوشت انکی ماسے اچھا ہوگا۔

خوف سے ادہ موئے لڑکیاں یہ سنکر آنکھیں کھولدیتی اور ادہر ادہر دیکھتی اس منظر سے ڈرکر جلدی سے پھر آنکھیں بند کرلیتی اور چلا چلا کے روتی ہوئی کہتی ہیں۔ ابا۔ ہائے اللہ۔ ہائے اللہ ہمارے ابا امی جان ہائے امی جان۔ ان کمسن جان معصوموں کی پُر اثر فریاد کی آواز جنگل میں گونجتی ہے۔ مگر ہائے ایسے سننے والا اہل دل یہاں کون ہے۔ البتہ جنگل کے درخت انکی اس مصیبت پر اپنے پتوں کی ہاتھ ملتے ہیں۔ پرند ہوا پر چھاتی پیٹنے کا عالم دکھاتے ہیں۔ یا کہیں کہیں نیل گائیں۔ چیتل اپنی ہی زبان میں آئیں بائیں کرکے انکی بین میں ساتھ دیتے ہیں۔ کالا دیو ان لڑکیوں کی آواز سنکر ایک چھوٹے دیو سے کچھ اشارہ سے کہتا ہے وہ ان لڑکیوں کے پاس جاکر ان سے کہتا ہے۔ تم روؤ چلاؤ نہیں تم ابھی حلال نہ کیجاؤ گی۔ اور روؤ گی اپنی ماکو یاد کروگی یا اونکا نام بھولے سے بھی لوگی تو ابھی حلال کرکے کھا جائیں گے۔ لڑکیاں اوسکی ایک نہیں سنتیں۔ بدستور چلاتی روتی پیٹتی ہیں۔ کالا دیو بہت خفا ہوکر اس دیو کو حکم دیتا ہے ہاں انہیں بھی حلال کر ڈالو۔ لڑکیاں زور زور سے روتے ہوئے زمین پر ہاتھ پاؤں غضب رگڑتی ہیں دیو انہیں اوٹھا کے لیچلتا ہے اور وہ بیہوش ہو جاتی ہیں دیو اپنی وحشیانہ اصول کے موافق پھر حکم دیتا ہے۔ نہیں ابھی ذبح نہ کرو۔ انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرو آنکھیں کھولدیں تب چھری انکے گلے پر پھیرے بیچاریاں بیہوشی میں ذبح ہونگی تو انکے گوشت میں مزا نہ رہیگا۔ اس حکم کی تعمیل فوراً کیجاتی ہے۔

بہت دیر میں ان دونوں نے آنکھیں کھولیں اور پھر وہی خوفناک منظر دیکھا

دیو جوان دونوں کی تیمارداری کرتا تھا۔ اس نے افسر کالے دیو سے کہا۔ اب یہ دونو
ہوش میں ہیں۔ کیا حکم ہے اس موذی درندے نے چپکے سے کہا اگر اس طرح
کہ دونو لڑکیوں نے بھی سن لیا۔ چپکے سے چھری اٹھا اور ایک ساتھ دونو کے
گلے پر اس طرح پھیر دو کہ چھری چلنے سے پہلے انہیں خبر نہ ہو چھری کو وہ نہ دیکھیں
نہیں تو پھر بیہوش ہو جائیں گی۔ مجھے پھر دیر تک انتظار کرنا پڑے گا۔ دو دیو چھری
لیکر اس حکم کی تعمیل کے لیئے اوٹھے لڑکیوں نے یہ حکم سن ہی لیا تھا زور سے
چیخ مار کر چلانے رونے لگیں۔ کالے دیو نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں چلانے دو۔ بیہوش
نہ ہونے پائیں۔ جلدی کرو جلدی۔ دیو چھری لیئے اونکی طرف جاتے ہیں اور وہ
دونو روتی ہوئی بہت پراثر لہجہ سے اوس کالے موذی کی خوشامد کرتی ہیں۔
ہمارے اچھے دیو بابا ہمیں ذبح نہ کرو۔ ہم تمہارے صدقے۔ ہم تو تمہاری لڑکی
ہیں۔ مگر اوس کی کون سنتا ہے دونوں دیو چھری لیئے قریب پہونچ گئے ہیں وہ
سہم کر بیہوش ہو گئی ہیں قریب ہے کہ اس خوف سے بغیر ذبح کئے مرجائیں۔
ایسی حالت میں یکایک وہ قافلہ سالار جوان جو ایک درخت کے نیچے بندھا
پڑا ہے چلا کے کہتا ہے ہے مہابیر سوامی مدد کرو۔ اسی دن کے لیئے میں تمہاری
سیوا کرتا تھا ہائے تم اس وقت بھی کام نہ آوگے کیا تم میں کچھ بھی ست نہیں ہے
ہائے کیا تم نام ہی کے پیر ہو۔ کیا یہ کہانی ہی ہے۔ سیکڑوں ہزاروں دیو تمہارے
تابع ہیں تم اس جگ میں دوسرے اللہ ہو۔ ہے پیر مدد کرو۔ تمہارا اپکار کروں گا۔
تمہیں بھینٹ دوں گا۔ ابھی اوسکے یہ الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ انہیں گنجان
درختوں میں ایک طرف سے آواز آئی۔ کیوں پاپی بے ایمان۔ کیا بکتا ہے۔
ہمارے پیر ہمارے گرو میں ست نہیں۔ ست نہیں ہے تو ہم کیسے آگئے۔ اس بات
کی ختم ہوتے ہی ایک لانبا تڑنگا بڈھا جسکی سفید داڑھی ناف سے بھی نیچی ہے
ایک طرف آتا دکھائی دیا۔ یہ تمام بدن سے ننگا صرف لنگوٹا باندھے ہے۔ پیشانی پر
ترسول بنا تلک لگائے۔ ریاضت کے سبب بہت دبلے جسم پر عمر کی بدولت ہزاروں
جھریاں ہیں بازووں کی کھال گوشت سے الگ لٹک رہی ہے۔ جنتر تانبے
کی چند گول گنڈیری نما تعویذ بندھے ہیں۔ سر پر سادھوؤں کا سا بہت بڑا جوڑا بندھا ہے

جسکی چوٹی پر ایک بڑا سا پیتل کا تعویذ بندھا ہے۔ ایک ہاتھہ میں کچھہ کنکریاں دوسرے میں ماش کے دانہ ہیں۔

اِس لئے اِس مجمع میں پہونچتے ہی۔ اُن دونوں چھری بند دیو بچوں کو جو لڑکیوں کو ذبح کرنا چاہتے تھے تھپڑ مار کے گرادیا۔ ماش کے دانہ پڑھ کے اوس کالے دیو کی طرف پھینکے اور قافلہ سالار سے کہا۔ پیر فقیر کو یوں نہیں کہتے۔ تو نے دیکھا ہمارے پیر ہمارے گرو میں کتنا ست ہے۔ اچھا اُٹھ بیٹھ یہ کہکر اُس نے کنکریاں پڑھ کر اور دیووں کی طرف پھینکیں۔ اور کہا تم سب بھاگ جاؤ وہ چلے گئے وہ کامل شخص خوف زدہ لڑکیوں کو گود میں اوٹھا کر قافلہ سالار کے پاس لے آیا۔ اوسکے ہاتھہ پاؤں کھولدئے اوس کالے دیو کا اب یہ حال تھا ان ماش کے دانوں کے اثر سے وہ زمین پر لوٹتا اور چلاتا تھا ہائے مرا ہائے چلا۔ ہائے میرے ہاتھہ پاؤں سب جکڑ گئے۔ قافلہ سالار نے آزاد ہوتے ہی جلدی سے اوٹھکر اوس کامل فقیر کے قدموں پر سر رکھدیا فقیر صاحب نے اوسکی پیٹھ اور سر پر دست شفقت پھیرا۔ اور سر اوٹھا کے سینہ سے لگا کے کہا بچّا ایسا نہیں کہتے۔ اُن میں ست ہوتا تو وہ تمہاری کیسی سنتے مجھے تمہاری مدد کرنے کا حکم کیسے دیتے۔ میں اسوقت گنگا کے کنارہ گیان دھیان میں تھا کہ مجھے پیر گرو مہاراج کا حکم پہونچا۔ بس میں یہاں پہونچا (لڑکیوں کو پیار کرکے) اب تم نہ گھبراؤ۔ یہ سب تمہیں تمہارے ماموں کے پاس پہونچادیں گے لڑکیاں ابتک خوف اور حیرت کی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھتی تھیں یہ تسلی کی باتیں سنکر یکایک بلبلا کے رونے لگیں۔ ہائے امی جان۔ ہائے ابا۔ اور دیو نے لوٹتے ہی لوٹتے پھر بہت ہی ڈراؤنی آواز سے کہا۔ انہوں نے پھر اپنی ماکو یاد کیا میں انہیں ابھی کہا جاؤں گا۔ لڑکیاں ڈر کر چپ ہوگئیں۔

فقیر صاحب۔ تو اب بھی انہیں کہا جائیگا۔ تیری یہ مجال۔

دیو۔ ہاں۔ کہا جاؤں گا۔

فقیر آنکھیں نکالکر جلادوں ابھی۔

دیو۔ ہاتھ جوڑ کے دہائی ملیا پیر کی۔

فقیر۔ اچھا قسم کہا اب ان لڑکیوں کو کبھی نہ ستائے گا۔

دیو۔ ہاں کچھ نہ کہوں گا نہ انہیں ستاؤں گا۔ مگر یہ بھی اپنے باپ ماں کو کبھی یاد نہ کریں۔ جس جگہہ یہ جاتے ہیں وہاں جو مرد ملے اسی کو اپنا باپ اور جو عورت ہو اپنی ماں سمجھیں۔

فقیر۔ اس میں تیرا کیا ہرج ہے۔

دیو۔ میں نے انہیں کہا لیا ہے اب میں انکا نام سنا نہیں چاہتا۔

فقیر۔ اچھا یہ انہیں یاد کریں گے تو تجھے کیسے خبر ہوگی۔

دیو۔ یہ کہیں اور کسی وقت یاد کریں گے مجھے ضرور خبر ہو جائیگی۔ مجھے ایک فقیر نے بد دعا دی تھی اوسکا یہ اثر ہے میں جسکو کہا جاتا ہوں اوسے اسکا کوئی عزیز یاد کرتا ہے یا اوسکا نام لیتا ہے تو میرے کلیجہ میں بہت زور کا درد ہوتا ہے۔ کہ میں مرنے کے قریب پہونچ جاتا ہوں۔ پھر میں اپنا مرنا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔

فقیر۔ ہم تجھے ابھی جلا دیں تو۔

دیو۔ نہیں اب آپ مجھے نہ جلائیں گے۔ میں نے آپکے پیر کی دہائی بولی ہے مجھے خوب یقین ہے آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپکو آپکے گرو کی قسم مجھے چھوڑ دیجئے۔

فقیر۔ (ہنستے ہوئے) مکار۔

دیو۔ تو یہ کبھی اپنے ماں باپ کو یاد نہ کریں۔

فقیر۔ اچھا نہ یاد کریں گے۔

دیو۔ میں اسی لئے جس آدمی کو کہاتا ہوں اُسکے سب کنبہ کا ناس کر دیتا ہوں دنیا میں اوسکا نام لیوا کوئی نہیں چھوڑتا ہوں۔ سب کو ایک ساتھ کہا جاتا ہوں مگر آپ آگئے۔ ہائے جلا ہائے مرا (ہاتھ جوڑکر) یہ آگ تو بجھا دو۔ اور میرے ہاتھ پاؤں کہول دو۔ دہائی ملیا پیر کی میرے ہاتھ پاؤں کہول دو۔

فقیر۔ (مسکراتے ہوئے) تجھے کس نے باندھا ہے۔ اور کون جلاتا ہے۔

دیو۔ تم نے تماش پڑھ کے جھپیر ماری تھی یا نہیں۔

فقیر۔ ہاں۔
دیو۔ پھر کیا پوچھتے ہو۔ ہائے ہائے جلا۔ دہائی ملیا پیر کی مجھے کھولدو۔ میری آگ بجھادو۔ مجھے اس سے بچالو۔
فقیر۔ تو نے اتنے بڑے پیر کا نام لیا ہے۔ (کانوں پر ہاتھ رکھکر) ہم تجھے کیا سزا دیں اچھا تیری آگ بجھ گئی۔
دیو۔ اور ہاتھ پاؤں۔
فقیر۔ ابھی نہ کھولیں گے۔ یہ سب اسی مقام پر پہونچ جائیں گے تو خود بخود کھل جائیگا (لڑکیوں سے) بیٹی اب تم اپنی ماکو کبھی یاد نہ کرنا مجھے اس سے قول اقرار کیا ہے (دیو سے) ہاں ان لڑکیوں کو روز یہ قصہ سنا کر ہمارا قول یاد دلایا جائیگا اس میں انکی ماکا نام ضرور آئیگا تب۔
دیو۔ ہائے مجھے وہی تکلیف ہوگی۔
فقیر۔ پھر کیسے۔
دیو۔ ہاں میں بھول گیا جب تک اوسکا کوئی عزیز اوسکا نام نہ لیگا کچھ نہ ہوگا۔ کوئی اور چاہے جو کچھ کہے یہ نام نہ لیں نہ انہیں یاد کریں۔
فقیر۔ (قافلہ سالار سے) تم ان عورتوں کا قصہ اس طرح سے کہو کہ انکو انکے بھائی نے بلا بھیجا اوسی رات انکے گھر کے بہشتی نے انہیں گھر سے نکالدیا پھر سب مال چھین لیا تمہارا راہ میں دیو نے انکے ماں باپ کو کھا لیا۔ اور جو کچھ مصیبتیں راستہ میں ...... اور اس کہانی کے بعد پیر کی نیاز دلائی جائے۔
قافلہ سالار۔ میں ہر وقت انکے ساتھ کہاں رہوں گا۔
فقیر۔ نہ سہی انکے ماموں سے کہدو زیادہ یہ قصہ سنا کر ہمارا قول یاد دلائیگا۔ (دیو سے) اور جو یہ اپنے دل میں اپنی ماکو یاد کریں۔
دیو۔ تو کچھ نہیں۔
فقیر۔ جب انہیں یہ سیانی ہوں روز یہی دستور رہے پر یہ خود اپنے دل میں ہمارا قول ہر روز یاد کر لیا کریں کہ کبھی بھولے سے بھی انکی زبان سے ماکا نام نہ نکلے نکلا ہو سے یاد ہوں نہ کریں۔ یہ اونہیں یاد کرینگی تو اس دیو کو تکلیف ہوگی ہر یاد نہیں ضرور

ستائیگا پھر ہم اپنی قسم کے سبب کچھہ نہیں کر سکتے۔

قافلہ سالار۔ بہت اچھا۔ ایسا ہی ہوگا۔

فقیر۔ (زور سے چلا کے) اچھا ہمارے سب آدمی آجائیں۔

اسی وقت ۶۰ مسلح جوان ایک طرف آگئے۔

فقیر۔ اُن سب آدمیوں کو جو دیر سے بندھے پڑے ہیں کھولدو۔

قافلہ سالار۔ اور ہمارے ٹٹو۔

فقیر۔ ٹٹو اور سب گٹھریاں سب اسباب دے آؤ۔

سب نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اور فقیر صاحب دو چار قدم جنگل میں چلکے غائب ہوگئے۔ درختوں نے انہیں چھپا لیا۔ یا اپنے کرامت کے زور سے ہماری آنکھوں میں خاک ڈال گئے یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ اُنکے جانے کے بعد قافلہ پھر روانہ ہوا۔ اب اس کے ساتھ پہلے سب آدمیوں کے سوا باسٹھ جوان ہیں اور دو پہلی عورتیں وہی ان لڑکیوں کی مائیں بیچاری غائب ہیں اُن لڑکیوں کو دو اور عورتیں ٹٹو پر لیکر بیٹھی ہیں آفتاب بھی نکل آیا ہے۔ مگر ابھی اونچا نہیں ہوا ہے تاہم اوسکی روشنی ان گنجان درختوں میں کچھہ نہ کچھہ پہونچتی ہی ہے۔ ویسا اندھیرا نہیں ہے اس روشنی کے سبب قافلہ بہت جلد اس جنگل سے نکلکر پھر وہیں پہونچگیا جہاں سے دیوان سب کو پکڑ لایا تھا۔

قافلہ بدستور چلا جاتا ہے۔ سب قافلہ والے آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ مگر بائے وہ دو نو سخت جان مصیبت زدہ لڑکیاں رونے مچلنے کی تکان۔ ایڑیاں رگڑنے کی اذیت ماں کے غم اور ان حیرت انگیز خوفناک واقعات کی یاد سے حیرت اور تعجب اور خوف کے سبب چپ چاپ اداس گردن لٹکائے سر جھکائے۔ آنکھیں ڈبڈبائے ان عورتوں کی گود میں بیٹھی ہیں جو ان کی ماں کے عوض انہیں لئے بیٹھی ہیں۔ سر جھکائے جھکائے گردن دکھہ جاتی ہے تو منہ اوٹھا کر ادھر ادھر دیکھتی اور سہمی ہوئی نگاہوں سے ہر ایک کا منہ تکتی ہیں۔ انکی ماں نا ہم ان سوار عورتوں کو اور کیا کہیں) انہیں چمکارتے اور پیار کرتی ہیں۔ تو کبھی کبھی دو چار آنسو انکے ڈبڈبائی آنکھوں سے گر پڑتے ہیں مگر منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ تھوڑی دور تک یہی حال رہا۔

پھر وہ تو اپنی اپنی اناکے گود میں لیٹ گئیں آنکھیں بند کرلیں۔
ایک انا۔ داہنی لڑکی کا جسم ٹٹولکر ہیں اسے تو بہت زور کا بخار ہے۔
قافلہ سالار۔ کیا۔
دوسری انا۔ اسے بھی۔
قافلہ سالار۔ کیا کہتی ہو۔
پہلی انا۔ دونو کو بہت زور کا بخار ہے۔
دوسری انا۔ ڈر گئی ہیں نہ۔
پہلی انا۔ یہ مر نہ گئیں یہی بہت سمجھو۔
دوسری انا۔ اب بھی بچ جائیں تو غنیمت سمجھو۔ ان بچاریوں نے۔۔۔ توبہ
پہلی انا۔ ہائے ان کے ننھے ننھے کلیجے۔
قافلہ سالار۔ بخار ڈر کے سبب آگیا ہے۔ کچھ ڈر نہیں۔ میں دوا تلاش کرتا ہوں۔
پہلی۔ ہاں وہ بوٹی مل جائے تو۔
قافلہ سالار۔ وہی تو (دو تین آدمیوں سے) تم بھی تلاش کرو۔
پہلی انا۔ بوٹی کیا اکسیر ہے۔ کیسا ہی بخار ہو حلق سے اترتے ہی پسینہ آیا۔ پھر بخار کہاں۔
دوسری انا۔ ہاں میں نے بھی کئی بار پی ہے۔ مگر یہ پئیں گی کیسے۔
قافلہ سالار۔ ان کا منہ کھولکر حلق میں ڈالدینا۔
پہلی انا تو ذرا دیر کہیں ٹھہر جاؤ بلکہ دو تین روز مقام کر دو
دوسری انا۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ چلنے کے سبب۔۔۔
قافلہ سالار۔ ہاں تکان سے بخار زیادہ ہوگا۔ دوا کیا اثر کرے گی۔
پہلی انا۔ یہی تو۔
قافلہ سالار۔ اچھا۔
ایک ہمراہی۔ آگے تھوڑے ہی دور پر بہت گھنے درخت ہیں۔
قافلہ سالار۔ ہاں۔ مگر پانی وہاں نہیں ہے۔ اور پانی ہمارے ساتھ کا آج

شام ہی کو ختم ہو جائے گا پہر۔
وہی ہمراہی۔ وہاں سے تین کوس پر ایک کنواں ہے۔
قافلہ سالار۔ اتنی دور۔
وہی ہمراہی۔ دور کیا ہے۔ اور ہو اگر سب اپنی چھاگل بھر لائیں گے کیا ایک آدمی جائے گا۔ آخر اب بھی ہر شخص اپنے لئے خود ہی پانی لاتا ہے اور ساتھ رکھتا ہے۔
قافلہ سالار۔ اچھا وہیں ٹھر جائیں گے۔
ایک اور ہمراہی۔ ایک بوٹی میں بھی جانتا ہوں۔
قافلہ سالار۔ کیسی۔
وہی ہمراہی۔ اوسکی پتی ملکر بخار والے کے کان میں اسکا عرق ڈالو۔ کیسا ہی بخار ہو فوراً جاتا رہے۔
قافلہ سالار۔ آزمائی ہے۔
وہی ہمراہی۔ سیکڑوں بار۔
قافلہ سالار۔ تو اُسے بھی تلاش کرو۔ میں بھی اپنی بوٹی ڈھونڈھتا ہوں۔
ایک انا۔ یہ دو نو مر گئیں تو۔
دوسری انا۔ بہت بڑی ہو گی۔
پہلی انا۔ نیکی برباد گنہ لازم۔
دوسری انا۔ اور کیا۔
وہی بوٹی تلاش کرنیوالا ہمراہی۔ ہاہاہا۔ وہ تو یہیں راستہ پر مل گئیں۔ یہ لو کیا مرینگی نہیں۔
انا۔ لاؤ۔
ہمراہی۔ (پتی ملکر دیتے ہوئے) اسکا عرق کان میں اچھی طرح بہت سا ڈال دو دیر تک کان میں رہے گرنے نہ پائے۔
انا۔ بائیں کان میں یا داہنے کان میں۔
دوسری۔ یا دونوں میں۔

ہمراہی۔ نہیں بس ایک کان میں جس میں جی چاہے۔
انا۔ اور جو دونوں میں ڈالدیں۔
ہمراہی۔ اور بھی اچھا۔
انا۔ جلدی فائدہ ہوگا۔
ہمراہی۔ ہاں۔ مگر نہیں۔ گرنے ہی کے خیال سے ایک کان میں ڈلتے ہیں جو کان اوپر ہوتا ہے اس میں۔
انا۔ اچھا ہم بھی ایک ہی میں ڈالیں گے۔ کتنی دیر تک نہ گرے۔
ہمراہی۔ تھوڑی دیر میں خود سوکھ جائیگا۔
انا۔
وہی ہمراہی۔ انہیں پھر دو ایک چھینکیں آئینگی پھر پسینہ خوب آئیگا اور بخار اتر جائیگا۔
اس تدبیر میں کامیابی ہوئی۔ کانوں میں عرق ڈالنے کی ذرا دیر بعد دونوں کو چار پانچ چھینکیں آئیں اور پسینہ آنا شروع ہوگیا اور منزل پر پہونچنے سے پہلے بخار بالکل اتر گیا۔ دریائی انا نے قافلہ سالار سے کہا، بخار تو اتر گیا مگر اس نے ابھی آنکھ نہیں کھولی۔ ویسی ہی بیہوش پڑی ہے۔
دریائی انا۔ اور یہ بھی۔
قافلہ سالار۔ بخار اتر گیا۔ بالکل۔
دونوں بالاتفاق۔ جی ہاں۔
قافلہ سالار۔ تو یہ بیہوشی نہیں ہیں۔ نیند ہے۔ سونے دو۔ جگانا نہیں۔
دریائی انا۔ جلدی سے مقام پر پہونچ جاتے تو انہیں آرام ملتا۔
قافلہ سالار۔ اب بھی ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔
دریائی انا۔ کیوں نہیں۔
دریائی انا۔ کم سے کم ایک رات دن۔ ابھی بخار کے اتر جانے کا کیا اعتبار اور جو چلنے کے سبب پھر آجائے۔
دریائی انا۔ اور کیا۔ اور اتنی ہی دیر میں یہ جان ہوجائیں گے۔ پھر بے کھٹکے

چلتے چلنا۔
قافلہ سالار۔ اچھا (چلتے چلتے ایک بوٹی پہچانکر) یہ اس وقت خوب مل گئی۔
(اپنے ساتھی سے) اسے اکھاڑ لو جتنی ملے۔ (داتا سنے) تم ہی پہچان لو راستہ [illegible]
دیکھتے جاتا جہاں ملے اکھڑوا لینا بہت اچھی دوا ہے۔ اسکے پینے سے ۔ ۔ ۔ ۔
وہی ساتھی۔ (بوٹی اکھاڑتے ہوئے) یہ ڈگوما ہے۔
قافلہ سالار۔ تم بھی اسے پہچانتے ہو۔
وہی ساتھی۔ ہاں اچھی طرح۔
قافلہ سالار۔ اور اسکا فائدہ۔
وہی ساتھی۔ خوب جانتا ہوں۔
قافلہ سالار۔ ہم بھی سنیں۔
وہی ساتھی۔ ستر روگ کھوتی ہے۔ مجھے میرے گرو بابا رام داس نے بتائی تھی۔
قافلہ سالار۔ کون رام داس۔ اہا۔ بابا کشن داس کے چیلے۔
وہی ساتھی۔ ہاں وہی۔ مگر تم نے انہیں کہاں دیکھا۔
قافلہ سالار۔ بابا کشن داس ہمارے گاؤں کے قریب ندی کے کنارے مدتوں رہے ہیں۔ پہلے وہیں دیکھا تھا۔
وہی ساتھی۔ رہے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم۔
قافلہ سالار۔ جب ہم چھوٹے سے تھے۔ کوئی بارہ تیرہ برس کے ہونگے۔ ہم گائیں چرانے جایا کرتے تھے۔ بابا کشن داس جنگل میں بیٹھے رہتے تھے۔ وہیں انہوں نے رام داس کو مونڈا تھا۔ رام داس کا اصلی نام [illegible] ہے۔ ملت کے کہار ہیں۔ ہمارے گاؤں سے دس کوس ادھر پورہ ہے وہیں انکا گھر تھا۔ ان کے باپ دادا سب فقیروں لوگوں کی خدمت کرتے تھے یہ ایسی ہوئی۔
وہی ساتھی۔ یہ تمہیں خدمت دیتے ہیں۔ سچ ہے یہ بات نہ پوچھے کوئی ہر کوئی تمہیں سو بڑھ کا ہوئی۔
قافلہ سالار۔ سچ ہے۔ بابا کشن داس جی ہمارے گاؤں سے چلے گئے تو ہمنے

انہیں ایک بار پشکر جی میں دیکھا۔ بابا رام داس جی ساتھ تھے۔ ہم انہیں کیا پہچانتے ان دونوں نے مجھے پہچان لیا۔ سب یہی بتائی۔

وہی ساتھی۔ ان بوٹیوں کا دھیان ہے تو غضب کا ہوتا ہے۔

قافلہ سالار۔ پھر ہم علی گڑھ کے قریب گنگا جی کے کنارہ راج گھاٹ کے پاس گئے۔ وہاں بہت دن تک ساتھ رہا وہیں بابا کشن داس جی نے یہ بوٹی مجھے بتائی۔

وہی ساتھی۔ بوٹی کیا اکسیر ہے۔ وہی بخار جو ہڈیوں میں پیوست ہو گیا ہو۔ کھو دیتی ہے اور نجانے کتنے روگ۔

قافلہ سالار۔ ہاں۔ اسکے پینے سے بھوک کھلتی ہے۔ کھانا خوب ہضم ہوتا ہے۔ خون بڑھاتی اور صاف کرتی ہے۔ بابا کشن داس جی کہتے تھے یہ ترکیب اور پرہیز کے ساتھ پی جائے تو کوڑھ بھی جاتا رہتا ہے۔ اسے تیل میں جلا کے زخم پر لگاؤ کیسی ہی زہر بجھی تلوار یا برچھی کا زخم ہو بہت جلد ہی اچھا ہوتا ہے۔

ابھی یہ بیٹھے جس جگہ وہ بوٹی نظر آئی۔ قافلہ سالار کے حکم سے اوکھاڑ لیے گئے۔ قافلہ سالار نے دو دونا سے کہا۔ یہ بہت سی جمع ہو گئی ہے راستہ بھر ان دونوں کو صبح شام دونوں وقت گھوٹ کے پلانا۔ بخار پاس بھی نہ آئے گا۔

وہی رفیق۔ اسکے پینے سے طاقت بڑھتی ہے آدمی ایسا چاق رہتا ہے کہ کوئی عمر پاس نہیں آتا۔ طاقت کا یہ حال ہوتا ہے کہ خود بخود اچھلنے کودنے کو جی چاہتا ہے۔

ابھی باتیں کر رہے تھے سب چلے جا رہے تھے کہ دونوں لڑکیوں نے آنکھ کھولی پانی مانگا۔

قافلہ سالار۔ خالی پانی نہ دو۔

ایک انا۔ پھر۔

قافلہ سالار۔ گڑ کی دو تین پتی پانی میں گھلکے پلا دو۔

وہی انا۔ ابھی۔

قافلہ سالار۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ حرج کیا ہے۔

وہی انا۔ کچھ نقصان نہ کرے۔

قافلہ سالار۔ نہیں۔ یہ نقصان تو کر ہی نہیں۔

دونوں لڑکیاں اُٹھ بیٹھیں۔ وہ بتی اوسی طرح بجھا دی گئی۔ اور قافلہ بدستور رواں رہا۔ اب جس جگہ قافلہ چل رہا ہے وہاں راستے کے بائیں طرف اُس سے بالکل ملا بہت گھنا جنگل ہے جیسکے کچھ متفرق درخت اسکے داہنے طرف بھی جا بجا راستہ پر سایہ کئے ہیں۔ اسکے بعد دور تک صاف میدان ہے جس میں کہیں کہیں دو دو چار چار متفرق جنگلی درخت ہیں مگر وہ ایسے نیچے ہیں کہ آدمی کو چھپا نہیں سکتے۔

قافلہ سالار نے چلتے چلتے ادہر ادہر دیکھتے ہوئے یکایک اس داہنے بازو پر اُسے صاف میدان میں دور ایک شخص کو اپنی طرف آتا دیکھا۔

قافلہ سالار۔ (اپنے رفیق سے) یہ کون ہے۔

ایک رفیق۔ کوئی مسافر ہے۔

قافلہ سالار۔ اکیلے مسافر کا یہاں کیا کام۔

دوسرا رفیق۔ بیشک اکیلے آدمی کا یہ راستہ نہیں ہے۔

قافلہ سالار۔ اور مسافر ہوتا تو ہماری طرف کیوں آتا۔ اپنے راستہ راستہ جاتا۔

تیسرا رفیق۔ راستہ تو یہی ہے۔

قافلہ سالار۔ نہیں۔ جس جگہ سے یہ ادہر مڑا ہوگا وہی وہ سامنے کرونڈے کے بن کے پاس سے۔ وہاں سے ایک پگڈنڈی سیدھی آگے کو بہت دور تک چلی گئی ہے کوئی دو تین کوس پر اس راستہ سے ملی ہے۔ کرونڈے کا بن یہاں سے دو میل سے کم نہیں ہے۔ پھر اتنی دور چلکر اس راستہ پر آتا۔

چوتھا رفیق۔ اور یہ راستہ ذرا پھیر کا ہے۔

وہی تیسرا رفیق۔ اور کیا۔

وہی پہلا رفیق۔ ادہر کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔ جس میں یہ جاتا ہو۔

قافلہ سالار۔ یہ راستہ بہت خراب اونچا نیچا ہے۔ دور تک ہے اسکے پاس کوئی گاؤں نہیں ہے۔ اور اس پگڈنڈی پر برابر تھوڑی تھوڑی دور پر آبادی ہے کچھ نہیں تو ادہر کھیت اور باغ ہیں۔

پانچواں رفیق۔ کچھ ہی نہیں وہ اکیلا ہی ہے اور جنگل کا سناٹا۔ بیچارے کا جی گھبرا گیا۔
چھٹا رفیق۔ بیشک اور ہمکو اس راستہ پر دیکھکر ادہر چلا آیا۔
وہی پانچواں رفیق۔ انکے ساتھ میں جی بہلیگا۔ کچھ نہیں تو باتوں ہی کا سہارا ہے
ساتواں۔ ساتواں شاید ہمکو طلب ادہر لئے آتی ہو۔
قافلہ سالار۔ ایسے اکیلے چلنے والے اِن باتوں کی پروا نہیں کرتے۔
آٹھواں۔ شاید کوئی . . . . .
قافلہ سالار۔ ہی ہے تو۔
نواں۔ تو ضرور انکے پیچھے کوئی ہلا ہے۔ یہ خود بخود ہماری طرف نہیں آتا۔
دسواں۔ پھر کیا کریں۔
وہی نواں جلدی جلدی چلو۔ کسی اچھی جگہ۔
قافلہ سالار۔ نہیں۔ وہ جب ہی ہے۔ تو یہیں ڈٹ کے مقابلہ کرینگے۔ خوب ہتہیار ہوگا۔ اور کیا ہمسے بھڑنا کیا آسان ہے۔ دیکھو وہ ہمارے ہی طرف جلدی جلدی چلا آتا ہے۔
پہلا رفیق۔ ہاں جس جگہ کوئی درخت بیچ میں آجاتا ہے اوسے چھوڑ دیتا ہے اور نگاہ ہماری ہی طرف ہے۔
انہیں باتوں میں وہ آنیوالا اسقدر قریب آگیا کہ اوس کی صورت وضع اور تیور اب دور بین نظر اچھی طرح دیکھہ سکتی ہے۔
قافلہ سالار۔ تیور تو برے نہیں ہیں۔
ایک رفیق۔ ہاں۔ مگر ہیں کوئی رسیا جوان۔
دوسرا۔ کیسے کچھہ۔
تیسرا۔ خوبصورت سجیلا۔ جوان ہے۔ دیکھو اسکا رنگ دہوپ میں کیسا کندن سا چمکتا ہے۔
چوتھا۔ قد کا پورا ہے۔ ہاتھہ پاؤں کسیلے ہیں۔
قافلہ سالار۔ ہاں اور عمر ؟ کے بیٹھے میں ہوگی وضع تو دیکھو۔

پانچواں۔ بڑے شوقین جوان ہیں۔
چھٹا۔ داڑھی خوب چڑھی ہے۔ مونچھیں کیسی اچھی ہیں۔ اور انہیں کیا ہی خوبصورتی سے بل دیا ہے سیاہ گولی سی ہو گئی ہیں۔
وہی پہلا۔ ایسی ہی مونچھوں پر تو رک جاتا ہے۔
وہی چھٹا۔ اوہ۔ سنا کرو۔ یہ بھی اک بات ہے۔
ساتواں۔ سر پر دوپٹہ کیسا بندھا ہے۔ انگرکھا کتنا چست ہے اور چوڑی دار پاجامہ تو پنڈلیوں میں چپکا ہوا ہے۔
قافلہ سالار۔ انگرکھے کے گھیردار دامن ہوا میں لہرا کے عزت دکھا رہے ہیں۔
وہی ساتواں۔ یہ دلّی کی وضع ہے۔ کتنا نیچا اور گھیردار ہے۔
وہی چھٹا۔ چولی تک کیسا او تار چڑھاؤ ہے۔ اور ایک رومال سے کمر کس انداز سے باندھی ہے۔
قافلہ سالار۔ یہ اُسکے جسم کی خوبی ہے۔ آدمی بہت سجیلا ہے۔ دیکھو سینہ کتنا چوڑا ہے اوپر کا جسم کس خوبصورتی سے کہ تک تھوڑا تھوڑا کم ہوتا چلا گیا ہے۔ بازو کیسے بھرے بھرے کسرتی جوانوں کے ایسے ہی گند ہے کیسے خوبصورت ہیں۔
وہی چھٹا۔ ہاتھوں میں بہت سی انگوٹھیاں ہیں۔ بڑے بانکے بڑے شوقین جوان ہیں کاندھے سے ایک طرف ایک بیگ بھی پڑا ہے دوسری طرف لوٹی لٹکا ہے۔
وہی ساتواں۔ اور گلابی دوپٹہ گوٹا لگا بغل میں نہیں دیکھتے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں میں خوب کھلا ہوا سرمہ بھی تو دکھائی دیتا ہے۔
وہی چھٹا۔ یہ تم دیکھتے ہو۔ ہماری نگاہ اتنی نہیں ہے۔ تم گدھ ہو گد۔
وہی ساتواں۔ تو یہ مرد ہے۔
قافلہ سالار۔ بیشک۔
وہی چھٹا۔ نہیں تم کیوں دیکھتے اور وہ ہماری طرف کیوں آتا۔ یہاں آتا ہے تو مرنے سے پہلے ہی مرچکا سمجھو۔

قافلہ سالار۔ سرمہ نہیں آنکھوں میں کاجل معلوم ہوتا ہے (چھٹے رفیق) تمہیں نظر نہیں آتا اور ناک کیسی خوبصورت ہے اس کتابی نقشہ پر یہ نوکدار ستواں ناک نکیلی سے ہونٹھ بھی پتلے پتلے ہیں دہانہ چھوٹا ہے۔ آدمی بہت خوبصورت ہے اور منہ میں گلوری بھی دبی ہے

وہی چھٹا۔ پان کا شوق بہت ہے۔ وہ دیکھو رومال کندھے سے اوتارا اس میں گلوریاں بندھی ہونگی ہاں۔ وہ گلوریاں کیونکر پان کھایا۔ اب تو بہت قریب آگیا ہے اور ہمیں اچھی طرح خوب غور سے دیکھتا ہے۔

وہی ساتواں۔ انگوٹھیاں سب سونے کی ہیں۔ اور گلے میں اشرفیوں کا کنٹھا پڑا ہے۔ کنٹھے میں اشرفیاں کتنی ہیں۔ یہ تو سو سے کم نہ ہونگے بڑا کنٹھا ہے اور دوہری لڑیں ہیں۔

قافلہ سالار۔ کوئی پاگل ہے۔ یہ راستہ اور یہ سامان۔ ہمیں پہلے جو شبہ ہوا تھا وہ نہیں ہے۔

وہی ساتواں۔ اکیلا آدمی یہ رقمیں اور یہ جنگل۔

وہی آٹھواں۔ اور پھر نہتا۔

نواں۔ ذرا دیر یہیں ٹھہر جاؤ۔

قافلہ سالار۔ کیوں۔

وہی نواں۔ اُسے آجانے دو۔ دو دو باتیں ہو جائیں۔

دسواں۔ اور اوسکی یہ سب رقمیں پرکھ لیں پھر چلیں۔ اب بیچارہ آگیا ہے تو یونہی کیوں چلا جائے۔

قافلہ سالار۔ نہیں۔ وہ خود ہی آجائیگا۔ چلا تو آتا ہے۔ وہ چار قدم پر مل ہی جائے گا۔ اور دیکھو تم اُسے پہلے نہ چھیڑنا۔ کیا ضرورت اپنے راستہ چلا جائے تو جانے دو ہم اس وقت اور کام پر ہیں۔

گیارہواں۔ اچھا۔ مگر......

قافلہ سالار۔ اگر مگر کچھ نہیں جو ہم کہیں وہی

سب بالاتفاق۔ بہت خوب

اتنی دیر میں وہ جوان ان سب کے پاس پہونچ گیا۔
وہی جوان۔ (قافلاسار کی وضع سے اور ہے گروہ کا سردار جانکر) خاں صاحب بندگی۔
قافلہ سالار۔ بندگی خانصاحب۔
قافلاسالار کا ایک رفیق (دھیلکے سے) ہیں۔ پہلے کی ملاقات نکل آئی۔
دوسرا۔ (دھیلکے سے) ہاں سلام تو ایسی ڈھنگ سے ہوا ہے۔
وہی جوان آپکے آدمیوں کے پاس دیا سلائی بھی ہوگی۔
قافلہ سالار۔ ہاں ہے۔
خانصاحب۔ میں نے دیر سے حقہ نہیں پیا ہے۔ دیا سلائی میرے پاس تھی ختم ہوگئی۔ میں نے آپکو بہت دور سے اس راستہ پر جاتے دیکھا۔ سوچا۔ بہت سے آدمی ہیں ضرور کسی کے پاس دیا سلائی ہوگی۔
قافلہ سالار۔ (ایک رفیق سے) ذرا چلم بھر دو۔ (خانصاحب سے) چلم بھری جاتی ہے پیجیئے اور دیا سلائی بھی لے لیجیے۔
خان۔ بندگی۔ آپکی اس عنایت کا شکریہ۔
قافلہ سالار۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔
خان۔ یہاں سے قریب لکھو کھیڑا ایک گاؤں ہے۔
قافلہ سالار۔ جی ہاں۔ جہاں داتا کریم شاہ بابا رہتے ہیں۔
خان۔ وہی۔ میں انہیں کی قدم بوسی کے لئے گیا تہا۔ اب اجمیر شریف جاتا ہوں۔
قافلہ سالار۔ وہاں کچھ کام ہے یا خواجہ صاحب کی زیارت۔
خان۔ او نہیں کی زیارت کے لئے۔
قافلہ سالار۔ آپکا مکان.....
خان۔ مکان کہیں ہو تو بتاؤں میں فقیر تو ہوں نہیں فقیروں کا غلام ہوں انہیں کی خصلت اختیار کی ہے۔ سیاحی پر کمر باندھی ہے۔
قافلہ سالار۔ یہ کہیے۔ مگر سیاحی۔ دنیا داری سے بہتر ہے۔

خانصاحب۔ بیشک۔ مگر میرے سر دنیا کا کوئی بکھیڑا جھگڑا نہیں ہے۔ شادی کی ہی نہیں بس ماں باپ مر گئے۔ اپنا اکیلا دم ہے اوسے سارے جہان میں لئے پھرتا ہوں۔ چلم بھر کر آئی خانصاحب نے جیب سے چھوٹا سا نایل نکالا۔ مگر پینے سے پہلے چلم دینے والے سے کہا بھئی ذرا سلگا کے دو۔ اُس نے دو چار دم لگا کے دوسرے اپنے ساتھی کو دیدی اوس نے پیکر خانصاحب کو دی۔ خانصاحب نے چلم لیتے وقت بہت غور سے اوسکی طرف دیکھکر گردن ہلائی جیسے کسی سے کہا ہوں۔ اوس چلم دینے والے نے نیچے آنکھیں کرلیں اور اوسکا منہ دھواں دھواں ہوگیا۔ مگر پھر بہت جلد اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

خان۔ (ٹھاکر صاحب سے) آپ کہاں جائیں گے۔

ٹھاکر۔ (وہی قافلہ سالار) یہیں قریب ہی۔ دس کوس پر ایک گاؤں ہے وہاں بارات میں جاتے ہیں۔

خان۔ درست

ٹھاکر۔ جدھر جانیکا سیدھا راستہ آپنے کیوں چھوڑا۔

خان۔ سیدھا تو یہی راستہ ہے۔

ٹھاکر۔ ہاں ہیں بھول گیا صاف راستہ کیوں چھوڑا۔ یہ راستہ بہت خراب ہے بالکل جنگل۔ قدم قدم پر پہاڑیاں غار۔

خان۔ یہی دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ صاف راستے میں یہ سیر یہ لطف کہاں اس راہ کی ہر چیز قدرت کا نمونہ ہے۔

قافلہ سالار۔ بیشک مگر اس راستے میں ڈر بھی ہے

خان۔ کیا۔ (ہنس کر چیتے اور اوس شخص کو گھورتے ہوئے) کسکا ڈر۔

قافلہ سالار۔ سارا جنگل شیر تیندوے سے بھیڑیے ریچھ سے بھرا پڑا ہے۔

خان۔ اوہ یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ ان سے بھی لوگ ڈرتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب یہ بھی خدا کی مخلوق ہیں۔

ٹھاکر۔ درست مگر آپ اکیلے ہیں اور بالکل نہتے۔

خان۔ اکیلا تو نہیں ہوں خدا ساتھ ہے۔ اور نہتے کی پوچھو تو میں خالی ہاتھ ہی اچھے اچھے مسلح جوانوں سے اچھا ہوں۔
ٹھاکر۔ یہ کہئے
ٹھاکر کا ایک رفیق۔ اس جنگل میں اکثر ڈاکو پھرتے ہیں۔
خان۔ پھرا کریں۔ ہمارا کیا کریں گے۔
وہی رفیق۔ کیوں نہیں۔ آپ خالی ہاتھ ہیں۔ اکیلے ہیں۔
خان۔ ٹھیک مگر ہم سے کیا لیں گے۔
وہی رفیق۔ مال تو آپکے پاس بہت ہے (گلے کی گٹھری کی طرف اشارہ کرکے) بڑی رقم تو یہی ہے اور بھی کچھ ضرور ہوگا۔
دوسرا رفیق۔ انگوٹھیاں پہنے ہیں اور کمر میں جو کچھ ہو۔
خان۔ کمر میں کچھ نہیں ہے اس بیگ میں ضرور کچھ نوٹ دو چار عمدہ قیمتی نگینے ہیں۔
وہی دوسرا رفیق۔ انہیں کوئی چھین لے تو ۔ ۔ ۔
خان۔ کیسے۔ ہمکو مارے بغیر؟ بہت مشکل ہے۔
قافلہ سالار۔ آپکا مار ڈالنا کیا مشکل ہے۔
خان۔ قضا کی بات ہے اور ہے ویسے تو ہمارا مارنا بہت ہی دشوار ہے۔
قافلہ سالار۔ بغیر قضا کوئی نہیں مرتا۔
خان۔ درست۔ مگر میرا یہ مطلب ہے۔ کہ جب تک میرے ہاتھ پاؤں میرے قابو میں ہیں مجھے کوئی آدمی مار نہیں سکتا۔
قافلہ سالار۔ کیوں آپ۔ ان خالی ہاتھوں سے کیا کریں گے۔
خان۔ کیا بتاؤں۔ وقت پر سب معلوم ہو سکتا ہے (اوس چلم دینے والے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے) ٹھاکر صاحب۔ ہم ایک چیز آپ سے مانگیں گے دیجئے گا۔
قافلہ سالار۔ (بے تامل جلدی سے) ضرور

خان۔ ہمارا یہ چور ہمیں دید تبجئے۔ ہم اسے سزا دیں گے۔
قافلہ سالار۔ چور کیسا۔ ہمارا یہ آدمی اُنکا چور ہے۔
خان۔ جی ہاں۔
قافلہ سالار۔ اس نے کہاں کس طرح کیا چوری کی۔
خان۔ پار سال ابھی کل ہم انہیں شاہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے تھے۔ بیس روز انکی خدمت میں رہے لوٹتے وقت یہ ہمکو راستہ میں ایک کھیت پر ملا۔ ہم اس وقت بہت پیاسے تھے اُس سے پانی مانگا۔
قافلہ سالار۔ اور اوسکے پاس پانی تھا۔
خان۔ یہ لوٹا ڈور لئے کنوئیں پر کھیت کی مینڈ کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے پانی کے عوض ہم پر وار کیا تلوار کے پانی سے موت کے گھاٹ ہماری پیاس بجھانیکا ارادہ کیا مگر بیچارہ کا بس نہ چلا مجبور ہو کر ہمارا غلام بنگیا۔ ہمارے ساتھ چلا ہم ایسے سیدھے کہ اسکے دھوکے میں آگئے۔ اسے لیجئے اس نے دوسرے دن نہیں معلوم کیا چیز پانی میں ہمیں دی ہم بیہوش ہو گئے۔ اس نے ہماری بہت سی انگوٹھیاں۔ بیگ سے کچھ روپیہ لئے اور اپنے گمان میں ہمکو مارکے ایک اندھے کنوئیں میں ڈالدیا۔
قافلہ سالار۔ کہاں۔
خان۔ ہم لشکر جاتے تھے راستہ میں۔
قافلہ سالار۔ آپ اب اسے لیکر کیا کریں گے۔
خان۔ سزا دیں گے۔ اس نے بڑی بے ایمانی کی۔ اور بہت بزدلی سے ہمکو زخمی کیا۔
قافلہ سالار۔ آپ اسکو کیا سزا دیں گے
خان۔ اور کچھ نہیں۔ ہم اسکے دونوں کان۔ناک ایک ہاتھ کاٹیں گے وہ ہاتھ جس نے ہمپر تلوار اناڑی پن سے چلائی تھی۔ اور اس کی پیشانی پر اپنی غلامی کا داغ لگا دیں گے۔
قافلہ سالار۔ کیسے۔

خان۔ اپنی لوہے کی مہر گرم کرے گے۔

قافلہ سالار۔ مگر یہ آپکو مل جائیگا۔ آپ اسے گرفتار کریں گے۔

خان۔ ہاں۔ آپ اجازت دیدیں تو۔

قافلہ سالار۔ ہمارا آدمی ہے۔ ہم کیسے اجازت دیں گے۔ (دوزانو تیکھی ہوکر) اجازت کیسی یہی غنیمت سمجھئے۔ آپنے اتنی باتیں اسکو کہیں اور ہم چپ چاپ سنتے رہے۔

خان۔ نہیں آپ کیا کرتے۔

قافلہ سالار۔ کرنے کو کیا چاہیے۔ ایک آدمی سے کہدیتا وہ دو تین گھونسے مار کے آپسے یہ سب چیزیں چھین لیتا اور خود آپکی ناک کان کاٹ کے یہاں بھگا دیتا۔

خان۔ (ہنستے ہوئے) درست (ذرا شرما کر) ایک آدمی تو کیا تمہارے یہ سب آدمی جتنے ہیں اور یہ بڑے تیغ بہادر تم سب بھی میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ اے گنوار اس بھروسہ نہ رہنا میں کہتا ہوں یہ ہاتھ ہی تلوار کا کام دیتے ہیں تلوار کون باندھے بوجھ کون اٹھائے ہم یہ نجانتے تھے تو اس سب ایمان بودے سے زیادہ بودا ہے۔

قافلہ سالار۔ (اپنے ایک آدمی سے) دیکھتا کیا ہے۔ ایک تھپڑ مار کے سب چھین لے۔

وہ آدمی بہت جوش کے ساتھ آگے بڑھا۔

خان۔ رومال کرسے کھولکر اوسکا ایک کھونٹ ہاتھ میں پکڑ کر پینترا بدلکر دیکھو خالی ہاتھ سے تلوار میان سے کھینچ لے۔ وار کر۔ نہیں تیرے دل میں یہ حسرت رہ جائیگی۔

وہی آدمی۔ (مسکرا کر) میں گھونسے ہی سے تجھے ٹھنڈا کر ڈالوں گا۔

خان۔ تمہارے ڈینگے ہی کہے سنتے ہیں۔

وہ جوان گھونسا تانکر آگے بڑھا ہے کہ خان صاحب نے دور ہی سے بچاتے کیا تیغ نکلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ کیا وہ اچھل کر ستے کے بل زمین پر دور گرا اور

خانصاحب نے زور سے قہقہہ لگا کے کہا۔ ابے گنوار تیرے بہادر گھوڑے باز سپاہی کا پاؤں پھسل گیا یہ بیچارہ گر پڑا۔ مجھ سے اُٹھا اُسکی گرد جھاڑ کر۔

قافلہ سالار۔ وہ خود اُٹھ بیٹھے گا۔

خان۔ ہاں قیامت کے دن (مسکرا کر) گنوار بیوقوف اوسکی تو گردن ٹوٹ گئی وہ دیکھ دم توڑ رہا ہے۔

حقیقت میں وہ جوان ہچکیاں لے رہا تھا اب قافلہ سالار کو زیادہ غصہ آیا۔ اس نے سب کو حکم دیا۔ کھڑے کھڑے مُنہ کیا دیکھتے ہو اسکو مار کے گرا نہیں دیتے۔ سب یکبار خانصاحب کی طرف لپکے۔

خان۔ ہیں یہ بودا پن۔ میں اکیلا اور تم اتنے آدمی۔ میں نہتا تم سب کے پاس تلوار اور۔۔۔۔۔ (کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا) ایک نہیں تو دو دو میرے مقابلے کے لئے آؤ۔

قافلہ سالار۔ اچھا ایک ہی آدمی جائے۔ دیکھیں یہ کیسا سورما ہے۔

ایک جوان تلوار سونتکر لپکا خانصاحب کے پاس پہونچا ہی تھا کہ تلوار ہوا میں تھی اور وہ خود پہلے جوان کی طرح گردن ٹوٹا زمین پر دور پڑا تھا۔ اب دو آدمیوں نے حملہ کرنا شروع کیا جیسے ہی حملہ کرنے والوں کا ہاتھ سر پر پہونچا تھا کہ خانصاحب بڑی پھرتی سے کچھ پیچ کر کے پیچ کر دور کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُن دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ جاتی تھیں خانصاحب پھر جھپٹکر کوئی داؤ کرتے تھے۔ دونو باہم الجھکر زمین پر گر پڑتے تھے اور قبضے اون کے ہاتھ سے نکلکر خود اُنکی ناک پر پڑتے تھے اس طرح بھی آٹھ آدمی زخمی ہوئے۔ تب ایکبارگی خانصاحب پر دوڑ پڑے قافلہ سالار نے بھی سبکا ساتھ دیا۔ خانصاحب نے۔ اپنی معمولی تیزی اور پھرتی سے قافلہ سالار کی تلوار چھین لی اُنکے غول میں گھس گئے۔

وہ سب بار بار سمٹ سمٹ کر اوسپر آتے تھے اور تان تان کے چوٹیں لگاتے تھے۔ مگر خانصاحب کے تیور ویسے ہی تھے۔ کسی کے وار سے اُنکو چرکا بھی نہ آتا تھا۔ اونکی اکثر چوٹیں خانصاحب کے جلدی جلدی او جھلنے کو دینے کے سبب خالی جاتی تھیں اور کچھ مناسب داؤں پیچ کی بدولت آپس ہی کے آدمیوں پر لگتی تھیں اور

خانصاحب ہر ایک حملہ میں دو دو ایک کو نکٹا کر کے گرا دیتے تھے۔ اسی طرح آدھ گھنٹہ سے
کچھ ہی زیادہ عرصہ میں قافلہ سالار اور اسکے سب آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ صرف
عورتیں باقی رہیں۔ خانصاحب نے رومال پھاڑ کر کمر سے باندھ لیا۔ ایک طرف
کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔ سب زخمی بیہوش پڑے ہیں اور وہ مسکراتے
ہیں۔ انکے قریب ہی دو ٹٹو کھڑے ہیں۔ اور زمین پر دونوں لڑکیاں بیٹھی ہیں
ان کی انا بیٹھی ہیں۔ مگر وہ اسٹے کچھ نہیں کہتیں خوف کی نگاہوں سے انہیں تکتی
ہیں لڑکیاں البتہ رو رہی ہیں۔

ان آدمیوں میں دس بارہ تو مر گئے ہیں۔ باقی کی ناک کٹی بلکہ کچلی ہوئی ہے جسکے
صدمہ سے سب بیہوش ہیں۔ خانصاحب نے تلوار کے پھل سے بہت کم کام لیا
صرف قبضہ سے دشمنوں کی ناک کچلتے رہے۔ انکے ہاتھ میں نہیں معلوم کیا اثر
تھا جسکے ناک پر انکی ضرب پڑتی تھی ناک بالکل کچل جاتی اور نکٹا زخمی دماغی صدمہ
سے بیہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ خانصاحب دیر تک کھڑے رہے۔ پھر سب تلواریں
جو ادھر ادھر پڑی تھیں جمع کیں۔ انہیں ایک ٹٹو پر لادنے کے لئے نکلے دونوں
عورتیں انہیں اپنی طرف آتا دیکھکر بھاگیں بیچاری لڑکیاں اکیلی رہ گئیں۔ بندوقوں کی
طرف چلیں۔ یہ سات بندوقیں قافلہ والے اوسوقت بدحواسی میں یہاں پھینک
گئے تھے جب وہ خانصاحب پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے تھے۔ مگر اب یہاں چھ
بندوقیں ہیں۔ خانصاحب نے جھکے سے کہا یہ کم بخت موت کی دھونکنی۔ ہواؤں کی
سلاخ بھی انکے پاس تھی بڑی خیریت ہوئی گھبراہٹ اور بدحواسی میں انہیں
انکا دھیان نہیں رہا۔ اور میں نے اس وقت ان کا نام لیتے لیتے زبان دبالی
میری زبان سے کہیں نام ہی نکل جائے تو بڑا ہی غضب ہو۔

خانصاحب بندوقوں کے پاس پہونچ گئے انکے اٹھانے کے لئے جھکنے کو تھے
کہ ساتویں بندوق کی گولی انکے لگی۔ یہ فیر ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے
کیا تھا جو خانصاحب کے خوف سے ٹٹوؤں کے پاس سے بھاگی تھیں۔ خانصاحب
ٹٹوؤں اور لڑکیوں کی طرف دیکھتے رہے۔ انہیں عورت جانکر انکا پیچھا نہیں
کیا نہ انکی طرف دیکھا کہ وہ کہاں جاتی ہیں۔ وہ دونوں سیدھی ان بندوقوں کی

طرف آئیں۔ ایک نے بندوق اُٹھالی اور موقع کے منتظر قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں کھڑی ہو گئی دوسری کہیں چھپ رہی۔ خانصاحب بندوقوں کے پاس جھکے تو اوس سے بہت قریب تھے اوس نے بندوق داغدی۔ وہ نشانہ باز نہ تھی بلکہ کبھی بندوق اُس نے چلائی ہی نہ ہوگی۔ مگر خانصاحب اُس سے اتنے قریب تھے کہ نشانہ تاکنے شست باندھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اُس نے یوں ہی اٹکل سے بندوق کی نال خانصاحب کی پیٹھ کے سامنے کردی اور گھوڑا اچڑھاکر لبلبی دبادی۔ گولی خانصاحب کے پیٹھ میں لگی۔ وہ دہڑ سے گر پڑے اور اس طرح یہ میدان آخرکار قافلہ والوں کے ہاتھ رہا۔

خانصاحب کے گرتے ہی وہ عورت جھپٹ کر اُنکے پاس پہونچی۔ بندوق وہیں کھڑی اور اُنکے بحس وحرکت جسم کو گھسیٹتے ایک طرف لیچلی تھوڑی دور پر ایک گڑھا تھا دشمن کا بحس وحرکت جسم فاتح دلاور عورت نے بالکل ننگا کر کے اوس میں ڈالدیا۔ اور وہیں کھڑے ہو کر اپنے ساتھ والی سب عورتوں کو پکارا جو لڑائی کے وقت جنگل میں چھپ گئی تہیں۔ وہ تھوڑی دیر میں اُسکے پاس جمع ہو گئیں اُن سے اپنے زخمیوں کی تیمارداری سے پہلے فتح کی راگ گاتے ہوئے مغلوب دشمن کے جسم پر خشک مٹی وہیں سے سمیٹ سمیٹ کر ڈالنا شروع کی۔

تیسرا باب

جفائے چرخ جور دہر اندازِ ستم تیرا
دل مضطر ہو جاں بخرا نسے ہم مشکل سمجھتے ہیں

تمہید

ہمارے اس فسانہ کے شروع ہونے سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ صبح کا سہانا وقت ہے۔ آفتاب کے طلوع میں ابہی بہت دیر ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ جابجا سبزہ پر اوس کی ننہی ننہی بوندیں کسی کے سبزۂ خط پر پسینہ کی ...

بیل کا عالم دکھا رہی ہیں چڑیوں کی چہچہوں سے ہوا گونج اوٹھی ہے وہ گھونسلوں سے نکل آئیں کو دانے کی تلاش میں اوڑ چلی ہیں چوپائے چراگاہوں کی طرف جا رہے ہیں انکے بچے کلیلیں کرتے چلتے ہیں پھلواریاں مہک رہی ہیں ان میں کھلنے والے پھول کھل رہے ہیں۔ صبح کی نوبت جا بجا بھیرویں کی دلکش سروں میں بج رہی ہے غفور شاہ صاحب کے مزار کا ڈنکا اپنی پر ہیبت و جلال آواز سے اس سہانے وقت کی قدر قیمت و عظمت لوگوں کو جتا کے۔ اونہیں خدا کی عبادت کے لئے ہوشیار کرتا ہے۔

گوالیار کے قدرتی سنگی قلعہ کا بھیانک چہرہ اب صاف نظر آتا ہے رات کی تاریکی کے ہاتھوں قدرت نے جو سیاہ پر ہیبت قلعی اوس پر کر دی تھی اب اوسے آفتاب کے نور نے دھونا شروع کیا ہے۔ اُسکی سیاہی ویسی بھیانک نہیں رہی ہے جیسی رات میں نظر آتی تھی۔ اب اسکے چہرہ سے۔ قدامت اور عظمت پرستی۔ اس پرانے مضبوط۔ اور کہنگی کے ہاتھوں قدرتی سیاہی مائل رنگ میں ڈوبی ہوئی قلعہ کے برجوں اور فصیلوں کے سامنے عالمگیری عالیشان جامع مسجد کے خوب سفید چمکدار سنگ مرمر کے گنبد اور مینار چمک رہے ہیں۔ اس سیاہ منظر میں یہ سفیدی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے مسجد میں اذان ہو رہی ہے اور قریب ہی کسی مندر میں ٹھنا ٹھن گھنٹا بج رہا ہے۔ ایسی حالت میں دو پردہ دار بگھیاں تین تانگے سواریاں کسی طرف سے بہت تیز آ کر یہاں سے قریب ہی ایک مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس مکان کا دروازہ ابھی بند ہے۔ ایک بگھی والا اتر کر زور سے زنجیر بجاتا اور بار بار آواز دیتا ہے "دروازہ کھولو۔ آگرہ سے سواریاں آئی ہیں۔ انہیں اتار لو" بڑی دیر میں اندر سے آواز آتی ہے "کون ہے۔ کیوں اودھم مچایا ہے۔ سویرے سویرے کیوں دروازہ توڑے ڈالتا ہے یہ کیا آفت آئی ہے"

بگھی والا۔ دروازہ تو کھولو۔

وہی آواز۔ دروازہ کی طرف آتے ہوئے ہے کون۔ دروازہ کھولو۔ کیوں کھولیں سے کیا۔ کیوں سویرے سویرے ناحق ہمیں حیران کیا ہے۔

یکہ والا۔ یہاں تک آؤ تو سہی آپ ہی معلوم ہوجائے گا کون ہے۔
وہی آواز۔ کون کمانے پوت دُکھن سے کمائی کر کے آئی ہیں۔
یکہ والا۔ دروازہ بھی کھولوگے یا وہیں بڑبڑ کروگے۔
یکہ کے اندر سے آواز۔ ہیں ہیں!! سیدہی طرح کہو دروازہ کھولدو۔ آگرہ سے سواریاں آئی ہیں۔
یکہ والا۔ حضور سیدہی طرح تو کہہ رہا ہوں۔ وہ سنتی ہی نہیں ہے۔ بولکے گھوڑے پر سوار ہے۔ ماما کیا آفت ہے۔ بولنے سے لڑتی ہے۔ ماجی۔ دروازہ کھولدو۔
ماما۔ دروازہ کے قریب پہونچکر کیوں۔
یکہ والا۔ واہی خیر۔ ابتک آپ ہی پوچھتی ہیں کیوں۔ اجی حضور۔ آگرہ سے سواریاں آئی ہیں۔
ماما۔ ہمارے یہاں آگرہ سے آنیوالا کوئی نہیں ہے کہیں اور آئی ہونگی
یکہ والا۔ نہیں حضور۔ یہیں آئی ہیں۔
ماما۔ دروازہ کھولکر تو ہے بڑا بدذات صبح صبح آمرا۔ دروازہ کھولو دروازہ کھولو۔ اسے ہے آفت برپا کردی۔ تمام محلہ سر پر اوٹھا لیا۔ کون ہے۔ کیوں چیختا تھا۔
یکہ والا۔ حضور یکہ تک آئیں آپ ہی سب حال معلوم ہوجائیگا۔
ماما یکہ کے پاس گئی۔ تھوڑی دیر پردہ میں منہ ڈالکر کچھ کہتی سنتی رہی۔ پھر گھر میں چلی گئی۔ گھر میں صدر دروازہ کے کنارہ والے در کے نیچے چبوترہ پر ایک چوکی بچھی ہے اوسپر سیاہ سفید دری کی جانماز ہے۔ اسپر محراب کے سامنے خوبصورت سی رحل پر کلام مجید ریشمی جزدان میں لپٹا رکھا ہے۔ اسکے سامنے ایک بہت خوبصورت لڑکی بیٹھی ہے جسکی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ نہوگی۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں صاف کہہ رہی ہیں کہ یہ بھولی بھالی۔ ماہ جبین ابھی سوتے سے اٹھکر بیٹھی ہے۔ دالان کے کنارہ والے در میں وضو کرنیکی چوکی پر ... سے جھکا لوٹا بھرا رکھا ہے۔ اور پاخانے سے کسی کے کہا

کی آواز آتی ہے۔

ماما۔ (چوکی کے پاس بہو بیگم کی لڑکی کو اونگھتا دیکھکر) بہو۔ ابھی وقت صبح کی توپ بھی دہنا نا۔ نادان لڑکی اونگھتے اونگھتے اچھل پڑی۔

ماما۔ (چمکار کے) آؤ میرے گود میں آجاؤ۔ میں گند سے سے لگالوں گی۔

لڑکی۔ نہیں۔

ماما۔ بہو بیگم ناحق لڑکے کو حیران کرتی ہیں ایسے ننھے ننھے بچے تو سب جگہ پہردن چڑھے تک سوتے ہیں۔

بہو بیگم۔ (پاخانہ سے آتے ہوئے) کیوں۔ کون تہا۔

ماما۔ تہا نہیں۔ ہے۔ آئی تو ہیں۔

بہو بیگم۔ کون ہیں۔

ماما۔ جیسورمیں گہر ہے۔ آگرہ سے آئی ہیں۔

بہو بیگم۔ ارے۔ ہیں کون۔ کیا نام ہے۔ کیوں آئی ہیں۔

ماما۔ بیوی آپ ہی کی سی بیوی ہیں۔ نام اے تو یہ۔ پہلا سا بتایا تہا۔ بھولی جاتی ہوں ہاں ما فنس نہیں تو یہ اختر بیگم۔

بہو بیگم۔ اختر بیگم۔ آگرہ سے..... کہیں اور آئی۔ ہونگی یکہ والے کو دہوکا ہوا۔

ماما۔ نہیں بیوی جمعدار صاحب کا صاف نام لیا کہا یہ گہر انکا ہے۔ آپکو یاد نہیں رہا سیاں کبھی کبھی انکی باتیں کیا کرتے تہے۔

بہو بیگم۔ (اپنے حافظہ پر زور دیتے ہوئے) ہاں وہ ہیں۔

ماما۔ وہی ہیں مجھے سب پتے بتائے۔ میں بہائی جان کی یاتم پڑ ہیں کوا تبک نہ آسکی نہ اس عرصہ میں کوئی خط لکہا اب آگرہ آئی تہی وہاں سے لوگوں کی یاد ادہر کھینچ لائی۔

بہو بیگم۔ ہاں۔ اُسنے یہ بہی غنیمت ہے۔ خاص اپنے عزیز ہمیں بھول گئے وہ غیر ہیں۔

ماما۔ تو انہیں لے آؤں۔

بہو بیگم۔ اور کیا یکہ ہی پر رہینگی (یہ کہکر وضو کرنے لگی)
ماما باہر گئی۔ دونوں یکہ والوں کو ہٹا دیا۔ ایک یکہ سے ایک مسن خوبصورت عورت جسکے بشرہ سے متانت ذہانت برستی ہے۔ اور ایک خادمہ اتری دوسرے سے دو لڑکیاں۔ ان دونوں کی صورت بھی۔ بہت پیاری ہے عمر زیادہ سے زیادہ سولہ اور سترہ برس ہوگی۔ ماما انہیں گھر میں لے آئے۔ اختر بیگم گھر میں پہونچیں تو انہوں نے بہت ادب سے بہو بیگم کو سلام کیا۔ بھابھی جان بندگی۔ دونوں لڑکیوں سے کہا ممانی کو بندگی کرو۔ لڑکیوں نے بھی اُسی انداز سے سلام کیا۔ وہ بھولی بھالی مصلے کی زیب و زینت لڑکی بھی کھڑی ہوگئی۔ اوس نے نئی مہمان پھوپھی کو بہت ادب اور پیارے لہجہ سے سلام کیا۔ بیوی نے تینوں مہمانوں کو گلے لگایا۔

اختر بیگم نے اپنے بھائی کے مرنے پر دو چار آنسو بہائے۔ کچھ بیان کئے بھتیجی کو لپٹا کر خوب پیار کیا۔ دس کلدار روپیہ اُسکے ہاتھ میں دئے وہ اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگی۔

بہو بیگم۔ (بنو کو چمکار کر) لے لو شرماؤ نہیں۔ یہ تمہاری پھوپھی جان ہیں۔ انکا دیا تمہیں سب ہضم ہے۔

لڑکی نے روپیہ لیکر پھر پھوپھی کو سلام کیا پھوپھی نے اوسکی اس ادب اور تمیز سے خوش ہوکر پھر اسے گلے سے لگا لیا خوب پیار کیا۔ اور بہو بیگم سے کہا۔

اختر۔ بھابھی جان۔ تم نے دیکھا نہیں۔ تو کیا میرا نام تو ضرور سنا ہوگا (رونی آواز سے) بھائی جان مجھے ضرور یاد کرتے ہونگے۔

بہو بیگم۔ کیوں نہیں۔ (سورج کے مطلع کی طرف دیکھکر) نماز کا وقت چلا۔

اختر۔ نماز تو ہمنے بھی ابھی نہیں پڑھی۔ ارے ہے کیا برے وقت یہاں ریل پہونچتی ہے۔ صبح صبح سب کو حیران کیا۔ (اپنی ماما سے) تم ابتک کھڑی باتیں سنتی ہو۔ اسباب یکوں میں پڑا ہے ماما جسکا نام نصیبن ہے جی نہیں اسباب کچھ آگیا کچھ لینے جاتی ہوں۔

بہو بیگم۔ (اپنی ماما سے) ان لڑکیوں اور اختر بیگم کو۔ وضو کے لئے پانی دو

(اختر سے) تم وضو کرو۔ میں جب تک نماز پڑھ لوں۔ میں تلاوت کروں گی تم نماز پڑھنا وہ نماز پڑھ چکیں تو ان مہمانوں نے نماز پڑھی بہو بیگم نے ناغہ نہ ہونے کے خیال سے کچھ تلاوت بھی کی۔ وہ تلاوت کرتی تھیں اور ننھو روزانہ معمول کے موافق اپنا قاعدہ لئے بیٹھے ہل ہل کر چپکے چپکے کل کا پڑھا ہوا سبق الف دو زبر ان دو زیر ان۔ دو پیش ان۔ پڑھتی تھی۔ ما تلاوت کر چکیں تو بیٹی نے کھڑے ہوکر بہت ادب سے جھک کر بندگی کی۔ ماں نے کہا جیتی رہو۔ اپنا سبق تو سنا بیٹی نے۔ الحمد شریف قل ہو اللہ حفظ سنائے۔ اوسکی پیاری خام زبان سے یہ الفاظ بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ماں مسکرا مسکرا کر۔ آرزومند کانوں کے ذریعے مزید اپنی شربت کے گھونٹ سے زیادہ مزے سے یہ مقوی روح وہ مانع عرق پیا تی اور پیار کی نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھتی تھی بیٹی دو تو صورتیں سنا چکی تو ماں نے کہا اچھا اپنی پھوپھی کے پاس جاؤ۔ پھوپھی نے اسے گود میں بٹھا لیا اور اپنی بھاوج سے مخاطب ہوئی۔

اختر۔ میں یہ بہت خوش ہوئی۔ بھائی نماز روزہ کی ویسے ہی پابند ہیں جیسے ہمارے بھائی جان تھے۔ سچ پوچھو تو یہ انہیں کی ہدایت کا اثر ہے۔

بہو بیگم۔ بیشک میں نے قرآن شریف بھی انہیں پڑھا ہے۔

اختر۔ ہائے مجھے اُنکا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا۔ بھائی جان تم منہ سے نہ کہو تو کیا ہے دل میں ضرور کہتی ہوگی۔ یہ شکایت ضرور ہوگی اور بیشک شکایت کی بات ہی ہے۔ میں کم بخت انکی بیماری میں نہ آئی تو تمہیں پرسا دینے تو آئی ہوتی مگر بھائی جان کے قدموں کی قسم اس بیماری ننھو کی قسم۔ ایسی بلاؤں میں پھنسی تھی کہ ان سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا تھا۔ بھائی جان کی بیماری کا خط جو پہنچا تو میں نہیں میں خفا بھی تھی خط پڑھتی ہی انہیں دیکھنے کے لئے بے چین دل کیسا کیسا تڑپا ہے کہ .... ہائے ہائے بے اختیار یہ جی چاہتا تھا جیسے بنے یہ سب جھگڑے قصے چھوڑ چھاڑ کے چلی جاؤں۔ مگر قسمت میں تو یہ لکھا تھا انکا آخری دیدار بھی نصیب ہو کسطرح جینکا را نہوا۔

بہو بیگم۔ خیر آتا نہ ہو تو کیا ہے اس میں شکایت یا برا ماننے کی کیا بات ہے۔

اختر۔ کیوں نہیں۔ اپنے اور کس لئے ہوتے ہیں جب ایسے وقت میں۔
بہو بیگم۔ مگر گرہستی کے سو قضیہ بکھیڑے ہیں اُن سے فرصت نہ ہوئی تو شکایت بھی کیا بات ہے۔
اختر۔ اور جھگڑے بھی کیسے بھابی جان۔ عذاب میں جان تھی پہلے تمہاری بڑی بہانجی جعفری بیگم کے دولہا کے کوتکوں سے ناک میں دم رہا۔
بہو بیگم۔ کیا جھگڑا تھا۔
اختر۔ (بڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرکے) انکے دولہا نے ایک رنڈی گھر میں ڈال لی تھی اُسکی بدولت دونوں میں روز تُو تُو میں میں ہوتی تھی۔ وہ ان سے بیزار صورت دیکھنے کی روادار نہیں یہ اُن سے خفا انکے سایہ سے بھی نفرت دونوں طرف ذرا ذرا سی بات میں جھگڑا لڑائیاں۔ یہیں تک غنیمت تھا ان حضرت نے اُس سے نکاح کی ٹھہرا دی۔
بہو بیگم۔ ہیں نکاح کر لیا رنڈی سے۔
اختر۔ کیا نہیں کرنے کو تھے۔ یہ بگڑ کر میرے پاس چلی آئیں۔ اب انہیں کتنا ہی سمجھاتی ہوں تمہارا یہاں رہنا اچھا نہیں انہیں موقع ملیگا جو نہ کرنا تھا کر گزرینگے۔ وہ مردار میدان خالی دیکھکر خوب ہاتھ پاؤں پھیلائے گی گھر سے ہاتھ مارے گی مگر یہ کسکی سنتی ہیں وہاں تو جانا تھا نہ گئیں۔ چھ مہینہ یہیں رہیں۔ اتنے دنوں میں روز ایک نیا قصہ نیا بکھیڑا خدا کی پناہ۔ آخر یہ شاخسانے دولہا نے سب جائداد اس کلمہی کے نام لکھ دی رہنے کا مکان بھی دیدیا۔ نقدی اسکا زیور جو کچھ گھر میں تھا سب اوسے بخشدیا کل ہی پرسوں میں کاغذ پر رجسٹری ہوا ہی چاہتی ہے۔ نہ یہ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کچھ کرتے نہ بن پڑتی تھی خدا بہشت نصیب کرے اسکے خالو نے بڑی بڑی ترکیبوں سے وہ کاغذ جلوا دیا اوس مردار کو گھر سے نکالا تب اون کا گھر بسا۔
بہو بیگم۔ شکر ہے اب کوئی خرخشہ تو نہیں ہے۔
اختر۔ نہیں کوئی نہیں۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے۔ انہوں نے وہ تدبیر کی کہ مردار کہیں کی نہ رہی۔ پہلے تو کریم بخش سے اٹھا دیا۔ یوں اچھے دولہا کا دل اُس سے ہٹایا۔ پھر ایک چوری کا الزام لگا کے دو نوکو قید

کرا دیا۔

بہو بیگم۔ تدبیر تو اچھی کی۔ مگر۔۔۔۔

اختر۔ بیشک۔ مگر مجھے جب معلوم ہوا کہ وہ ۳ برس کو قیدخانہ چلی گئی نہیں میں انہیں ضرور منع کرتی۔ اس سے بچھا چوٹا کہ انکی جان کو ایک اور بلا چمٹ گئی انکے سسر نے ایک کہاری گھر میں ڈال لی تھی۔ اس سے ایک لڑکا تھا ننھے مرزا۔

بہو بیگم۔ ہیں۔ کیا انکے سسر سید نہ تھے۔ یہ کیسا تم سیدانی ہو نہ۔ پھر مغلوں سے ناتا کیا۔

اختر۔ سید تھے۔ مگر وہاں یہی رواج ہے ایسے لڑکے مرزا صاحب ہی کہلاتے ہیں۔ کہاری مرچکی تھی۔ اس ننھے مرزا کو اچھے دولہائی ماں نے اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ وہ نمک حرام ہوا بے ایمان رنگ لایا۔ کچھ دن اچھے دولہا سے کہتا رہا۔ جائداد آدھی میری ہے مجھے میرا حصہ دیدو۔ آخر نالش کردی۔

بہو بیگم۔ ہیں نالش کردی۔

اختر۔ ہاں دو چار لڑانے والے کھڑے ہوگئے دونوں کو بھڑا دیا۔

بہو بیگم۔ انجام کیا ہوا۔

اختر۔ ہندو ریاست وہاں مسلمانوں میں یہی یہی رواج ہے۔ بڑا اور ذات کی بیاہتا بیوی کا لڑکا سب جائداد کا مالک ہوتا ہے۔ اور عورتوں کی اولاد کو تنخواہ ملتی ہے۔ ۲۰ روپیہ ماہوار اسکا مقرر ہوگیا۔

بہو بیگم۔ چلو سستے چھوٹے۔

اختر۔ ابھی کہاں۔ اب انکے (چھوٹی لڑکی کی طرف اشارہ) بی محمدی بیگم کی باری آئی۔ بیاہے دولہا۔

بہو بیگم۔ یہ کون۔ محمدی بیگم کا دولہا۔

اختر۔ ہاں انہیں تو شیطان نے انگلی دکھائی۔ ایک شامت جو سوار ہوئی دشمنوں نے ایک کا چھن گھر میں ڈال لی۔ اسے بے ماروں رات دن اُسکے جھانجے رہے اور یہ بیگم صاحب روٹھی تھیں۔ رُٹی تھیں جب دیکھو میرے

پاس موجود ہیں۔ خدا اخدا کر کے وہ مردار دفع ہوئی۔

بہو بیگم۔ یہ کیسے۔

اختر۔ انہوں نے کسی بات پر پیارے دولہا سے بگڑ کر خود ہی زہر کھالیا جہنم کو سدھاریں۔

بہو بیگم۔ چلو اپنی جگہ پہونچ گئیں۔

اختر۔ مگر پیارے دولہا کی بربادی کے لئے۔

بہو بیگم۔ ہیں۔

اختر۔ اوسکے مرنے کے تین مہینہ بعد مخبری ہوئی۔ اب آفت آئی۔

بہو بیگم۔ کیا مخبری ہوئی۔

اختر۔ کسی نے جڑ دی۔ پیارے دولہا نے اُسے زہر دیکر مار ڈالا۔ اور یہہ اپنی بیوی کی صلاح سے کیا بلکہ زہر بیوی ہی نے پیسکر شربت میں ملایا تھا۔

بہو بیگم۔ ہے ہے غضب۔

اختر۔ سرکار مدعی تو ہو ہی گئی تھی۔ اس کا بھائی بھی دعویدار ہوا۔ مقدمہ چلا۔

بہو بیگم۔ الٰہی خیر

اختر۔ یہہ اندھیر دیکھو کہ پہلے ہی دن انہیں حوالات ہوگئی۔ ان کی عزت آبرو کا بھی ذرا خیال نہ کیا گیا۔

بہو بیگم۔ ہے ہے۔

اختر۔ بڑی دشواریوں سے یہ اوس فضیحتی سے بچے۔ اس کے لئے بھی حکم ہو گیا تھا میں نے اسے وہاں سے بھگا دیا۔ اخیر بھید بلا اور کہدیا۔ وہ تین مہینہ سے یہاں نہیں ہے اپنے چچا کے ساتھ پیارے دولہا کی اجازت سے بغداد شریف زیارت کو گئی ہے۔ پیارے دولہا نے بھی اپنے بیان میں یہی لکھا اور اسکے جانیکے اور ثبوت دئے گئے تب اُنکی جان بچی۔

بہو بیگم۔ اور پیارے دولہا۔

اختر۔ خدا بخشے اسکے خالو اسکے بھی کام آئے۔ وہ بڑے جوڑ توڑ کے آدمی تھے۔

کئی ہزار روپیہ خرچ کر کے جیسے تیسے بیچارے دولہا کو اور اسے بری کرایا۔ پورے تین برس ان بلاؤں میں پھنسے رہے اب نجات ملی ہے۔

بہو بیگم۔ شکر ہے اللہ نے عزت آبرو رکھ لی۔

اختر۔ ہزار ہزار شکر۔ بھائی مجھے (منو کی طرف اشارہ کر کے) اسکے پیدا ہونے کی بھی خبر نہیں تھی۔ اسکے پیدا ہونے کے کئی دن بعد بھائی جان ۔۔۔
(آنسو پونچھتی ہوئی)

بہو بیگم۔ پورے سال بھر بعد۔

اختر۔ اور مجھے ان کی بیماری کی اور مرنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ میرا دیور یہاں نوکر ہے اسنے مجھے لکھا تھا۔ ہے ہے۔ مجھے بہت محبت [illegible] گر خط برسوں نہ لکھتے تھے۔

بہو بیگم۔ ان کی یہی عادت تھی۔ کہیں باہر جاتے تھے تو ہم مہینوں ان کی خیر خبر کو ترستے تھے۔

اختر۔ یہ عادت بچپن سے ہی تھی۔ لکھنے سے بہت جی چراتے تھے۔

بہو بیگم۔ اُنکے بچپن کی تم کیا جانو۔

اختر۔ میں نے سنا ہے۔ خود ہی اکثر کہتے تھے۔

بہو بیگم۔ وہی تو میں کہا۔ تم تو اُنسے چھوٹی ہوگی .....

اختر۔ ہاں اپنے ابا جان سے لڑکر آگرہ چلے گئے تھے وہاں نوکر تھے۔ ہمارے ابا جان کسی کچہری میں کام کرتے تھے۔ انہیں چچا کہتے تھے۔ میرے دونوں بھائی مر چکے تھے میں اپنے ابا جان کے پاس رہتی تھی وہیں ابا جان انکے ساتھ تھی۔ ابا جان بڑے سخی تھے جو کچھ کماتے سب لٹا دیتے۔ انہیں اور اماں کو ایک ساتھ ہیضہ ہوا رات بھر میں دونو تمام ہوگئے۔ اس وقت میں بارہویں برس میں تھی۔ گھر میں سوا میرے کوئی نہ رہا۔ پردہ نشین بچہ [illegible] سیانی۔ سر پر کوئی بڑی بوڑھی نہیں۔ پاس نوکری نہیں [illegible] مصیبت تھی۔ یہی اسکو [illegible] اسی وقت آ [illegible] ابا جان کے مرنے کے ساتھ دن بعد مکان والے نے گھر سے نکال دیا۔ مالک مہاجن کی ڈگری بیچنے جاری تھی گھر میں گرستی کا سامان جو کچھ تھا سب وہ لے گیا۔ میں بالکل

ٹھیک رہ گئی۔ دانہ دانہ کو محتاج۔ انھوں نے اپنی زبان کا پاس کیا۔ جیسے بہن کہا تھا ویسا ہی سلوک کیا۔ اپنے مکان کے پاس مکان لے دیا۔ ملازم رکھ دی۔ بیچارے کی تنخواہ بھی زیادہ نہ تھی۔ پچاس پاتے تھے۔ مگر مجھے کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دی۔ ماموں نے کبھی نہ تھیں وہ ان کے سامنے گھر میں آتے تھے۔ بالکل بیٹی کا سا برتاؤ تھا۔ میں بھی ان سے نہ چھپتی تھی جب کبھی آ دی۔ ... نے مجھ سے کئی بار کہا۔ دیکھو کام وہ کرنا چاہئے جس میں دنیا ... ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ یہ خدا جانتا ہے میں انھیں کس محبت اور عزت کی نظروں سے دیکھتی ہوں۔ جیسے اپنی کوئی بڑی یا چھوٹی بہن نہیں ہے۔ آپا ... میں نے جس دن سے تمہیں دیکھا ... دیکھا ہے تمہیں اپنی بہن سمجھا ہے۔ مگر دنیا کی کسی کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کوئی میرے دل کا حال جانتا ہے۔ تم سیانی ہو۔ خوبصورت ہو۔ شعور دار ہو۔ ہنر مند ہو۔ میں بھی جوان ہوں۔ اب تمہیں مجھ سے پردہ کرنا چاہئے۔ میں تمہاری شادی کی فکر میں ہوں۔ کسی نے کچھ کہہ دیا تو کون تمہیں قبول کریگا۔ ایسی نہ جانے کتنی باتیں کہیں اور کہتے رہے۔ میں نے ایک نہ سنی۔ ان کے سامنے آتی رہی۔ پردہ نہ کیا۔ آخر انھوں نے گھر میں آنا چھوڑ دیا۔ میں نے کھانا چھوڑ دیا۔ قسم کھائی۔ بھائی جان اپنے ہاتھ سے کھلائیں گے تو کھاؤں گی۔ سچ ہے بیچارے نے میری بہت ناز برداری کی۔ کوئی اپنی اولاد کی بھی ایسی کیا کرے۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ میری شادی کس دھوم سے کیسی اچھی جگہ کی۔ یہ انہیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ میں سو دو سو کو کھلا کے کھاتی ہوں۔ میری شادی ہوئی تو میں نے اپنی ساس سسر اور دولہا میاں سے اقرار کرا لیا۔ میں بھائی جان سے کبھی نہیں چھوٹوں گی۔ ایک شادی کیا۔ میرے ساتھ انھوں نے بہت سلوک کئے۔ بالکل اپنے سگے بھائی کا سا برتاؤ کیا۔ مگر میں کم بخت۔

پھوپھی بیگم — بیشک تمہیں ایسا ہی چاہئے تھا۔

اختر — مجھ کم بخت سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمہاری خدمت کروں اور ... کو پیار کرکے ... اس کی بہتری کی فکر کروں۔ کیوں بھابی جان اس کی منگنی کہیں کی ہے

پھوپھی بیگم — اس کی نسبت ابھی سے۔ ایسی جلدی کیا ہے۔

اختر۔ واہ بھائی جان تو کہتے تھے ہمارے گھرانے میں یہی دستور ہے۔ پیدا ہوتے ہی منگنی ہوجاتی ہے۔ کنبہ ہی میں شادیاں ہوتی ہیں۔ کوئی لڑکی کنبہ میں پیدا ہوئی اور آپس ہی کے لوگوں سے جسکے لڑکا ہوا اُس نے اُسے مانگ لیا۔

بہو۔ بیشک یہی دستور تھا۔ مگر خود اُنھوں نے اپنے دم سے اِس رواج کے خلاف کیا اسکے پیدا ہوتے ہی اسکے منگنی کی بات چھڑی تو انہوں نے صاف کہدیا ہم ابھی نہیں کرتے سیانی ہوجائے گی تب کریں گے۔

اختر۔ یہ بھی ٹھیک ہے میں نے ایک بات سوچی ہے تم منظور کرو تو ہے۔

بہو۔ کہو تو سہی۔

اختر۔ میرے جیٹھ کے ایک ہی لڑکا ہے۔ آٹھواں برس ہے صورت شکل ماشاء اللہ بہت ہی اچھی ہے عقل شعور ذہن کا کیا کہنا۔ ساتویں ہی برس قرآن شریف ختم کرچکا تھا اب فارسی پڑھتا ہے۔ گھر میں اسکا دیا سب کچھ ہے۔

بہو۔ اسکے ساتھ کردوں۔

اختر۔ میری یہی آرزو ہے۔

بہو۔ ابھی سے

اختر۔ کیوں کیا ہرج ہے۔ بلکہ اسکے آٹھویں نویں برس بیاہ ہی کردو یہ ننھی سی دلہن دولہا کو پیار کرکے بہت بھلی معلوم ہوگی۔

بہو۔ (مسکراتے ہوئے) اپنے تماشے کے لیے اسکی قسمت پھوڑ دوں۔

اختر۔ ہیں۔ یہ کیسے سُن چکی ہو کہ لڑکا بڑا ہونہار ہے۔

بہو۔ مگر اسکے کسی بات کا بھی کیا اعتبار۔ سیانا ہو کر نہ جانے کیا رنگ لائے گا۔

اختر۔ خدا نہ کرے رنگ کیا لائے گا۔ اپنے گھرانے سے ملتا جلتا ہوگا۔ انکے یہاں کوئی بدچلن نہیں ہے۔

بہو۔ بیگم وہ کوئی نہ سہی مگر وہ بچہ ہے۔ اسکی کسی عادت و خصلت کا بھی کیا بھروسا۔

اختر۔ کیوں نہیں۔ جو جیسا ہوتا ہے اسکی اولاد ویسی ہی ہوتی ہے۔ اسکے کنبہ میں

کوئی بدچلن نہیں ہے تو وہ کیوں ہوگا۔

بہو۔ یہ نہ کہو۔ زمانہ کو بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ خدا نہ کرے۔ بن بچپن میں اسکے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ جائے۔ چچا ہی اونسے ہاتھ اوٹھالیں تو کیسی ہو۔ گھر میں دیمھی کہتی ہو دولت بھری پڑی ہے۔ پھر اُسکے گاہک سیکڑوں کوئی شہر بدمعاشوں سے خالی نہیں۔ دو چار بچے شہدے۔ اوسکے راہ پر آئیں۔ اپنے ڈھنگ پر لگالیں اور سب کچھ غارت کرڈالیں۔

اختر۔ یہ انہونی کون سوچتا ہے نہ اور سیانے ہونے پر بھی مفلس ہوجائے تو کیا ہے۔

بہو۔ مفلسی کی کیا ہے۔ دولت کسی کی کب ہوئی ہے یہ تو پھرتی پھرتی چھاؤں ہے ابھی ادھر تھی۔ ابھی ادھر ہو گئی۔ مگر لڑکے میں ہنر علم۔ اور چلن دیکھنا بہت ضروری ہے اور اتنے سے بچ کے کسی بات کا اعتبار ہی کیا۔ دولت نہو ہنر تو ہو۔ بیدولت بے ہنر کس کام کا۔ اور بدچلن بھی ہوا تو کیا کہنا ہے۔

اختر اور بیگم میں دیر تک اسی مضمون پر بحث ہوتی رہی۔ بہو بیگم نے اختر کو قائل کر دیا۔ آخرکار اوس نے کہا۔

اختر۔ تم وہاں نہ کروگی۔

بہو۔ وہاں کیا کہیں نہ کروں گی۔ اُنہوں نے وصیت کی ہے۔ یہ خود سمجھدار ہو جائے تب اسکے نسبت کرنا۔

اختر۔ خیر۔ یونہی سہی۔ مگر میرے نزدیک وہ لڑکا بہت اچھا ہے۔ منگنی بیاہ کا اعتبار ہے جب جی چاہے کرنا میں اُسے ابھی روک دوں۔ کہیں اور نہ ہو جائے

بہو۔ یہ کیوں

اختر۔ کیا وہ بالکل ناپسند ہے۔ کیوں لڑکی دور چلی جائیگی۔

بہو۔ (دھیمی آواز سے) نہیں۔

اختر۔ چاہے صاف نہ کہو۔ دل میں یہی ہے۔ اور فضول تمہارا یہاں کون ہے۔ ایک اس لڑکی کا دم خدا رکھے جہاں یہ وہاں تم۔ ابھی سے وہاں چلکر ہو یہاں اکیلی پڑی ہو۔ کوئی بیماری دُکھ میں بھی خبر لینے والا نہیں۔ خدا نہ کرے کبھی بیمار ہو جاؤ تو

کوئی اتنا نہیں ہے جو حکیم کے یہاں جائے۔
بہو یہ بات نہیں ہے۔ اسکی نسبت انھوں نے ایک جگہ تجویز کی ہے۔
اختر کہاں میں بھی سنوں۔
بہو۔ تم انہیں نہیں جانتیں۔ اور جانتے بھی ہو نہیں تو میں کہتی انہوں نے بہت تاکید سے منع کیا ہے جب تک دونو سیانے نہ ہو جائیں یہ بات کسی سے بھی نکہنا۔
اختر۔ یہ کہو۔ چلو اچھا ہے۔ مگر اس وقت تک یہاں کیوں پڑی رہو اپنے وطن چلی جاؤ۔
بہو۔ وہاں جانا ہوتا تو یہاں کیوں رہتی۔
اختر۔ نہ سہی۔ میرے ساتھ چلو۔ وہیں رہو میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ میری تو عین تمنا ہے میں سعادتمند بیٹوں کی طرح تمہاری خدمت کروں۔ تمہاری بھوج نند ہوں میرا یہ فرض ہے بھابی جان یہاں تمہارا جی نہیں گھبراتا پہلے اور بات تھی سارا گھر بھرا تھا۔ تم اکیلی نہ تھیں۔ اب اس لق و دق گھر میں اکیلی ہو۔ کیسے گذر کرتی ہو گی۔
بہو۔ کیوں گذر کرنے کو کیا چاہیے۔ جو ہمیشہ اکیلی ہی رہتی ہیں اونکی گذر کیسے ہوتی ہے۔
اختر میں تمہیں تنہا دیکھ کے گھبراتی ہوں۔ تمہارے سر کی قسم یہی جی چاہتا ہے۔ اسیوقت تمہیں بہلا کے لیجاؤں۔
بہو۔ تمہیں نہ یہیں کچھ دن رہو۔
اختر۔ ہاں کچھ دن تو ضرور رہوں گی۔ مگر ہمیشہ کیسے رہ سکتی ہوں۔ میرے رہنے سے تم کو تکلیف ہو گی۔
بہو۔ کیا۔
اختر۔ (دبی زبان سے) میرے ساتھ اتنے آدمی ہیں۔ اکیلی ہوتی تو۔
بہو۔ آدمی ہیں تو کیا۔
اختر۔ ان سب کا خرچ تمہارے ہی ذمہ ہو گا۔ تمہاری آمدنی ایسی کیا ہے۔

نجانے خود کیسے گزر رہی ہو......

بہو۔ خدا کا شکر ہے وہ ننگا بھوکا نہیں رکھتا تم یہاں رہو گی تو تمہیں ہی تکلیف ہوگی۔

اختر۔ مجھے کیا تکلیف ہوگی اور تمہارے ساتھ تکلیف سے بسر ہو تو بھی میں خوش ہوں۔ مگر۔

بہو۔ مگر کیا۔ یہی تو تکلیف ہے مجھے وہاں لئے جاتی ہو خود یہاں رہنا گوارا نہیں۔

اختر۔ بھابی جان میں اکیلی ہوتی تو کیا تھا یہیں پڑی رہتی۔ مصیبت تو یہ ہے میرے دم کے ساتھ دنیا کے ہزاروں بکھیڑے ہیں۔ تم ماں بیٹی دو ہی آدمی ہو جہاں بیٹھ گئیں وہیں سہی۔ میں نے اب تک تمہیں دیکھا بھی نہ تھا۔ بھائی جان کی اس بیاہ میں بھی نہیں آئی تھی۔ آتی کیسے تمہارے نندوئی ان دنوں اب تب ہو رہی تھی۔ پورے سال بھر بیمار رہے۔

بہو۔ اور پہلی شادی میں۔

اختر۔ وہ میرے سامنے ہی ہوئی تھی۔ دو برس سے پہلے میں یہیں تھی۔ جعفری کے ابا جان بھی تھے۔ سب کو بھائی جان نے بہت پہلے سے بلایا تھا۔

بہو۔ اتنے دن پہلے سے۔

اختر۔ نہیں دو مہینہ پہلے سے بلایا تھا۔ ہم یہاں پہنچ گئے تو نئے سرے پہ ایک آفت آ پڑی اس سے شادی ٹل گئی۔ دو برس کے بعد ٹھہری۔ بھائی جان نے ہم سب کو پھر جانے نہ دیا۔

بہو۔ جب دو برس رہی تھیں اب دو دن رہنے میں کیا آفت ہے۔

اختر۔ نہیں مجھے دس برس رہنے میں بھی عذر نہیں مگر اب رہ کیسے سکتی ہوں۔ اس وقت سارا سسرال زندہ تھا۔ میں خود اکیلی تھی۔ لڑکیاں بیاہی نہیں تھیں۔

بہو۔ غرض تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔

اختر۔ اور تم بھی۔

بہو۔ وہ۔ میں کہاں جاؤں گی۔

اختر۔ جاؤ گی کیسے نہیں۔ میں تمہیں ضرور لیجاؤں گی۔ آخر یہاں تنہا رہ کے کیا کرو گی۔ بھابی جان تمہارا جی نہیں گھبراتا۔ مجھے بھی حیرت ہے۔

بہو۔ عادت ہو گئی ہے۔

اختر۔ ایسی بھی عادت کس کام کی۔

بہو۔ جو کچھ ہو۔

اختر۔ زیادہ نہیں۔ دو تین برس وہاں رہنا ہو۔

بہو۔ (ہنستے ہوئے) واہ ہے۔

اختر۔ ہاں یہ میں بھول ہی گئی۔ اب گذر کیسے ہوتی ہے مجھے میرے دیور نے لکھا تھا تمہارے بھائی جان کچھ بھی چھوڑ نہیں گئے۔

بہو۔ خدا دیتا ہے۔ وہ بہت کچھ چھوڑ گئے تھے۔ مگر۔۔۔

اختر۔ خدا چھپر پھاڑ کے دیتا ہے۔

بہو۔ نہیں۔ خدا اس راج کو قائم رکھے پہلے سرکار سے سو روپیہ مہینہ ملتا تھا اب پچاس ہو گئے تھے ہمارے ایک دور کے حکیم صاحب ہیں انہوں نے خود سرکار میں عرضی دی نہ جانے کیا کہا ۵۰ کے ۶۰ ہو گئے یہی ملتے ہیں۔

اختر۔ ہے ہے سو میں کیا گذر ہوتی ہوگی۔ جو ساٹھ رہ گئے۔

بہو۔ اچھی طرح بسر ہوتی ہے۔ کھاتے ہیں چین کرتے ہیں خدا کا شکر کرتے ہیں دینے والے کی جان مال کو دعا دیتے ہیں۔ جو ہمیں اپنا قدیم نمک خوار سمجھکر دیتا ہے یہ بھی نہ دیں تو ہم کیا کریں۔

اختر۔ ابھی بڑے بھلے گذر ہو جاتی ہوگی لڑکی سیانی ہوگی۔ اسکی منگنی بیاہ سیکڑوں خرچ ہیں۔ کہاں سے آئیگا۔ کیسے کروگی۔ یہ ہو نہیں سکتا اسکا کوئی کام نہ کرو۔ خدا اسے زندہ رکھے یہ سبھی کچھ لیگی۔ اپنے وقت کو دیکھ کے کرنا ہی نہیں ہو سکتا

بہو۔ بیشک۔ وقت کو دیکھ کے کرونگی۔ نہیں پاؤں گی کہاں سے مجھے جھوٹے نام کی جھوٹی شرم سے بہت نفرت ہے۔ جب ہمارے پاس ہے ہی نہیں

تو کوئی کہیگا کیا اور کیوں اور کہے تو اندھا ہے۔ پاگل ہے۔
اختر۔ سبھی کہتے ہیں
بہو۔ کیا کریں۔ ہم ایسی سنتے ہی نہیں۔
اختر۔ یہ دوسری بات ہے۔ اور ٹھے ہوئی تو کیا کریگا کوئی۔ نہیں تو دنیا میں رہکر سبھی طرح کا خیال کرنا پڑتا ہی ہے۔ تمہارے گھرانے میں کیسی کیسی شادیاں ہوئی ہیں۔ ایک شادیوں پر کیا ہے ہر ایک کام ایسا ہی ہوا۔ اوسی کے مطابق تم کو بھی کرنا پڑے گا۔ نہ کرو گی تو وہی لوگ جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے کیا کچھ نہ کہیں گے۔ یہ کوئی نہ سنے گا یاس نہتا۔ سارے جہان میں تو یہ مشہور ہے۔ کئی پشت کی کمائی گھر میں لاکھوں کی دولت بھری ہے۔
بہو۔ کیا کریں۔ ایسوں کے طعنوں کا بُرا ماتنا ہی کیا۔
اختر۔ واہ یہ بات کبھی نہیں سنی۔ اہا۔ ایک بات یاد آئی رنبو کو پیار کر کے یہ ہے بڑی خوش قسمت ہماری خلیا ساس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ سیکڑوں منتوں مرادوں میں ایک لڑکی ہوئی اوسکا بیاہ بڑے اونچے گھر میں ہوا...... تم سنو۔ تو کہوں رنبو کے بازو کا تعویذ ٹٹولکر، اتنا بڑا تعویذ اسکے بازو پر کیوں باندھا ہے۔
بہو۔ اور کیسے سنوں۔ یہ تعویذ شاہ صاحب کا دیا ہوا ہے۔ انہوں نے مرتے مرتے تک یہ تاکید کی یہ تعویذ بازو سے الگ نہو۔ نہیں اسپر بڑی مصیبت آئیگی۔
اختر۔ ہاں کان لگا کے سنو اور میری بات مانو۔
بہو۔ دل کے کانوں سے سنوں گی اور ماننے کے لائق ہوگی تو میں ضرور مانوں گی۔
بہو۔ ایسی ہی ہے۔ مجھسے یہ بات چھپی نہیں ہے ہمیں سسرال یا میکے میں کسی کا بھی سہارا نہیں۔
اختر۔ بیشک میکے میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک بڑی بوڑھی نانی ہیں وہ بیچاری خود اس آخری وقت میں اپنے بڑے داماد ہمارے خالو کے ٹکڑوں پر پڑی ہیں۔ وہ بھی بُری طرح سے میں نے کئی بار انکے سامنے ہی بلایا اب بھی کئی خط بھیجے گئے ہیں

آتیں بیٹی اور داماد نہیں چھوٹتے جو بھیک کے ٹکڑوں سے بھی زیادہ ذلت اور خواری سے انہیں روٹی دیتی ہیں اور مجھے ان کی مصیبت سنکر زندگی اپنی دوبھر ہوگئی ہے۔ سسرال والے سب ایسے نالائق ہیں کہ ہمارے سمدھنے اور خود انہوں نے کبھی بھی انکی طرف رخ بھی نہیں کیا۔

اختر۔ اسی سے تو کہتی ہوں۔ اپنے اوپر رحم نہیں آتا۔ تو اس (نبو کو پیار کرکے) بھولی نادان پر رحم کرو۔ وہ تدبیر کرو جس سے تمہاری باقی عمر اچھی طرح بسر ہوجائے اور یہ عیش کرے تم نے جو کچھ سوچا ہے یہ ہٹنا نہیں ہے۔ میں تم سے اسیوقت پہلے پہل ملی ہوں۔ اور ایسی باتیں کرتی ہوں۔ تم اپنے دل میں ضرور کہتی ہوگی۔ انہیں آج ہی ایسا حق ملگیا ہے کہ مجھے بڑی بوڑھوں کی طرح سمجھا رہی ہیں۔ میں تم سے چھوٹی ضرور ہوں۔ مگر تمہارے لئے نئی ملنے والی نہیں ہوں۔ مجھے تم نے ابتک نہیں دیکھا تھا۔ یہ دوسری بات ہے۔ مگر بھائی جان کی شفقتوں پر خیال کرو تو میں ویسی ہی ہوں جیسے ان کی ماں جائی بہن تمہاری سگی نند ہوتی۔ چاہے تمہاری آنکھوں کے سامنے رہوں یا تم سے جُدا۔ مجھے یہ حق ضرور ہے کہ میں تمہاری بھلائی کی تم سے کہوں سُننے نہ سننے کا تمہیں اختیار ہے۔

بھو بیگم۔ ضرور ہے۔ مگر کہو بھی کچھ۔

اختر۔ ہاں ہماری خلیا ساس کی لڑکی بڑے اونچے گھر بیاہی گئی مگر۔۔۔۔ (دفعتاً دمبھر کے لئے چپ ہوگئی)

بھو۔ (بے سبب خاموشی سے گھبراکر) مگر کیا۔ کہتے کہتے چپ کیوں ہوگئیں

اختر۔ کچھ نہیں ایک اور بات یاد آئی۔ پھر کسی وقت کہونگی۔

بھو۔ ہاں پہلے اسے ختم کرلو۔

اختر۔ بیاہ کے دو تین مہینہ کے بعد اوسپر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

بھو۔ (گھبراکر رنج ظاہر کرنے والے لہجہ سے) ہے کیا غضب ہوگیا۔ ہو سکتا۔۔۔۔

اختر۔ ہاں بیچاری بیوہ ہوگئی اتنا ٹھیک ہی بیٹھی ہے اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ ہے جو مال و دولت جاگیر کیا نہیں ہے۔ ایک اولاد نہیں ہے۔ بھو۔ میاں کے خاندان میں کوئی لڑکا نہیں ہے

اختر- کوئی نہیں۔ اسکا دولہا خود اپنے کنبہ کے کئی آدمیوں کا وارث ہوا تھا۔ اُنکی سب دولت بھی اوسی کو ملی

بہو- ان لوگوں کو بھی اولاد ہوگی۔

اختر- ملکہ اُسکے سوا کوئی وارث تھا ہی نہیں جبھی اون کی جائداد اوسے ملی۔ اسے اسکے بعد اسکا کوئی وارث نہیں۔

بہو- یہ بھی عجیب بات ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

اختر- اسکی قدرت۔

بہو- بیشک۔ ہاں تم اپنی کہو

اختر- وہ چاہتی ہیں۔

بہو- کسیکو گود لیں۔

اختر- (لہجہ امید پاکر خوشی ظاہر کرنے والے لہجے سے) ہاں۔

بہو- اپنے کنبہ سے کوئی لڑکا لے لیں۔

اختر- (جلدی سے) نہیں۔ وہ کہتی ہیں میں لڑکی لونگی اور وہ بھی چھوٹی سی عمر کی بہت خوبصورت۔

بہو- کیوں۔

اختر- معلوم نہیں۔

بہو- لڑکی کی شادی کریں گی تو وہ اُنسے جدا ہوجائیگی۔ اور لڑکا تو دولہن بیاہ کر لائیگا اونکا گھر آباد ہوگا۔

اختر- نہیں وہ کہتی ہیں میں لڑکی کا بیاہ ایسی جگہ ایسے لڑکے سے کروں گی جو میرے یہاں رہے۔ بیٹی داماد دونوں ہی رہینگے اونکے اولاد ہوگی میرا گھر بھر جائیگا اور اونکا یہہ کہنا ٹھیک بھی ہے۔ اونکے گھر کیا کمی ہے جو لڑکی کو سسرال بھیجنا منظور کریں اوسکی دولت بہت رہے ایسے لڑکے بہت ملجائینگے۔

بہو- ضرور۔ مگر.....

اختر- مگر کیا۔

بہو- تم اپنی بات ختم کرو تو میں یہہ بھی بتا دوں گی۔

اختر۔ (بنو کو پیار کرکے) انہیں ایسی اچھی لڑکی کہاں ملے گی۔ اور تم کو اس سے اچھا موقع نہ ملیگا۔ میری صلاح یہ ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ وہیں رہو۔ میں اونکیں اپنی لڑکی کو دکھاؤں گی وہ ضرور پسند کر لیں گی۔ اور تم سے لاکھوں منت آرزو سے مانگینگی اُس وقت میں اسنے یہ قبول کراؤں گی۔ بھابی جان کی اور کوئی اولاد نہیں ہے اکیلی بیٹی ہے۔ وہ بھی اسکے ساتھ رہینگے

بہو بیگم۔ وہ کیسے منظور کر لینگی۔

اختر۔ کیوں نہیں۔ اور اسنے بس منظور کریں گی۔ لڑکی بغیر تمہارے رہیگی نہیں جو تم کہو گی منظور کرنا ہی پڑے گا۔

بہو۔ یہ کیسے یقین کر لیا کہ وہ اسے پسند کر ہی لینگے۔

اختر۔ ہاں مجھے خوب یقین ہے۔

بہو۔ اونکی عمر کیا ہے۔

اختر۔ مجھسے دو گنی ہوگی۔ ہماری خلیا ساس کی پہلی سوت کی بیٹی ہے اُنکی ماں پہلی بیوی مر گئیں تب ہماری خلیا ساس سے اونکا بیاہ ہوا۔

بہو۔ پھر اتنی چھوٹی سی لڑکی چاہتی ہیں جب تک وہ سیانی ہوگی وہ گور کا کونا آباد کریں گی۔

اختر۔ اور کیا۔ مگر اُسے یہ آرزو ہے ننھے سے عمر کی ہوگی تو میں اُس کے بچپن کی بہار دیکھوں گی۔ ذرا سیانی ہوگی اسکا بیاہ کر دوں گی کوئی دسویں ہی برس ننھی سی دولہن کی بہار دیکھونگی۔ میرے سامنے جوان ہوگی۔ اوسکی اولاد ہوئی تو نواسی نواسہ کو کھلاؤں گی۔ مگر یہ سب حسرتیں گور میں لیجائینگی۔ اور کیا! اتنی عمر اور روز کی بیماری بس اُنکے بعد تمہی تم ہو۔

بہو۔ عجیب تماشا ہے۔

اختر۔ یہ بھی کہتی ہے۔ لڑکا ایسا تلاش کروں گی جو لڑکی سے کم سے کم چار پانچ برس بڑا ہو۔

بہو۔ یہ کیوں۔

اختر۔ جلدی سے اولاد ہو۔

بہو۔ تو وہ اس لڑکی کی شادی اپنی خوشی کے لئے کریگی۔

اختر۔ ہاں۔

بہو۔ چاہے لڑکی تمام عمر عذاب میں رہے۔

اختر۔ وہ عذاب میں کیسے رہیگی۔ خود اُنکے یہاں کیا کمی ہے۔

بہو۔ کیا بیوی کی خوشی صرف میاں کی دولت ہی پر موقوف ہے۔

اختر۔ پھر اُسے کیا تکلیف ہوگی۔

بہو۔ ایسا لڑکا تلاش کریں گی تو صورت ہی صورت ہوگی سیرت کا خدا مالک ہے۔ نیک چلن۔ ہنرمند۔ شعور دار۔ بھلا مانس تو اس گوں کا ملنا مشکل ہے۔ غرض جیسا ہوگا جو ہوگا۔ انکے مطلب کا ہوگا تو اس سے شادی کردیں گی پھر یہ تو بنی بنائی بات ہے بیوی شعور دار ہے تو ایسا شوہر اسکے لئے عذاب ہوگا۔ یہ تو زمانے کی بات تھی۔ اب میں اپنی کہتی ہوں۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں۔ بنو کے نسبت دل ہی دل میں کچھ ہو ہی گئی ہے۔ جب تک سیانی نہ ہوجائے اور اوسکی چلن نہ دیکھی جائیں۔ یہ کہیں اور ہو سکتی ہے نہ وہ۔ یہاں سے جانے کی کہو۔ تو میں اس میں بھی مجبور ہوں۔ اسکے باپ کی وصیت ہے کہ میں گھر سے باہر قدم نہ نکالوں چاہے کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے۔ پھر تمہی بتاؤ میں کیسے جاسکتی ہوں۔ تمہارا جی میرے ساتھ رہنے کو چاہتا ہے تم یہیں رہو۔ جبتک رہ سکو۔

اختر۔ (بہت اداس ہوکر) خیر۔ مگر ابھی سے کہے دیتی ہوں زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ رہ سکتی ہوں لیکن ایک شرط سے۔

بہو۔ شرط کچھ نہیں۔ اب ہم ایسے بھی گئے گذرے نہیں ہیں۔ کہ تمہارا اتنے دن رہنا دوبھر ہوجائے۔ میں تکلف سے نہیں کہتی بنو کی قسم تم سال بھر بھی رہو تو مجھے کچھ تکلیف نہ ہو۔

اختر۔ خیر یونہی سہی۔

بہو۔ زمانا کو آواز دیتی ہے مغلانی اے عظمت۔

عظمت۔ (سامنے آکر) حضور۔

بہو۔ یہ وقت آیا۔ اور تم نے ان لڑکیوں کے ناشتہ کی کچھ فکر نہ کی۔

عظمت۔ کیوں نہیں کی۔
بہو۔ کیا فکر کی ہے میں بھی سنوں۔
عظمت۔ رات کا سالن رکھا ہے اسوقت خاگینہ بنا لیا ہے پراٹھے تل رہی تھی۔
بہو۔ اور کچھ مٹھائی نہیں
عظمت۔ کیوں نہیں بازار سے لے آؤں گی۔
بہو۔ لے کب آؤ گی۔ یہی وقت ناشتہ کا ہے کیا کھانے کے وقت دوگی۔ پھر کھانا کب کھائیں گے۔
اختر۔ نہیں ناشتہ کی انہیں عادت نہیں ہے۔
بہو۔ واہ پھر وہی تکلف (عظمت سے) جلدی سے لے آؤ۔ پراٹھے نصیبن کو دیدو وہ۔۔۔
عظمت۔ بہت اچھا۔
عظمت جلدی سے بازار سے مٹھائی لائی جب تک نصیبن نے پراٹھے تیار کرلئے ناشتہ سب نے کھا لیا۔ دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع ہوگئیں۔ کھانے کے بعد نند بھاوج میں پھر وہی باتیں چھڑ گئیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ اختر کو یہاں پورا ایک ہفتہ ہوگیا۔ اور روز ہر وقت ویسی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ اختر نے اپنی بھاوج کو بہت سمجھایا لالچ بھی دیا کہ کسی طرح وہ اوسکے ساتھ چلنے پر راضی ہوجائے یا نجو کو ساتھ کردے مگر اوسکی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اسکا اُسے بہت رنج ہوا تاہم وہ ابھی یہاں کچھ دن اور رہتی لیکن آٹھویں دن آگرہ سے خط آگیا اس میں لکھا تھا تم خط دیکھتے ہی چلی آؤ۔ اوس نے اوسی دن ارادہ کیا مگر بہو بیگم نے نجانے دیا دوسرے دن ڈاک گاڑی میں جانے کی ٹھہری۔
مگر دوسرے دن بھی جانا تھوا جسدن خط آیا تھا اوسیدن رات کو بارہ بجے تک نند بھاوج باتیں کرتی رہیں سوتے وقت بھاوج نے نند سے گوری بھانگی بنانے بنا کے دی۔ اور دونوں سورہیں دو بھی نہ بجنے پائے تھے کہ کسی نے زور زور سے ابکائیاں لینا شروع کیں۔ اختر ان کی آواز سے جاگ اوٹھی گھبراکر اٹھ بیٹھی۔

جلدی سے پوچھا کون ہے یہ کون ابکائیاں لیتا ہے - بھابھی جان تم ہو کیوں یہ کیا ہوا ابھی تو تم سوئی نہیں۔

بھو۔ یکایک آنکھ کھل گئی۔ اور جی متلانے لگا۔

اختر۔ (گھبراہٹ ظاہر کرنے والے لہجہ سے) کوئی سبب۔ ایسی کوئی چیز بھی تو نہیں کھائی۔

بھو۔ کوئی نہیں۔

اختر۔ شاید باتوں ہی باتوں میں وہ ایک نوالہ زیادہ کھا لیا ہو۔ خیر۔ میرے پاس سلیمانی نمک ڈاکٹر لکشمی پرشاد بہادر کا بنایا ہوا ہے جسکی ساری زمانے میں دھوم ہے اور جسکا بہت بڑا کارخانہ محلہ تگارے گھاٹ بنارس میں ہے وہ ایسی شکایتوں کے لئے اکسیر ہے۔ مجھے دو تین برس سے اکثر بدہضمی ہوتی تھی جب سے میں یہ نمک کھاتی ہوں اچھی تندرست ہوں۔

بھو۔ ناں کچھ ایسا ہی ہوا۔ میں سلیمانی نمک نہ کھاؤں گی مجھے کچھ آثار زہر کے سے معلوم ہوتے ہیں۔

اختر۔ قے تو نہیں ہوئی۔

بھو۔ نہیں۔ ہو جاتی تو جی ہلکا ہو جاتا۔

اختر۔ اے ہے خدا نہ کرے۔ دشمنوں کو۔

بھو۔ متلی بہت ہوتی ہے۔ اور پیٹ میں مروڑ بہت ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کوئی آنتیں کاٹے ڈالتا ہے۔

پھر ابکائیاں لینے لگی۔

اختر۔ (بٹوے سے الائچی نکالکر دیتے ہوئے) یہ لو الائچی کھا لو ذرا جی بہلاؤ متلی کا دھیان چھوڑ دو۔

بھو۔ (الائچی لیکر) جی بہلانے سے کیا ہوگا کہیں متلی یوں رکتی ہے۔

اور وہ درد کی شدت سے زور زور سے کراہتی اور لوٹتی ہے۔

اختر۔ یا اللہ یہ کیا ہوا۔ بڑا غضب تو یہ ہے۔ اس وقت کوئی دوا مل نہیں سکتی نہ کوئی حکیم آسکتا ہے۔

بھوبیگم۔ ہائے اللہ۔ اختر بیگم۔ ہائے میں چلی۔ یا اللہ تو یہ۔ ہائے ہائے اُف اُف۔ آہ آہ۔

اختر۔ (دروازے سے) بھابی جان گھبراؤ نہیں۔ دلکو مضبوط رکھو۔ خدا فضل کرے گا۔ خدا نہ کرے کوئی اور بات نہیں معمولی بدہضمی ہے۔۔

بھوبیگم۔ مگر میں مری جاتی ہوں۔ اُف۔ ہائے اللہ۔ پیٹ پکڑ کر بیچ جانو اکی درد پہر ہوا اور کام تمام ہے۔ ارے کسی حکیم کو بلاؤ۔ ہائے میری بچی میں تجھے چھوڑ چلی ہائے تیرا کوئی نہیں ہے آہ۔ آہ۔ لو پہر۔۔۔۔

اور پہر وہ تڑپنے لگی۔ اسکے کراہنے تڑپنے چلانے سے گھر کی سب عورتیں جاگ اوٹھیں۔ نبو اکیلی سوتی رہی جعفری اور محمدی نے اپنی ماں کی تجویز سے مانی کے دونوں بازو کسکر باندہ دئے

اختر۔ بلانے سے کوئی دست ہی آجائے۔ یہ درد تو کم ہو۔ بھابی جان چلاؤ نہیں نبو بھی جاگ اوٹھیگی تو۔۔۔۔

بھو۔ جاگ گیا اوٹھینگی اسے جگادد۔ میں چلتے چلاتے اوسے پیار تو کرلوں ہائے میری بچی۔۔۔ تو اکیلی رہ گئی ہائے تیرا کوئی والی وارث نہ رہا۔

اختر۔ خدا نہ کرے۔ بھابی جان دلکو ذرا مضبوط کرو۔

اُسی وقت دروازہ کی زنجیر کسی نے بجائی۔ ماعظمت نے جھلکے کہا "ہے ہے اسوقت کون زنجیر بجانے آگیا"

باہر سے ایک آواز۔ ہم ہیں عظمت یہ کیا ہے کون بیمار ہو گیا ہے کیسکو قے ہو رہی ہے آواز تو بھابی جان کیسی تھی۔

بھو۔ (جلدی سے) ہائے ہائے۔ عظمت نے جلدی سے دروازہ کہولدے۔ نہیں میاں ہیں (آواز کو اچھی طرح سنکر) ہاں۔ وہی ہیں۔ جلدی کہولدو

اختر۔ یہ کون ہیں۔

بھو۔ پڑوسی ہیں۔ ارے رے رے۔ ہائے اللہ۔ ہائے ہائے اُف اُف۔ یہ انکے بڑے دوست ہیں۔ میں انکے سامنے ہوتی ہوں مجھے بھابی کہتے ہیں حکیم ہیں۔ عظمت جلدی سے دروازہ کہولدے۔

اختر۔ میں ہٹ جاؤں تمہاری تو دیدے دلیر ہیں میں کیوں سامنے آؤں لڑکیوں سے
تم بھی چلو دالان میں بیٹھینگے۔
عظمت بڑبڑاتی گئی دروازہ کھولا۔ حکیم نبن میاں۔ اپنے بھابی کے پاس پہونچ گئے
نبض دیکھی۔ سب حال سنا۔
نبن میاں۔ گھبراؤ نہیں۔ میں مرض کو سمجھ گیا۔ ابھی آرام ہو جائیگا۔ ٹھیرو میں ابھی
دوا گھر سے لاتا ہوں۔
بچاری پھر دوڑی گئی۔ دوا اور مٹھا لے آئی۔
حکیم صاحب۔ لو یہ دوا مٹھے میں ڈالکر پی لو۔ ابھی قے ہو جائے گی۔ قے ہوئی اور
درد اندارد۔ مٹھا بھی اس وقت گھر ہی میں مل گیا نہیں بہت مشکل ہوتی۔ میں
بے خبر سو رہا تھا یکایک تمہاری ابکائیوں کی آواز سے چونک پڑا۔ مگر یہ سمجھ میں نہ
آیا کدھر سے آواز آتی ہے تم زور سے چلائیں تب میں نے تمہاری آواز پہچانی
بڑی خیریت گزری ہے مجھے خبر ہو گئی نہیں تھوڑی دیر میں۔۔۔۔۔ اف بہت سخت وقت
تھا۔۔۔۔۔ مٹھا جلدی سے پی جاؤ۔
بہو۔ سب اتنا تو پیا نجائے گا۔ بھری مٹکی ہے۔
حکیم صاحب۔ جتنا پیا جائے۔ قے ہو جائے تو پھر پینا۔ صبح تک یوں ہی قے کرو۔ اسٹو
میں پڑیا کی دوا گھولکر لو جلدی سے پیجاؤ۔
بہو بیگم نے مٹھا پیا۔ پیتے ہی خوب کھل کے قے ہوئی۔ حکیم صاحب نے چراغ کی روشنی
میں قے کو خوب غور سے دیکھکر کہا "ہاں وہی ہے۔ مگر اب کچھ اندیشہ نہیں۔ بھابی
جان دو تین بار قے اور کر ڈالو تو سب مادہ نکل جائے گا۔ اچھی ہو جاؤ گی۔
بہو بیگم نے اونکی ہدایت کے موافق صبح تک چار بار اوسی طرح قے کی۔ حکیم صاحب
بیٹھے رہے۔ آخیر قے کو پھر اونھوں نے خوب غور سے دیکھکر کہا بس اب قے نہ کرو۔
اب دوسری دوا دوں گا۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ وہ دوا بھی پلائی گئی۔ پیتے ہی نیند
آگئی۔ حکیم صاحب یہ کہکر رخصت ہو گئے۔ انہیں سونے دو کوئی جگائے نہیں۔ مگر دروازہ
تک جاکر پھر لوٹ آئے۔ مہمان عورتیں پھر دالان میں چلی گئیں۔ حکیم صاحب نو کے
۹ بجے تک نہیں بیٹھے رہے۔ اس عرصہ میں نیند ٹوٹی۔ حکیم صاحب نے اوٹھنے نہ دیا

پھسلا کے پھر سلا دیا ٹھیک ۹ بجے ہو بیگم سو اٹھیں۔
حکیم صاحب۔ بھابی جان! اب میں جاتا ہوں دوسری دوا تمہارے لئے لے آؤں اسے شام تک آدہ آدہ گھنٹہ کے بعد پینا ہیں۔
وہ دوا لیکے آئے تو پھر انھوں نے تاکید سے کہا آدہ آدہ گھنٹہ بعد اس کو پینا یہ نشان بنا دئے ہیں ایک مقدار سے زیادہ نہ پینا۔ اور کچھ کھانا پینا نہیں وہ یہ کہکے چلے گئے اختر۔ اور دونوں لڑکیاں خدا کا شکر کرتی ہو کے پاس آگئیں۔ شام تک ہو بیگم کی طبیعت بالکل چاق ہو گئی۔ تو اختر نے بہت اصرار سے اپنے جانے کے لئے کئی بار پوچھا آخر بیگم نے اجازت دیدی اور ٹھیک ۱۲ بجے وہ جلدیں گاڑی شاید ایک بجنے کے بعد آتی ہے مل جائیگی اور وہ روانہ ہو جائیں گی۔

چوتھا باب

خون ناحق ہوں دو کس طرح سے کیونکر مجھکو
رہوں گردن پہ جو دامن سے وہ دہوئے مجھکو

مقابلہ

دور سے چیخ مار کر پکارے۔ ای! ای! مجھ مجھ بُد! ای آؤں ای دگ گئی مینہ برسنے کے سبب رط پڑ گئی دبار رستہ ہم بتائی کون۔۔۔۔۔۔
بوڑھے ڈیوڑھی سپاہی نے اپنے ساتھی جوان سے اس طرح کہا اور پھر اُس سے جھپٹ گیا۔
جوان: کہاں۔
بوڑھا سپاہی۔ یہ اسی درخت کے نیچے دبکے سے کوئی چھپا ہے ادہر بچاؤ، چلو اس کو پکڑ نڈی پر چلیں۔
ہمارے فسانہ کو دوسری یا تیسری تاریخ ہے رات کے آٹھ بج گئے ہونگے چاندنی جب نکلیگی جو کچھ ہوا ابھی تو اندھیاری ہے۔ مگر نہ ایسی کہ کچھ نظر آئے چاند کے سوا اور بعض بڑے

بڑے ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی نے ۔ اُن کی جبین کے منہ پہ کچھ غازہ سا لگا اُسے سانولا بنانے کے لئے کوشش کی ہے یا آسمان کو اس وقت اِن سنسان جنگل اور وحشت ناک دامن کوہ سے ان دونو گذرنے والوں پر رحم آگیا ہے ۔ مفلسوں کے چراغ جن میں تیل واجبی ہی واجبی ہوتا ہے مانگ کر دکھا رہا ہے ۔ دونو سپاہی خلجی باتیں ابھی آپنے سیس کر کے تلوار ڈاب میں لگائی ۔ پیٹھ پر بقچہ باندھے جا رہے ہیں یہ انکی پشت گوالیار کی طرف ہے منہ جس طرف جا رہے ہوں ۔ انکے جلدی جلدی اٹھنے والے قدم صاف کہہ رہے ہیں جس کام نے انہیں اس وقت چلنے پر مجبور کیا ہے وہ بہت ہی ضروری اور جلدی کا ہے ۔

دونو چلتے چلتے پہاڑی کے دامن میں ایک چھتنارے درخت کے پاس پہونچتے ہیں یکایک ایک ... ان کو ہم ضرور بوڑھا سپاہی کہیں گے ابھی درخت کے نیچے سے آواز آتی ہے "اے میاں سپاہی کچھ اللہ کے نام" یہ الفاظ ضعف سے بیٹھی ہوئی آواز اور لڑکھڑاتی زبان سے ادا ہوتے ہیں بوڑھے سپاہی کا خوف سے ... بڑھ جاتا ہے وہ پھر زور سے چیخ مارتا ہے اور "ہے ہے!! چڑیل چمکی" اپنے ساتھی جوان سے چمٹ جاتا ہے ۔

سپاہی ۔ یا اسد شیر کہاں چڑیل ہے تم بڑے بودے ہو ۔ توبہ ۔ سپاہی ہو کر یہ ڈر میاں وہ تو کوئی عورت ہے ۔

بوڑھا سپاہی ۔ (اسی طرح جوان سے لپٹے ہوئے) نہیں وہ دیکھو اسکے پاؤں پھرے ہوئے ہیں آواز نہیں سنتے ناک میں بولتی ہے ۔ ابھی اس نے صاف صاف یہ تو کہا تھا "کہاں جاؤ گے" ۔

چھیلا سپاہی ۔ (ہنستے ہوئے) کہا تو یہی تھا ۔ اور اب منہ پھیلائے ادھر ہی چلی آتی ہے ۔ بھاگو ۔ وہ چڑیل تو کہا نگلیں میں تو اس سے ڈرتا نہیں ۔ دیکھو کسی چوہے کی بل ڈھونڈ ہو ۔ مل جائے تو واہ واہ ۔ تمہاری جان بچ جائے ۔ میاں جان ہے تو جہان ہے ۔ جان بچے تو نوکری سیکڑوں اور نخلی تو بھیک کہیں گئی نہیں ۔ ان بے ایمانوں کو سوجھی جنہوں نے اس وقت تمہیں بھیجا ۔ مگر انکا کیا قصور ہے یہ راستہ تو خود ہی آئے تھے ۔ بھلے آدمی ۔ اس سے تو تم عورت ہی ہوتے ۔ چوڑی نتھ

پہنگر گھرمیں بیٹھتے۔ کسی کا گھر بستا۔ اتبک دو چار لڑکوں کی ماں ہو جاتی ۔ لاحول ولا قوۃ
بڑے بجتے ہو۔
درخت کے نیچے سے وہی آواز اداسی لہجہ سے ہے۔ یہاں چڑیل نہیں ہوں۔ ڈرو نہیں۔
آفت کی ماری۔ قسمت کی ستائی ہوں۔

جیالا سپاہی نیک بخت تو کون ہے۔ یہاں کیوں بیٹھی ہے۔

دہی عورت۔ کیا بتاؤں مصیبت کی ماری ہوں۔ قسمت یہاں لے آئی ہے۔

جیالا سپاہی۔ فقیرن ہے۔

عورت۔ نہیں میاں میری سات پشت میں بھی کسی نے بھیک نہیں مانگی
خدا کا شکر ہے جبتک ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی ہے۔ اتبک محنت مزدوری کرکے
اپنا پیٹ پالتی رہی جب تک یہ چلتے رہینگے یوں ہی گذر کروں گی۔ خدا وہ دن
نہ دکھائے۔ اوس سے تو موت بہتر ہے۔

جیالا سپاہی۔ مگر تو نے ابھی کہا تھا۔

عورت۔ ہاں میاں۔ کیا کروں۔ ہائے مجبوری سب کچھ کراتی ہے۔ تین
دن سے یہاں پڑی ہوں۔ رزق کے نام سے ایک دانہ نہیں ملا ہے نہ ایک
بوند پانی نصیب ہوا ہے۔ ابھی اپنی گور سے نکل کے بیٹھی ہوں۔ بھوک بات
نہیں کرنے دیتی۔ پاؤں اٹھانا تو بہت مشکل ہے جنگل بیابھیانک ہے
اور جان بڑی پیاری۔ ڈر میرہ کہہ رہا ہے۔ یہاں پڑی رہی تو کوئی جانور کھا
جائیگا۔ کیا کروں نہ مرتے بنی ہے نہ جیتے۔ ہائے ہائے۔
اور وہ بہت دردناک لہجہ سے روتی ہے سپاہی کو اوسپر رحم آجاتا ہے۔

جیالا سپاہی۔ نیک بخت رو ؤ نہیں ہمارے کرنے کے قابل جو کام ہو بتاؤ۔ اور تو
ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ اپنے کھانے کی روکھی روٹیاں ہیں۔

عورت۔ خدا تمہارا بھلا کرے
جیالے سپاہی نے اوسکے پاس جاکر تین موٹی روٹیاں اوسے دیں اور وہ بودا
سپاہی خود بھی کھڑا رہا۔

عورت۔ اتنا کرم اور کرو میں انہیں کہاؤں تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

جیالا سپاہی۔ اچھا۔ مگر تم ہمارے ساتھ کہاں جاؤ گی۔

عورت۔ جہاں لے چلو۔ میں تمہاری لونڈی ہو کر رہوں گی تمہاری خدمت کروں گی روکھی سوکھی مل ہی جائیگی مجھے اور کیا چاہئے۔

جیالا سپاہی۔ نیک بخت ہم سپاہی ہیں۔ چار پانچ روپیہ کے نوکر۔ ہمیں اتنی گنجائش کہاں......

عورت۔ میرے لئے گنجائش کیا چاہئے۔

جیالا سپاہی۔ کیوں نہیں۔ ہماری اپنی ہی گذر مشکل سے ہوتی ہے ایک آدمی اور ہو جائیگا تو کیسے بسر ہوگی۔

عورت۔ تمہارے آگے سے آخر آدھی ٹکڑا بچ ہی رہتی ہوگی۔ میں اسی سے پل جاؤں گی۔

جیالا سپاہی۔ کبھی نہیں بھی بچتی۔

عورت۔ کبھی نہ بچی تو کیا۔ ایک وقت نہ سہی۔ بیٹا مجھے باقی دن گزارنے کے لئے اور کیا چاہئے۔ یہی روکھا سوکھا ٹکڑا سو وہ تم سے مل ہی جائیگا کسی وقت تم نہ دوگے اور کوئی دیدے گا۔ آخر وہاں اور لوگ بھی ہونگے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں اچھی کہتی ہے۔

عورت۔ پھر کیا ہے۔ میں اپنی گذر کے لائق وہاں سے پیدا کر ہی لونگی۔ تمہارے گھر بار کروں گی۔ میرے لئے یہی سہارا بہت ہے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ تمہاری گذر کے لائق تو ہمارے بیڑے ہی سے مل جائیگا۔ بہت سے سپاہی ہیں۔ اور سب کے بال بچے ساتھ ہی ہیں۔ ایک میں اکیلا ہوں۔

عورت۔ بیٹا تم اپنے ہی ہاتھ سے پکاتے ہو گے۔

جیالا سپاہی۔ ہاں اور کون پکاتے گا۔

عورت۔ میرے رہنے سے تمہیں یہ آرام ملیگا۔ دونوں وقت پکی پکائی ملیگی۔ گھر صاف ستھرا رہے گا۔

جیالا سپاہی۔ اور کہیں نوکری بھی مل جائے تو تم کر لینا۔

عورت۔ ضرور۔ اندھا کیا چاہے۔ دو نو آنکھیں۔
جیالا سپاہی۔ شاید صوبہ صاحب کے یہاں۔
عورت۔ نوکری کی کیا ہے۔ جہاں ملی۔ (روٹی ختم کرکے) بیٹا کہیں پانی بھی ملیگا۔
سپاہی۔ کیوں نہیں۔ لوٹا ڈور ہمارے پاس ہے۔ یہاں سے قریب ہی کنواں ہے۔
عورت۔ لوٹا ڈور دو۔ اور کنواں بتا دو میں بھر لاؤں۔
جیالا سپاہی۔ تم کیا لاؤگی میں لئے آتا ہوں۔
سپاہی پانی لایا عورت نے پیا اور سب ساتھ چلے۔ بودے سپاہی کو اب بھی اطمینان نہیں ہوا وہ اوسی طرح ڈر رہا ہے۔ خوف سے اپنے ساتھیوں کے سایہ سے بھی دور ہے۔
جیالا سپاہی۔ (عورت سے) تم اس جنگل میں کیسے آئیں۔ اور کیسے یہاں تھیں۔
عورت۔ تین دن سے یہیں پڑی تھی۔
جیالا سپاہی۔ کہاں۔
عورت۔ اس درخت کے نیچے ایک گڑھا ہے۔
جیالا سپاہی۔ کیوں۔
عورت۔ جنگلی جانوروں کے خوف سے۔
جیالا سپاہی۔ کتنا گہرا گڑھا ہے۔
عورت۔ کبھی کنواں ہوگا۔ اب تو آدھا پٹ گیا ہے۔
جیالا سپاہی تم اوس میں کیسے گئیں اور نکلیں کیونکر
عورت۔ رات ہو گئی ہیں سے خوف کے مارے اس درخت پر چڑھنا چاہا مگر چڑھ نہ سکے۔ وہ گڑھا دکھائی دیا تو کود پڑی۔ خدا کی کری۔ چوٹ تو بہت لگی مگر جان بچ گئی۔
جیالا سپاہی۔ یہی غنیمت سمجھو۔ اور چوٹ کہاں لگی۔
عورت۔ منہ کے بل گری سینہ میں بہت چوٹ لگی اور سر میں کل شام تک۔ اوس صدمہ سے بیہوش پڑی رہی۔

جیالا سپاہی۔ کوئی جانور نہیں وہاں دیکھ لیا تو کیا چھوڑ دیتا۔
عورت۔ دیکھتا کیسے۔
جیالا سپاہی۔ کیوں۔
عورت۔ اس میں ایک طرف ایک بڑا سا پتھر دیوار سے لگا کھڑا ہے۔ نہیں معلوم کس نے کیوں۔ اوسے وہاں کیسے رکھا ہے۔ وہاں پہونچتے ہی کھسک کر اوسکے نیچے لیٹ رہی۔ پھر مجھے خبر نہیں کیا ہوا۔ کل شام کو آنکھ کھلی تو درد کی تکلیف اور بھوک سے برا حال تھا۔ رات بھر چپکے پڑی رہی صبح سے اسوقت تک جب کسی آدمی کی آواز آئی طاقت بھر چلائی۔ اے میاں جانے والے اپنے ہاتھ پاؤں کا صدقہ اپنے بال بچوں کا صدقہ۔ للہ خدا کے واسطے مجھ کو اس کنوے سے کسی طرح نکال لو مگر کسی نے میری فریاد نہ سنی اس وقت دو تین چرواہے اپنی گائیں بھینسیں لئے کنوے کے پاس سے چلے۔ میں زور زور سے رونے لگی گنوار بڑے ڈھیٹ ہوتے ہیں میری آواز سنکر سب کنوے کے پاس ہی کھڑی ہو گئے آپس میں کچھ باتیں کیں اور ایک نے کنوئیں میں جھانکا۔ میں نے اسکے ہاتھ جوڑے منت خوشامد کی۔ اپنا سب حال کہا اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ سب نے مجھے نکال لیا۔
جیالا سپاہی۔ کیسے۔
عورت۔ اُنکے پاس رسی تھی۔
جیالا سپاہی۔ ہاں پانی بھرنے کی ڈور ہوگی۔
عورت۔ نہیں ابھی خاصی موٹی رسی تھی مگر پانی ہی بھرنیکی تھی۔
جیالا سپاہی۔ خیر۔
عورت۔ انہوں نے وہ رسی کنوئے میں ڈالی ایک سرا میں نے پکڑ لیا دوسرا سب کے ہاتھ میں تھا انھوں نے آہستا آہستہ مجھے کھینچ لیا۔
جیالا سپاہی۔ انہیں کے ساتھ چلی گئی ہوتیں۔
عورت۔ جاتی کیسے۔
جیالا سپاہی۔ کیوں۔

عورت۔ وہ لے جاتے تبھی جاتی۔
جیالا سپاہی۔ انھوں نے انکار کر دیا۔
عورت۔ نہیں میں نے اُن سے کچھ کھانے کو مانگا۔ انہوں نے کہا اور کچھ تو ہمارے پاس نہیں ہے یہ گائے بھینس ہیں۔ انکا دودھ ہو تو ہم دودھ دیں میں نے کہا اچھا بیچاروں نے آدھ سیر سے زیادہ تین پاؤ سے کچھ کم دودھ مجھے دیا۔ میں اُسے پیتے ہی بیہوش ہو گئی۔
جیالا سپاہی۔ یہ کیا۔
عورت۔ کئی دن کی بھوکی تھی نہ خالی پیٹ میں ایکا ایک غذا پہونچی۔ وہ بھی دودھ سی تیلی چیز۔ اُس نے جیتے تو سے پہ پانی کا سا کام کیا۔
جیالا سپاہی۔ ٹھیک
عورت۔ میں بیہوش ہو گئی وہ نجانے کیا سمجھے مجھے چھوڑ کے بھاگ گئے۔
جیالا سپاہی۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔
عورت۔ میں پہلے ایک منشی جی کے یہاں نوکر تھی وہ لشکر سے چلے گئے۔
جیالا سپاہی۔ کیوں۔ اور کہاں۔
عورت۔ یہاں نوکر تھے اور کہیں بدل گئے مجھے ساتھ نہیں لے گئے۔ لشکر میں محنت مزدوری کرتی تھی۔
جیالا سپاہی۔ تمہیں کیوں نہ لے گئے۔
عورت۔ بیوی اپنے دیس چلی گئیں۔ میں یہیں شہر میں محنت مزدوری کرتی تھی ایک دن دو سپاہی ایک گٹھڑ تیر سے سر پہ یہاں لے آئے۔ اور مجھے یہیں چھوڑ گئے۔
جیالا سپاہی۔ کیسی گٹھری تھی۔
عورت۔ کچھ کپڑے تھے اور فرش تھا۔
جیالا سپاہی۔ پہننے کے اور فرش کوئی دری ہو گی یا جاجم۔
عورت۔ جاجمیں تھیں۔
جیالا سپاہی۔ وہ یہاں کیوں آئے تھے۔

عورت۔ نہیں معلوم۔
جیالا سپاہی۔ کہاں گئے تھے۔
عورت۔ نجانے۔
جیالا سپاہی۔ کیا یہاں غائب ہوگئی۔ آخر کہیں ٹھہرے ہی ہونگے
عورت۔ نہیں یہاں تو نہیں دو مزدور مل گئے۔ اونھیں پر گٹھریاں رکھا کے چلے گئے۔
جیالا سپاہی۔ تم انکے ساتھ کیوں اور کیسے اتنی دور چلی آئیں
عورت۔ انھوں نے مجھسے کہا ہماری یہ گٹھری ذرا دور پہونچا دے ہم تجھے گلدار دو آنہ دیں گے۔ میں نے دو آنے کا نام سنتے ہی گٹھری سر پر رکھلی اور ساتھ چلی یہ بھی نہ پوچھا کہاں لیجاوگے تھوڑی دور چلکر میں نے پوچھا انھوں نے کہا بس ذرا دور اور۔ چلو اسی طرح گو الیا تک لے آئے اور وہاں سے یہاں۔
جیالا سپاہی۔ اور تم چپ چاپ بے عذر چلی آئیں۔
عورت۔ نہیں میں روتی چلائی۔ انکی خوشامد بھی کی مگر وہ ایسی کب سنتے تھے جب میں کچھ کہتی مجھے بید سے جو انکے ہاتھ میں تھی مارتے تھے میں یہاں بالکل شام کو پہونچی تھی انھونے گٹھری مجھسے لیلی اور دو تین بید مارکے رخصت کیا خوب چلائی میں روتی پیٹتی یہاں رہ گئی۔
جیالا سپاہی۔ انھوں نے تم پر بہت ظلم کیا۔
عورت۔ ہاں انسے خدا سمجھے۔
جیالا سپاہی۔ اب تم ہمارے ساتھ چلتی ہو۔ ہم بھی سپاہی ہیں۔ ہم ایسا ہی کریں تمھیں کہیں اور چھوڑ دیں۔
عورت۔ نہیں بیٹا۔ دنیا میں سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے وہ پورے قصائی تھے۔ تم ایسے ہوتے تو مجھے سڑک کیوں دیتے پانی کیوں پلاتے۔
جیالا سپاہی۔ ہمارے یہ بھائی صاحب تم سے ڈر گئے تھے۔
عورت۔ بیٹا اب تو رات ہے جنگل میں یہی لوگ میری آواز سنتے تھے مگر پاس نہ آتے تھے وہ بھی ڈرتے ہونگے۔

جیالا سپاہی۔ اچھا ڈر ہے۔
عورت۔ بیٹا تم کہاں جاؤ گے۔
جیالا سپاہی۔ بس گڈھ۔
عورت۔ ہیں اتنی دور.... آج کیسے پہونچو گے۔
جیالا سپاہی۔ نہیں راستہ میں دو مقام کریں گے۔
عورت۔ آج کہاں ٹہرو گے۔
جیالا سپاہی۔ یہاں سے چار کوس پر ایک گاؤں ہے رات کو وہاں رہیں گے صبح چلدینگے شام کو پھر ایک جگہ ٹہر جائیں گے پھر ۱۲ بجے چلینگے۔
عورت۔ تمھاری خوشی میں اب تمھارے ساتھ ہوں۔ ہاں۔ تم وہاں کس بیڑے میں نوکر ہو۔
جیالا سپاہی۔ پٹن میں
عورت۔ صوبات میں نوکری دیتے ہو۔
جیالا سپاہی۔ ہاں۔
عورت۔ تمھارے صوبہ صاحب کون ہیں کہاں کے ہیں۔
جیالا سپاہی۔ رامپور کے پٹھان ہیں۔ عنایت اللہ خاں صاحب۔ سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ اپنے گھر کے بہت آسودہ ہیں۔ بڑا کارخانہ ہے سب امیری ٹھاٹھ ہیں
عورت۔ میں جانتی ہوں۔ بہت مشہور آدمی ہیں وہی نہ جو کسی بڑے رئیس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے تھے۔ میں نے سنا ہے یہ اپنے گھر رامپور گئے تھے وہاں کوئی پردیسی رئیس ٹہرے ہوئے تھے یہ بھی انکے ملاقات کو گئے انھوں نے کہیں باتوں ہی باتوں میں بڑے سرکار مہاراج جیاجی راؤ کی شان میں کوئی بات بے ادبی کی سی کہی یہ بڑے شریف۔ سپاہی آدمی انھیں یہ بات کہاں جسکا یہ نمک کہائیں کوئی نکلا نام لیکر منہ بھی بنائے۔ ہاں وہی سرکار۔ ان کی بہت قدر کرتے تھے اب بھی انکی بہت عزت آبرو ہے۔ **عورت۔** یہ سامنے کون آرہا ہے۔
جیالا سپاہی۔ کہاں۔
عورت۔ (چپکے سے) وہ کیا سامنے چلے آتے ہیں۔

جیالا سپاہی۔ آہ کوئی راہ گیر ہیں۔ تم بھی بہوت سے ڈر لی ہوگیا۔
عورت۔ نہیں۔ مگر۔
بہادر سپاہی۔ ڈرو نہیں۔ ہم ساتھ ہیں۔
عورت۔ میں بھوت سے نہیں ڈرتی۔
بہادر سپاہی۔ پھر منہ کیوں چھپا لیا۔
عورت۔ یہ وہی سپاہی ہوں۔ مجھے پھر پکڑ لیجائیں۔
جیالا سپاہی۔ (ہنستے ہوئے) وہ یہاں کہاں۔
عورت۔ کیا ہوا۔ یہاں وہ اکثر آتے ہی ہونگے۔
جیالا سپاہی۔ آیا کریں مگر اس وقت کہاں۔ اور ہوں بھی تو تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تم نے کیا خطا کی ہے۔
عورت۔ کہیں گے کچھ نہیں پکڑ لیجائیں گے۔
جیالا سپاہی۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ پکڑ لیجانے کی کوئی وجہ بھی۔
عورت۔ خود ظلم کے لئے وجہ کیا چاہیئے۔
جیالا سپاہی۔ اسیا زور ہمارے سامنے نہیں چل سکتا۔ اس وقت تم اکیلی تھیں اب تمہاری طرف دیکھیں تو ذرا۔
عورت۔ خدا تجھے سلامت رکھے۔
جیالا سپاہی۔ اماں۔ تم نے اپنا نام ابتک نہ بتایا۔
عورت۔ میرا نام قسمت ہے۔
انہیں باتوں میں وہ کا دو نو راہرو اسنے قریب ہوگئے۔ دونو بہت قوی ہیکل جوان ہیں صورت دکھائی ہی نہیں دیتی ہم اوسکے اچھے بُرے ہونے کی بابت کیا کہیں سر پر آدھے تھان سے زیادہ لا نبا ململ کا دوپٹہ پنجابی وضع سے بندھا ہے دسی کے دو تین پیچ سے کان ماتھا سب چھپا ہے۔ منہ چھپانے کے لئے ڈھاٹا باندھا گیا ہے جس نے ٹھوڑی کے نیچے سے آنکھوں تک تمام منہ کو چھپا لیا ہے۔ ٹانگوں میں پنجابی تراش کا چوڑیدار اور تیب پاجامہ اور بر میں بہت ڈھیلا پنجابی کرتہ ہے۔ کمر وہ نوکی ہری پیٹی سے کسی ہے اور دونوں کی ڈاب میں

تلوار ہے۔ وہ ادہر قریب ہوتے جاتے ہیں اور حسمت کے ہوش حواس انکے خوف کے ذریعہ سے ادہر تصدق ہونے کے لئے ادہر ہی چلے جاتے ہیں۔

حسمت۔ (چپکے سے) بتیا وہی معلوم ہوتے ہیں۔

جیالا اسپاہی۔ ہونے دو۔

حسمت۔ (خوف زدہ آواز سے چپکے سے) ہماری ہی طرف چلے آتے ہیں۔

جیالا اسپاہی۔ آنے دو۔

حسمت۔ مجھے کہیں چھپا دو

جیالا اسپاہی۔ کیوں۔

حسمت۔ ہائے وہ مجھے پکڑ لیجائیں گے۔

جیالا اسپاہی۔ نہیں۔ وہ تجھے نہیں کر سکتے۔ چپ چاپ چلی چلو۔

ان کی سرگوشیوں کی کچھ بھنک انھوں نے بھی سن لی۔ وہ دو تو چونکتے ہوئے ان کی طرف بہت غور سے دیکھا اور ایک نے دوسرے سے کہا "یہ کون ہیں"

دوسرا۔ راہرو۔

پہلا۔ نہیں۔

دوسرا۔ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ اپنے سایہ سے بھی بھڑکتے ہو۔ میاں مسافر ہیں کہیں کسی کام کو جاتے ہیں۔

پہلا۔ مسافر اور یہ راستہ۔

دوسرا۔ تم اس راستہ سے کیسے آئے۔

پہلا۔ ہماری اور بات ہے۔ ہمارا ہی سا نڈر آدمی ہو۔

دوسرا۔ دنیا میں سوا ہمارے سب لوگ ڈرپوک ہی ہیں۔

پہلا۔ یونہی سہی۔ مگر یہ ہماری طرف کیوں آتے ہیں۔

دوسرا۔ یہ بھی خوب کہی۔ وہ اپنی راہ جاتے ہیں۔ وہ بھی تمہیں ایسا ہی کہیں تو۔

پہلا۔ کہنے ہی تھے تم نے دیکھا نہیں۔

دوسرا۔ دیکھا؟ کانوں سے بھی دیکھتے ہیں۔ تمہارے حواس کہاں چرنے

گئے ہیں۔

پہلا۔ اہ سنا بھی۔

دوسرا۔ جی ہاں خوب سنا۔ کچھ باتیں کرتے تھے۔

پہلا۔ کچھ نہیں۔ ضرور رہا ہی ہی باتیں نہیں۔ اور دیکھو ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔

دوسرا۔ ہے۔

پہلا۔ وہی ہو تب

دوسرا۔ پاگل ہو گئے ہو۔ وہ کیا ہو گی۔

پہلا۔ کیوں میں نے تم سے کہا نہیں تھا۔

دوسرا۔ جی ہاں۔ اور وہ انہیں مل بھی گئے۔

پہلا۔ بھائی وہی عورت ہے۔ اس نے منہ بھی چھپا لیا ہے۔

دوسرا۔ جی ہاں آپکو پہچان لیا ہے نہ۔

پہلا۔ نہ پہچانا ہو۔ شبہ تو ضرور اسے بھی ہوا ہے۔ دیکھو اسکا ڈیل ڈول سب اوسی کا سا ہے۔ مگر یہ دونو سپاہی کون ہیں۔

دوسرا۔ اہ۔ کوئی ہونگے۔ اپنے راستہ جا رہے ہیں جانے دو۔ ہم سے الجھینگے تو دیکھ لیں گے۔

پہلا۔ نہیں جی۔

دوسرا۔ اپنا کام کرو۔ انہیں جانے بھی دو۔ وہ بھی تمھارے ہی ایسے راہگیر ہیں بس اور کچھ نہیں!

پہلا۔ نہ سہی۔ مگر ذرا بیٹھ رہو گھڑیاں بند ہی ہیں۔

دوسرا۔ ہوا کریں آپکا مال نکلے جاتے ہیں کیا۔

یہ دونوں اون سپاہیوں سے بہت قریب ہو گئے تو وہ بود اسپاہی یکایک ڈر کر ایک طرف بھاگا۔ انھوں نے آپس میں کہا بیشک یہ ہمیں کچھ پہچانتے ضرور ہیں نہیں تو وہ بھاگا کیوں۔

وہی پہلا۔ (للکار کر) کون ہماری طرف چلا آتا ہے (اپنے رفیق سے جلدی سے)

اب بھی کچھ شک ہے۔ دیکھو وہی عورت ہے۔

دوسرا۔ ہوگی۔ وہ نہ جانے کیوں بھاگ گیا اور تم کو اپنے وہم کا یقین ہو گیا وہی سہی۔

وہی پہلا۔ اُسکا ہونا ہمارے لئے اچھا ہے؟ نہیں اوسکو پھر کبھی نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا۔ بیشک۔ پھر کیا ہے۔ سمجھ لو۔

وہی پہلا۔ (پھر اوسی طرح چلاکے) کون ہماری طرف چلا آتا ہے جواب کیوں نہیں دیتا۔

حشمت۔ (چپکے سے) اب بھی چپ ہی رہو جواب نہ دو۔ ذرا کترا جاؤ اور چلے چلو۔

جیالا سپاہی۔ نہیں (چلاکے) مسافر ہیں۔

وہی پہلا۔ (خوب کڑک کے) تمہارے ساتھ یہ کون عورت ہے۔

جیالا سپاہی۔ ہماری ماں ہے۔

وہی پہلا۔ ارے اسکا تو سر ہلتا ہے ہاتھ پاؤں بھی ہلتے ہیں۔

حشمت۔ (اوسی طرح گھونگھٹ نکالے ہوئے) ہاں بیٹا ناک میں بولتی ہے وہ بھی تتلا کے) میں اس کی ماں ہوں۔ وہ اسکا چھوٹا بھائی ہے جو بھاگا جاتا ہے

دوسرا۔ تمہارا سارا بدن کیوں کانپتا ہے۔

حشمت۔ بیٹا لقوی مار گیا ہے۔

پہلا۔ اور تم اتنا گہرا گھونگھٹ کیوں نکالے ہو۔

جیالا سپاہی۔ ہم غریب ہیں تو کیا۔ ہیں بھلے مانس۔ بھائی ہماری علین بھلے مانسوں ہی کے ایسی ہیں۔ کبھی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ پہلے اس پردہ کے سبب سواریوں پر نکلتی تھیں۔ اب غریبی نے سواریاں لے لیں تو ہم اپنا پردہ کیوں چھوڑیں

وہی پہلا۔ ٹھیک ہے۔ مگر آنکھو اور اس جنگل میں۔ یہ گھونگھٹ۔

جیالا سپاہی۔ ان کی عادت ہے کسی وقت کہیں جائیں۔ خوب گہرا گھونگھٹ نکال لیتی ہیں۔ یہ جنگل ضرور ہے مگر آدمی یہاں بھی آتے جاتے ملتے تھے ہمیں تھی مل گئے۔

وہی پہلا۔ ٹھیک۔ تمہارا وہ بھائی کیوں بھاگ گیا۔
جیالا سپاہی۔ وہ بڑا بودا ہے بھوت سے بہت ڈرتا ہے۔ ذرا پتا کھڑکا اور اوسکی جان چلی۔
وہی پہلا۔ یہ راستہ ہی تو ایسا ہے۔ اور بھوت نہ سہی سنسان جنگل ہے یہاں ہر طرح کا خوف ہے۔
جیالا سپاہی۔ اہ ہوا کرے۔ ڈرنے والے ہی کے لئے ہے۔

وہی پہلا۔ اور تم نہیں ڈرتے۔
جیالا سپاہی۔ نہیں۔
وہی پہلا۔ کیوں۔
جیالا سپاہی۔ کیوں! کیا بتاؤں۔ بس جسطرح تم نہیں ڈرتے۔
وہی پہلا۔ ہماری کیا ہے۔
جیالا سپاہی۔ کیا تمہارے چار ہاتھ ہیں۔
وہی پہلا۔ ہم برابر اس راستہ ہمیشہ آتے جاتے ہیں۔
جیالا سپاہی۔ ہم بھی۔
وہی پہلا۔ ہم سوار ہیں۔ بیر ہیں۔
جیالا سپاہی۔ اپنے منہ سے۔ اور دوسرا ہم سے کیا کم ہوگا۔ ہم بھی سپاہی ہیں تن کے بھانڈ ہزاروں راستہ آتے جاتے ہیں۔
اور اوس نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا۔
دوسرا۔ دیکھئے کیوں اوجھتے ہو۔
پہلا۔ تمہارے پاس یہ گٹھری کیسی ہے۔
جیالا سپاہی۔ اس میں کھانے کی چیزیں ہیں تم کیوں پوچھتے ہو کیا سرکاری محصول لوگے یا چھینا اور دل میں آئی ہے۔ ان چیزوں سے تمہارا کیا بھلا ہوگا۔ اس نے تلوار کا پٹہ کھولدیا۔ اور گٹھری کھولکر دکھا دی۔
دوسرا۔ نہیں بھیا۔ ہمیں تمہاری کسی چیز کے لینے سے کیا سروکار ہے تو پاگل ہے

تم اسکے بال بیکا برا نہ مانو۔
حشمت۔ (اوسی طرح ہلتے ہوئے اوسی لہجہ سے) بیٹا تکرار سے کیا حاصل۔ ہم مسافر ہیں اپنے راستہ راستہ چلے جاتے ہیں۔
دوسرا۔ ہاں مائی۔ تم جاؤ۔ (سپاہی سے) بہیا تم اپنا راستہ کہوٹا نہ کرو۔ (اپنے رفیق سے چپکے سے) چلو یہ وہ نہیں ہیں۔
سب اپنی اپنی طرف چلے گئے تو دوسرے جوان نے اپنے رفیق سے کہا ناحق اوس سے الجھتے تھے۔
پہلا۔ میرا شبہ بیجا نہ تہا اس عورت کا قد ویسا ہی ہے۔
دوسرا۔ بیشک مگر وہ نہیں ہے۔ تمام بدن تو ہلتا ہے توتلی ہے اور ناک میں بولتی ہے۔
پہلا۔ ہاں۔
دوسرا۔ اور اسکا یہ بیٹا بہت جیالا سپاہی ہے۔ اُلجھتے تو بڑی ہوتی اُسکے تیور کہے دیتے تہے وہ اکیلا ہم دونوکو بہت ہے اور کچھ جاتا ہی ہے اس سے الجھ کر ہم ور حیران ہوتے۔
یہ دونو ادہر سے باتیں چپکے چپکے کرتے چلے جاتے ہیں ادہر وہ دونو چپ چاپ جا رہے ہیں یہ بہت دور نکل گئے تو وہ دونو بہی چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔
حشمت۔ میں نے اپنی آواز بدل لی۔ اور سر ہاتھ پاؤں ہلانے لگی۔
جیالا سپاہی۔ یہ وہی تہے۔
حشمت۔ شاید۔ اور ہوتے بہی تو مجھے نہ پہچانتے۔
جیالا سپاہی۔ چلو خیر گذری۔ کوئی ہوں۔ ہیں بدمعاش۔ ناحق الجھتے تہے میں دیا نہیں اس سے وہ دب گئے۔
حشمت۔ ہاں مدیجا آ تو وہ ضرور ستاتے۔
جیالا سپاہی۔ اور وہ بودا نجانے کہاں بہاگ گیا۔ گیا تو کیا ہوگا یہیں کسی جگہ چھپا ہوگا۔ دیکہا بنسی کی آواز سنکر اہا اس درخت پر ہیں سے آؤ اب اتر آؤ۔ وہ درخت سے اوتر آیا تو جیالے سپاہی نے اوسے بہت لعنت ملامت کی۔ ایسی ہی باتیں کرتے یہ بہی چلے گئے

اور ذرا دیر میں تہوڑی دور چلکر ہماری نظر سے غائب ہوگئی۔

پانچوان باب ۹

کیا گردش فلک کا گلہ ہے کرے گئی
ہمکو تو تیرے چشم کی گردش وطن سے دور

نیرنگ تصویر

ہمارے فسانہ کے شروع ہونے سے بہت پہلے ہردلعزیز اقبالمند اولوالعزم مہاراجہ جھنکورا اور عالیجاہ کیلاس باشی کے عہد دولت سے بھی بہت برس آگے کی بات ہے لشکر اوسوقت آباد نہیں ہوا تہا یہ شنگی قلعہ اس سینہ پہلے شاہی دولت کے قبضہ میں آیا تہا۔ اسکے قدیم اور عالی ہمت اسلاف کی یادگار عالیشان عمارتیں بہی سیندیا خانوادہ کی شاہی فوجی تصرف میں ہنوز خالی نہیں۔ یہ بیچارہ ٹوٹا پہوٹا شہر گوالیار رونق پر تھا۔ اوس عہد کے فرمانروا کے غریب پرور اور سپاہی کے قدرداں سرکار میں ایک شخص مہابت خاں فاتح جنگجو اور ملکگیری پر مستعد فوج کے ایک حصہ میں ادنے عہدہ دار تھا۔ یہ تلوار کے دہنی بڑے سورما سپاہی شیخ صاحب اور خطابی خانصاحب ہوس عہد کے قابل قدر فوجی دستور العمل کے موافق پہلے پہل کے ادنے اسامی پر مقرر ہوئے تہے انکی کارگذاری نے بیاہ تلوار کئی معرکوں میں سرخرو ہوئے تہے اوسی سے وہ نمایاں خدمات دکہا کے انہیں اس عہدہ پر پہونچایا۔ اور خان بہادر خطاب دلایا تہا۔

انکا اصلی نام مہابت علی خاں بہادر کے لقب کے ساتھ تھا۔ مگر اپنی اصلیت سے ناواقف ہونے کے سبب یا فوجی خدمات میں فتحمندیوں کی بدولت یا اپنی باپ کی طرح صرف مہابت خاں مشہور ہے۔ خطابی خان نے جو انکے نام کا جزو ہوگیا تہا انکی قومیت کو بہی بدل دیا تھا سب انہیں پٹھان جانتے تہے یہ غلط فہمی انکے باپ کے وقت سے شروع ہوئی تہی بلکہ اس کے باعث وہی تہے وہ خان بہادر ہوئے تو انہوں نے طوالت سے بچنے کے خیال سے اسم صلابت علی کا آخر جزو کمکے

اوہوں نے نام صلابت کے آخر میں خطاب خان بہادر طانے سے پھر بھی دشواری پیش آئی۔ اور وہی تخفیف اس نام میں بھی خود انہوں نے کی مگر ذرا سے بچہ کا اتنا بڑا نام بھی کون لیتا۔ اُنکے بڑھنے سے پہلے وہ بھی گھٹ گیا۔ صرف مہابت خاں باقی رہا۔ اور بہادر ندارد ہوگیا۔ انکے مورث عربی نژاد تھے پھر کرمانی ہوگئے وہ بھی نرے ہندوستانی ہوگئے۔ یہ کیسے ہوا یہ بھی بیان کردیں۔

مغلیہ خاندان کے آفتاب اقبال کی روشنی افغانی بغاوت کے گہرے ابر نے چھپالی تو ہمایوں بادشاہ ملک اور سلطنت کو خیرباد کہکر ایران چلے۔ شہنشاہی شان شکوہ سواری کا جلوس تزک احتشام سب سلطنت کے ساتھ ہی تھا۔ اُسے یہیں چھوڑا۔ معمولی مسافروں کی طرح روانہ ہوئے۔ راہ میں کسی جگہ سرحد سلطنت ایران کے حدود میں شیخ علی حمید کرمانی انہیں ملگئے۔ شیخ صاحب اُس زمانہ میں اچھے بہادر قبیلہ اور ایک مسلح منظم چھوٹی سی جماعت کے افسر اور سلطنت ایران کی طرف سے اوس حصۂ ضلع کے مالک تھے جو ایران جاتے ہوئے ہمایوں کی راہ میں تھا۔ اُنھوں نے اِس مجبور بادشاہ کی مہمانداری اور خدمت کی۔ اور نہیں معلوم کس امید پر مع اپنے بہادر جوانوں کے رفاقت اختیار کی۔ ہمایوں بادشاہ پھر ہندوستان آئے تو ایرانی فوج کے علاوہ شیخ علی حمید کے مسلح سور ما جماعت بھی ساتھ تھی۔ انہوں نے بھی وہی کام جو ایرانی فوج نے کیا یعنی سلطنت واپس لینے کے لئے افغانی نئے بادشاہ شیر شاہ کی ہزیمت یافتہ سپاہ کے مقابلہ میں کیا۔

شیخ علی حمید کا دستہ فوج اِن معرکوں میں ایسا ہی کارآمد ثابت ہوا جیسا وہ اپنے ملک میں اُن لڑائیوں میں کامیاب ہونے کے سبب مشہور تھا یعنی ہیں اوسکے ایسے سورما تھے۔ جو ہر ضرورت جنگ کی ضرورت میں سلطنت اوس سے مدد لیتی تھی۔ شیخ صاحب عربی نژاد تھے انکے مورث یمنی اور کسی زمانہ میں شاید عباسی خلفاء کے آخر دور میں صوبہ یمن کی جرار فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔ زمانہ کے انقلاب نے اوس قوی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے الگ کر دیے تو انکی مورث علی اسد کو بھی وہاں سے نکالا۔ اونہوں نے ایران میں پناہ لی۔ اور چند ہی روز میں سلطنت کی ضرورتوں پر کام آنے کے سبب اوسکی فوجی قوت شاہنشاہ جسم کا بہت مضبوط اور چلتا ہوا بازو

بن گئی ۔ اپنے آخر عہد میں انہوں نے کرماں کی بغاوت فرو کرنے میں سلطنت کو بہت مدد دی۔ اُسی کے صلہ میں اوس حصہ ضلع کے تعلقہ دار یا رئیس جو کہے تسلیم کر لئے گئے جو سرحد ایران پر افغانستان کا حد فاصل ہے۔

شیخ علی حمید تک شیخ علی اسد کی چار پشتیں بازائد کامیابی اور ناموری کے ساتھ ایران ہی میں گزریں۔ ان کی گذشتہ خدمات اور ذاتی شجاعت کے سبب دربار ایران میں ان کی بہت قدر تھی شیخ علی حمید ہندوستان میں آئے تو یہاں بھی اُنکے ذاتی جوہر نے انہیں موروثی اعزاز دوبارہ دلا دیا۔ ہمایوں شاہ نے اُن خدمات کے صلہ میں جو انہوں نے جنگجو افغانوں کی بیخ کنی کے لئے تلوار اور مفید تدبیروں سے انجام دیں انہیں بڑی جاگیر اور محال علیگڈھ کی حکومت دی۔ علیگڈھ کی امارت انہوں نے دو تین ہی برس میں چھوڑ دی جاگیر پر اُنکے بعد بھی وارث مدت تک کم و بیش قابض رہے۔

انقلاب پسند زمانہ کے ہاتھوں بڑی بڑی سلطنتیں ملک جالت پر نہیں رہیں تو اُنکی جاگیر کیا چیز تھی۔ ہر نئے بادشاہ کے وقت میں اُس پر بھی کچھ نہ کچھ زوال ہی آیا۔ اور کچھ اس خاندان کے ہاتھوں کم ہوئے۔ یہاں تک کہ صلابت خاں کے باپ کی زندگی ہی میں ایک بسوہ زمین اُنکے قبضہ میں نہ رہی۔ جس گاؤں میں یہ رہتے تھے وہ بھی ملک حمید کو نہیں معلوم کیونکر مل گیا۔ اس افتاد کے وقت صلابت خاں بچہ ہی تھے گویا افلاس لیکر پیدا ہوئے تھے ایک اور مصیبت ان پر پڑی وہ تین ہی مہینے کے تھے کہ باپ مر گئے۔ ان کی ماں کا خالہ زاد بھائی جو خود بہت غریب تھا اپنی بہن کو کچھ سہارا نہ دیتا اور وہ بیچاری خود محنت مزدوری نہ کرتی تو ان کا پرورش ہونا دشوار ہو جاتا انکی پرورش ہو گئی مگر اسطرح جیسے بہت کم مایہ غریب مزدوری پیشہ لوگوں کے بچوں کی ہوتی ہے۔

انھوں نے ہوش سنبھالا تو ایک ڈلیا او کھڑے ہونے والے مزدوروں کے بہاسیحے ایک پیسنے والے ماں کے بیٹے تھے۔ شیخ علی حمید کے دوسرے ہی پشت میں علم ان کے خاندان سے رخصت ہو چکا تھا صرف تلوار بازی کے جوہر باقی تھے۔ وہ بھی چند ہی پشت میں کاہلی آرام طلبی عیش پسندی کی بدولت اُنکے بزرگ کھو چکے تھے شیخ اسد سے اسکے موروثوں نے یہ دولت اور جاگیر حاصل کی تھی وہ نہ رہا اور آگے کی راہ بند ہو چکی تھی

ادہر عیش پسندی نے پچھلے بزرگوں کو بیحد فضول خرچ بنا دیا تہا۔ پہر کیا تہا چند ہی روز میں سب دولت خاک میں مل گئی اور بزرگوں کی عزت آبرو بہی اُسکے ساتہہ گئی۔ کوئی اُنکا نام بہی نہ جانتا تہا۔ اوس گاؤں میں صلابت خاں مزدوری پیشہ عورت کا لڑکا ہونے کے سبب صرف صلاؔ رہ گئے تہے۔ یہ میاں صلاؔ آٹھ یا سات برس کے ہوئے تو اپنے ماموں زاد بہائی نبی داد کے ساتہ کہیلتے اور کبہی کوئی موقع ملتا تو لپنے بساط بہر پیسہ دو پیسہ کما لینے کا کوئی ہلکا سا کام بہی کر لیتے تہے۔

گاؤں کا زمیندار اُنکا قدیم نمک خوار چمار تہا۔ اُسکے باپ دادا صلاؔ کے مورثوں کی سرکار میں سائیس ہلواہے سپاہی۔ کوٹہاری وغیرہ رہے یوں اسی خاندان سے کچہ لیکر بڑہے تہے۔ زمیندار کنبہ اور ہمقوم کے سوا اس گاؤں میں اکثر دہ شریف قوم ہندو مسلمان بہی رہتے تہے۔ جنکی کئی پشتیں یہیں گذر چکی تہیں جن میں دکاندار قوموں کے سوا کچہ برہمن۔ ٹہاکر چند پٹہان بعض مغل۔ شیخ۔ اور کچہ شیخ نوربافت یا مومن بہائی تہے۔ یہ سب میاں صلاؔ کے مورثوں کے قدیم نمک خوار تہے۔ اُنکے باپ دادا اسی گہر کے ٹکڑوں سے پلے تہے۔ ان کے گہر میں جو کچہ تہا اسی گہر کے طفیل تہا۔ جسوقت اس خاندان کے سردار اپنی جماعت کے افسر اس جاگیر کے مالک اور حاکم تہے یہ سب اِن کے سپاہیوں یا سواروں میں بہرتی تہے اِن لوگوں میں بعض آسودہ حال تہے۔ اِس گاؤں میں نہ سہی قریب کے اور گاؤں میں کچہہ بیوپار کرتے تہے۔ بعض اچہے خوش حال کاشتکار تہے۔

گاؤں کے ان آسودہ حال باشندوں میں بعض کے یہاں چند گہوڑے بہی تہے۔ صلاؔ میاں اُنکے ماموں زاد بہائی نبیا میاں۔ دونو اکثر ان گہوڑوں کو گہانس ڈالنے کا کام بہت شوق سے کرتے تہے۔ صلاؔ کو فطرتاً گہوڑے اور ہتہیار سے کچہ عشق سا تہا۔ اُنکے سب کاموں میں اسکا جی بہت لگتا تہا وہ بہت خوشی سے سا ئیس کرتا تہا مگر بچپن میں گہوڑوں کو گہانس ڈالنے تہان صاف رکہنے ٹہاکروں پٹہانوں کے لڑکوں کے ساتہ شکار میں اونکی بندوقیں چہریاں چہرّا بارود وغیرہ لے چلنے کے سوا اور کیا کر سکتا تہا۔ جوان ہوا تو اس نے اسی شوق کی وجہ سے گاؤں کے کسی ٹہاکروں کے گہوڑوں کے لئے گہانس لانا انہیں ملنا پانی پلاتا اور چار زمیندار کے

دو گھوڑوں کی تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ گھاس خود کھودتا سب جانوروں کو برابر دیتا سب کو روز ملتا پانی پلاتا اور زمیندار کے دونوں گھوڑوں کو پھیرتا تھا۔ اسی سے اوسکی بسر ہوتی تھی نبیا بھی ان کاموں میں اسکا مددگار رہتا تھا طبیعت کی فطری مناسبت بچپن سے گھوڑوں سے گھرے رہنے کے سبب اور اپنے پڑوسی شہسوار سالوتری خانصاحب کی خدمت میں اکثر حاضر رہنے کی بدولت وہ جوان ہوا تو اچھے محنتی ہونے کے علاوہ ہوشیار چابک سوار اور سالوتری بھی تھا۔ اُسے اس فن کی تعلیم کیسے میسر ہوئی یہ بھی بتا دیں وہی شہسوار خانصاحب جن کے مورث اسکے بزرگوں کے یہاں سوار سالوتری رہے تھے۔ گھوڑوں کی تجارت اور اون کا معالجہ کرتے تھے یہ اُن کی خدمت کرتا اور اپنی ذہانت کی مدد سے باتوں ہی باتوں میں اس فن کی تعلیم پایا تھا۔ کبھی کبھی اون کی عنایت سے علاوہ زبانی تعلیم کے جو سنی سنائی باتوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ اوسے عملی طور سے کچھ حاصل کرنے کا موقع بھی ملتا تھا۔ شہسوار صاحب اکثر بیمار گھوڑوں کی دوائیں اسی سے کٹواتے پسواتے۔ کبھی کسی گھوڑے کے عیب وہنر اسی سے دریافت کرتے تھے۔ یہ ذہین اور خوبصورت قوی ہیکل فوجی رعب جوان ہونے کے علاوہ بہت محنتی بھی تھا صبح سے رات کے ۱۱-۱۲ بجے تک انہیں کاموں میں وقت صرف کرتا تھا۔

صلا کی ماں نے ایک دن لڑکوں کی نسبت کے بارہ میں خانصاحب کی بیوی سے کہا۔ خانصاحب کی بیٹیاں دوسری چارپائی پر بیٹھی کچھ سیتی تھیں۔ شہسوار خاں صاحب باورچیخانہ میں بیٹھے صلا اور نبیا سے گھوڑے کے لئے کوئی مصالح پسوا رہے تھے۔ مریم اور حمیدہ اپنے دل کے تقاضے سے مجبور ہوکر شرمائی نگاہوں سے کبھی کبھی اُنکی طرف دیکھتی تھیں اور وہ دونو بھی کبھی محبت اور پیار کی نظروں سے جو خود بخود دلکے گرویدہ دل کی فرط شوق سے اس رنگ میں جاتی تھیں اونہیں دیکھتے تھے جسوقت ان چاروں کی نگاہیں اوٹھ جاتی تھیں تو باہمی محبت کا نامعلوم اثر سے خود بخود لڑکیوں کے دل میں گدگدی سی ہوتی تھی وہ بے اختیارانہ مسکرا دیتی تھیں اور پھر یہ سوچکر کہ ہم کیوں بے سبب مسکراتے ہیں جب یہ جبیں ہوجاتیں شرم سے آنکھیں نیچے کر لیتی۔ نہیں وہ کیا یہ چاروں ابتک یہ نہ سمجھے تھے کہ فطرت کے خلقی جذبات نے ہم سبکو

ایک دوسرے کا مائل بنا دیا ہے۔ ہمارا دل باہم محب و محبوب ہیں ہائے نادانی مگر یہی نادانی ہی غنیمت تھی ورنہ انہیں اپنی محبت کا حال معلوم ہو جاتا تو ضرور اپنے دل کی تسکین کے لیئے اپنے سمجھ کے موافق کوئی تدبیر کرتے پھر خدا جانے کیا ہوتا۔

صلا کی ماں نے چپکے سے اپنے اور اپنے بھائی کی تمنا اُن لڑکیوں کے بابت ظاہر کی ان کی ماں نے اُسے قہر کی نگاہ سے دیکھا۔ ساتھ ہی دونوں لڑکیوں نے اوسکی سنکر شرما جانے کے عوض اپنی دلی فرمائش سے مجبور ہو کر پہلے تو کسیقدر مسکراتے ہوئے صلا کی ماں کی طرف دیکھا پھر اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگیں کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔ اور ان کے دل ہی دل میں کچھ دعا بھی شروع ہو گئی۔ اپنی ان بے اختیارانہ حرکات کا سبب بھی وہ سمجھیں مگر انھوں نے بھولے اور صاف دل میں نہ جانے کیوں یہ آرزو ضرور کی۔ اتا اس بات کا جواب وہی دیں جو ہمارا دل چاہتا ہے اون کا دل کیا چاہتا ہے خود انہیں کا یہ سوال انہیں لاجواب کر دیتا اگر فطرت کی خواہش اونہیں نہ سمجھاتی۔ کہ ان کی اما خدا کرے منظور کر لیں۔ ہم انہیں کے ساتھ رہکر سکھ پائیں گے۔ اس جواب نے جو فطرت نے اُنکے جذبات کے ذریعہ سے انہیں سوجھایا۔ انہیں محبت کے راز سے آگاہ کر دیا۔ اُسی وقت دونوں کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اور یہ زیادہ حیرت انگیز ہے کہ دونوں نوجوانوں نے اسیوقت میٹھی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ اُنکے اترے ہوئے چہروں نے نہیں معلوم انکی نگاہوں نے کیا کہہ دیا کہ انہوں نے نوجوانوں کے دلوں کو کچھ سکھا پڑھا کے اُنکے دلی حالت اپر ظاہر کر دی۔ اس طرح وہ دونو بھی اسیوقت اپنے باہمی محبت سے آگاہ ہو گئے۔

صلا کی ماں کی بات سنکر مریم کی ماں نے اپنے میاں کی طرف دیکھا۔ وہ اتفاق سے اسی طرف دیکھتے تھے۔ بیوی نے انہیں آنکھ کے اشارہ سے بلایا وہ چلے آئے۔ اُنکے اس طرف روانہ ہونے کے سبب دونو نوجوان بھی ادہر ہی دیکھنے لگے۔

میاں۔ (پاس پہونچکر بیوی سے) کیوں کیا ہے۔

بیوی۔ بیٹھ جاؤ کہتی ہوں۔

میاں۔ (چارپائی پر بیوی کے پاس بیٹھ کے) کہو کیا ہے۔

بیوی۔ میں کیا کہوں (صلا کی ماں کی طرف اشارہ کر کے طنز سے) یہ خان زادی بیگم صاحب کچھ کہتے ہیں
میاں۔ (صلا کی ماں سے) کیوں بہن کیا کہتی ہو۔
صلا کی ماں۔ میں میں میں کچھ نہیں کہتی۔
بیوی۔ (جھلاکر) کہو کیوں نہیں۔ آخر مجھسے کہتی ہی تہیں۔
شہسوار خاں۔ بات کیا ہے۔
صلا کی ماں۔ بھیا کچھ بھی نہیں میں نے بھابی سے ایک بات کہی تہی۔
شہسوار۔ وہی بات میں بھی سننا چاہتا ہوں۔
بیوی۔ بات کہی تہی چھوٹا منہ بڑی بات۔ اپنی حیثیت دیکھو۔ (منہ دہبت لال پیلے ہوکر) اب کبھی تم نے ایسی بات کہی تو بری ہوگی۔ تمہیں شرم نہیں آتی ہمارے ٹکڑوں سے پلتی ہو۔ اور ہمی سے ایسی باتیں۔
شہسوار۔ آخر انھوں نے کیا کہا۔
بیوی۔ کیا بتاؤں۔
شہسوار۔ کچھ کہو تو سہی۔ پھر مجھے کیوں بلایا تہا۔
بیوی۔ (صلا کی ماں کی طرف دیکھکر) اس مردار فقیرن کو دونے کے لئے۔ لو صاحب۔ ہماری لڑکیاں اور انکا منہ۔ اس مردار کو ابھی ہمارے یہاں سے نکال دو پھر کبھی نہ آئے پھر دیکھیں کیسے یہ سب جیتے ہیں۔ اب صلا اور نبیا نے مصالح پیستے ہی پیستے اپنے سامعہ اور ساجرہ کو اس طرف لگا دیا تہا۔ اور دونوں لڑکیاں بھی سر نیچا کئے یہ باتیں سنتی اور دل ہی دل میں کڑھتی تہیں
شہسوار۔ یا اللہ خیر۔ وہ بات معلوم ہو۔ اُنہوں نے کیا کہا۔
بیوی۔ کہا کیا۔ مریم اور ساجرہ کی منگنی کی کہتی تہیں۔
شہسوار۔ یہ کونسی بری بات تہی۔
بیوی۔ واہ۔
شہسوار۔ یہ سیانی ہوگئی ہیں انکی شادی کرنا ہی ہے پہر۔۔۔۔
بیوی۔ تو ہم ایسی جگہہ۔۔۔۔

شہسوار۔ کہاں تجویز کی ہے۔ کہیں جگہ کا پیام لائی ہیں۔

بیوی۔ پیام کیا لائی ہیں۔ یہ مردار پیام کیا لاتی۔

شہسوار۔ پھر کیا کہا اتنی خفا کیوں ہو۔

بیوی۔ اپنے اِن دونو نکمے فقیر لڑکوں کے لئے۔

شہسوار۔ ہیں۔ ہماری لڑکیاں۔ کیوں صلا کی ماں تمنے ۔۔۔۔

صلا کی ماں۔ دبی زبان سے ہاں بیٹیا۔

شہسوار۔ تمھاری یہ لڑکی اور ہماری لڑکیاں ہیں۔

صلا کی ماں۔ کیوں کیا ہوا۔

شہسوار۔ ہیں۔ کچھ ہو ہی نہیں۔ تم ایسی باتیں کہکر ہماری عزت آبرو میں بٹہ لگانا چاہتی ہو۔

صلا کی ماں۔ پھر کیسے۔

شہسوار۔ کہاں تم کہاں ہم۔

صلا کی ماں۔ پھر کیا۔ کیا ہم کوئی ہیں کہ جلد۔

شہسوار۔ نہیں فقیر ہو۔ کنگال ہو۔ تمھارا سارا کنبہ ہماری روٹیوں سے پلتا ہے۔

صلا کی ماں۔ کنگال ضرور ہیں مگر وہی ہیں جنکے گھر میں اس گھر کی بیٹیاں بڑے آرزو اور منت سے گئی ہیں۔ وہی ہیں جنکے گھر سے یہ گھر بنا ہے۔ وہی ہیں جن کے بڑے اِس گھر کے بڑھوں کو ہمیشہ پالتے رہے۔ بھیا بہت بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بناؤ۔

شہسوار۔ ربتے کی سنکر کھسیانا ہو کر کہا بہت نہ بکو چپ رہو۔ ہنہ چھچھوندر لگائے چمیلی کا تیل۔ جا دور ہو۔ نکل جا۔ اب ہمارے یہاں کبھی نہ آنا۔ اب صلا اپنے نبیا جاتو بھی جا اب کبھی ہمارے گھر میں بلکہ ہمارے دروازہ پر نہ آنا۔

صلا۔ کیوں ماموں۔ کیا ہوا ہمنے کیا قصور کیا ہے۔

اور اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کی حسرت بھری نگاہوں سے اپنی پیاری مریم کے خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھا اسیوقت مریم کی نظر بھی اٹھ گئی۔ دونوں کی نگاہیں دو چار ہوکر کسی

مریم کی آنسو بھری آنکھیں صلا کی محبت اور حسرت بھری نگاہوں کے اثر سے شرما کر
نیچے ہو گئیں۔ ساتھ ہی سینہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی۔ نگاہ آسمان کی طرف
پہونچی اور پھر صلا کے چہرہ پر اب اُس نے اپنے دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر
صلا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اشارہ ہی سے کہا خدا حافظ جاؤ۔

شہسوار۔ ماں کی گالی دیکھا تیرا ماموں کون ہے۔ مردود سیدھی طرح بات نہیں
کرتا۔ جاؤ دور ہو۔ ابھی نکل جا۔

صلا۔ آخر کوئی بات بھی۔

شہسوار۔ بات کیا چاہئے ہماری خوشی۔

نبیا۔ پھوپھی نے جو بات کہی اچھی سے کہی اس پر تم ابھی بگڑے۔

شہسوار۔ کیسی اچھی۔ اور کس کی پھوپھی مردار زبان سنبھال کے بات کر بڑھے
بے ایمان پاجی بدمعاش۔

نبیا۔ بہت اچھا۔

شہسوار۔ جاؤ دور ہو۔

صلا۔ بہت اچھا۔ گر خدا نے چاہا تو ہم دونوں بھائی ان دونوں بہنوں
کو بیاہ کے لیجائیں گے۔

پھوپھی۔ سنتی ہو۔ اور ان بے ایمانوں کو مُنہ لگاؤ۔ ان کی زبان میں کیڑے
پڑیں۔ انہیں مار کے نکالو یوں نجائیں گے۔

صلا۔ نہیں ہم خود جاتے ہیں۔ مگر چلتے چلاتے پھر کہے دیتے ہیں۔ ہم دونو
بھائی ان دونوں بہنوں کو بیاہ لیجائیں گے۔

شہسوار نے جھلا کر ایک لکڑی پھاٹک سے صلا کے سر میں ماری۔ اسکا سر پھٹ گیا
مگر اُس نے اُف بھی نہ کی وہ لکڑی البتہ زمین سے اُٹھا لے اور سر کا خون اپنے
دوپٹے سے جو سر پر بندھا تھا پونچھتا باہر چلا نبیا بھی ساتھ تھا دروازہ تک پہونچ کر دونوں
نے پھر مریم اور ہاجرہ کی طرف دیکھا ان دونوں کی نگاہیں انہیں کی طرف تھیں
صلا اور نبیا نے پھر صلا کے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ اسکے جواب میں دونوں لڑکیوں
نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا خدا مالک ہے۔ ادھر صبر شکر وسار کہو بھلائی بھی ہو

دعا ہے۔ اور یہ انہوں نے بغیر ارادہ کے کہا۔ وہ دونوں دروازہ سے باہر ہو گئے تو صلا کی ماں بھی اُنکے پیچھے پیچھے چلی اُس نے بھی چلتے چلتے کہا۔ اے اللہ تجھ میں کچھ بھی طاقت ہے تو ہمارے اس وقت کی آرزو پوری ہو۔ یہ لڑکیاں خود اپنے مُنہ سے یہی کہیں جوان لڑکوں نے کہا ہے۔ مریم کی ماں نے خفا کے میاں کا جوتا اوٹھا کے پھینک مارا وہ بیچاری بھی جوتا کھا کے چپ چاپ چلی گئی۔ وہ دروازہ سے نکلتی تھی کہ لڑکیوں نے اوسکی طرف دیکھا اور ڈبڈبائی آنکھ سے آنسو پونچھ کر آسمان کی طرف نگاہ کی۔

اُسیوقت شہسوار خانصاحب باورچیخانہ میں سل کے پاس چلی گئی جہاں گھوڑے کا مصالح ادہ پیسا پڑا تہا۔ دونوں لڑکیاں یہاں سے اوٹھکر ایک کوٹھری میں چلی گئیں۔ اور گلے ملکر آنسوؤں سے رونے لگیں۔

اودہر صلا کی ماں باہر اپنی بیٹی کے پاس پہونچی اوسے گھر لے گئی۔ وسکا سرد ہو یا نہ ہو گویا ند خا۔ ایک کونے میں بیٹھکر آنسو بہانے لگی۔ صلا تھوڑی دیر تو پٹی سے چارپائی پر پڑا رہا پہر اُٹھکر باہر چلا۔ تو نبیا بھی اُسکے ساتھ تہا۔ اتبک اسکے چارپائی کے پٹی سے تکیہ لگائے زمین پر بیٹھا تہا۔

صلا کی ماں۔ بیٹا اسوقت کہاں جاتا ہے۔

صلا۔ چودہری کے گہوڑے پھیرنے کا وقت ہے اُسی کے یہاں جاتا ہوں جمعہ کا دن بھی ختم ہو گیا ہے۔

صلا کی ماں۔ اچھا۔ نجاؤگی تو وہ موا آج کے دام کاٹ لیگا۔

صلا۔ اور کیا۔

صلا کی ماں۔ آج اُس سے کچھ مانگنا۔ اس مہینہ کی تنخواہ۔ گہانس کے دام۔ میری پیالی۔ سوت کے دام سب دبائے بیٹھا ہے آج کچھ تو دے۔ ہمارے گھر میں اناج ایک دانہ نہیں ہے۔

صلا۔ ہاں۔ کہوں گا۔ دینا نہ دینا اُسکے ہاتھ ہے۔

صلا کی ماں۔ کہوں گا نہیں۔ لیکے آنا۔ نہیں آج کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ہے جانے والی ہو گئی ہے وہ اب کیا دیں گے۔ میں اُسنے اپنے دام ہی مانگنے گئی تہی یہ جھگڑا ہو گیا۔

وہ گاؤں کے زمیندار چمار کے پاس پہونچا۔ دونوں گھوڑوں کو دیکھا۔
چودھری۔ (وہی چمار) صلا آج تو نے بہت دیر کی۔
صلا۔ چودھری ماما۔ آج دیر بیشک ہوگئی۔ مگر کچھ ہرج نہیں گھوڑوں کے پھیرنے ٹہلانے کا یہی وقت ہے۔
چودھری۔ ہاں کچھ ہرج نہیں۔
صلا۔ ماما آج ہمکو ہمارے سب دام دیدو۔ ہمارے گھر میں کھانے کو نہیں ہے۔
چودھری۔ دام ... (منہ بنا کے) ہمارے پاس تو آج کچھ نہیں ہے۔
صلا۔ اور ہمارے گھر میں اناج نہیں ہے۔
چودھری۔ (بہت بد دماغی سے) ہنو۔ ہم کیا کریں۔ روز روز کہاں تک دیں۔
صلا۔ کام تمہارا کریں گے دام کون دیگا۔ اور روز تم کیسے دیتے ہو کون مانگتا ہے۔ میری ایک مہینے کی تنخواہ کے دو روپیہ۔ گھانس کے دام تین روپیہ۔ اماں کی پیائی چار آنہ سوت کے دام ۸ سب کتنے ہوئے۔ ہمارے اتنے دام چاہئے۔
چودھری۔ انکے دام چاہئے۔ ایسے انہوں نے گیہوں بیچے ہیں۔
صلا۔ نہیں ماما۔ گیہوں ہم کیا بیچتے محنت کرتے تھے۔ سب نہیں تو تھوڑی بہت آج ضرور دو۔
چودھری۔ کیسی تھوڑی بہت۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔
صلا۔ نقد نہیں تو اناج دلادو۔
چودھری۔ کیسا اناج۔ کیا مجھسے ادہار لیا تھا۔ بے ایمان کنگلا (مادر و خواہر کی فحش گالیوں کے بعد) ہر گھڑی تقاضا کرتا ہے۔
صلا۔ ماما گالیاں نہ دو۔
چودھری۔ تیرے ماما کی (دیہاتی گالی) جا یہاں سے ہم اپنا گھوڑا اب تجھے نہ دینگے۔
صلا۔ نہیں۔ مگر دام ہمارے سب ابھی دیدو۔
چودھری۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

صلا۔ دیکھو یہ اچھا نہیں ہے۔
چودھری۔ جا بچھے جو ہو سکے... گالیاں دیکر بے ایمان جب دیکھو اپنے بہت سے دام تباد دیتا ہے روز دیتے ہیں پھر بھی اس کا قرض کسی طرح نہیں چکتا۔ جا اب ہمارے پاس تیری ایک کوڑی نہیں ہے۔
صلا۔ دیکھو ہمارے دام دیدو نہیں تو.....
چودھری۔ کیا کرے گا۔
صلا۔ پر کیا ہو گے۔
چودھری۔ وہ بھی سنیں۔
صلا۔ میں ابھی گھرسے کھڑے لیلوں گا۔
چودھری۔ کیسے لیگا۔
صلا۔ انہیں ہاتھوں سے۔
چودھری۔ دگالی دیکر) ایسے ہاتھ توڑ ڈالے جاتے ہیں۔
صلا۔ ایسی زبان نکال کے پھینک دیجاتی ہے۔
چودھری۔ تو ہماری زبان نکالے گا۔
صلا۔ بیشک ابکی بار تو نے گالی دی اور میں نے زبان کھینچ لی۔
چودھری۔ کیوں نہیں تو ہے بڑا سورما۔ ساری دنیا میں تیرا ہی راج ہے
صلا۔ ہم ظالم نہیں ہیں۔ تمہارے غلام سہی مگر عزت دار ہیں محنت کرتے ہیں چوری نہیں کرتے پھر گالی کیسے سنیں۔
چودھری۔ دگالی دیکر) بڑی عزت دار۔ غلام بے ایمان کنگلا۔
صلا نے جھپٹکر چودھری کا گلا زور سے دبایا۔ اور پانچ چھ گھونسے زور زور سے مارے۔ چودھری چلاکر رونے اور سر پیٹنے لگا۔ کئے آدمی بھی ہل ہوا ہے وغیرہ جمع ہو گئے سب نے اُسے چھڑا دیا۔
چودھری۔ اسے میرے سامنے سے بھگا دو۔
صلا۔ میرے دام دیدو میں خود چلا جاؤں گا۔
چودھری۔ ہم ایک کوڑی نہ دیں گے۔

صلا۔ اور ہم لے لیں گے۔
چودھری۔ کیسے لیگا۔ ابھی اپنے آدمیوں سے کہدوں گا تو تیرا بھرتا بنادیں گے
بو صاحب یہ ہم سے دام لے لینگے ہم کو مارا بے عزت کیا اور دام مانگتے ہے ابھو
تو فوج نکلے آئیگا تب دام ملینگے۔
اسکے آدمی۔ میاں ناحق حجت کرتے ہو۔ اسوقت جاؤ پھر لے جانا۔
صلا۔ نہیں اسیوقت لینگے (اور وہ چھپر کی طرف لپکا مگر اسکے آدمیوں نے روک لیا۔
چودھری۔ (اپنے آدمیوں سے) اس سے کچھ نہ کہو اسکے ساتھ فوج ہے توپ خانہ ہے دگالی دیکر) جا توپ خانہ اور فوج لائیگا تبھی دام دینگے۔
صلا۔ اچھا جبھی لینگے۔
اور وہ چودھری کو قہرناک نگاہوں سے دیکھکر آسمان کی طرف دیکھتا چلا گیا۔
راہ میں نبیا سے کہا اب کیا کریں۔
نبیا۔ آٹا تھوڑا سا آج ہمارے یہاں سے لیلو کل دیکھا جائیگا۔
صلا۔ یہ نہیں۔ آٹا تو کہیں سے مل ہی جائے گا۔ میں کچھ اور کہتا ہوں دور را سوچکر) بیشک اب ہم کو یہاں نہیں رہنا چاہئے۔
ایسی ہی باتیں کرتا گھر پہونچا۔ اپنا گھریا جالی۔ ٹوٹی سی تلوار۔ چھری۔ کمل سب چیزیں ایک گٹھری میں باندھیں۔ اور چپکے سے کسی طرف چلا گیا۔
گھر سے نکلتے ہوئے اوسکی ماں نے آواز دی مگر اوس نے اوسکی کبھی پرواہ نہ کی۔ اس گاؤں سے قریب کوئی دو ہی تین کوس پر گنگا کے کنارہ سر راہ ایک بڑے گاؤں کی آبادی کے قریب تکیہ میں شاہ صاحب رہتے تھے صلا اکثر گھانس لینے اوس طرف جاتا اور لوٹتے ہوئے انکے پاس ضرور بیٹھتا تھا اس گاؤں کا نام شاید چھین پورہ تھا جسکا اب کسی نقشہ میں نشان بھی نہیں مل سکتا۔ مگر ہم آپکو اور پتا بتاتے ہیں جس سے آپ اوس سرزمین کو ضرور دیکھ سکتے ہیں جس میں وہ خوش فضا تکیہ تھا۔ علیگڈھ سے دور گنگا کے مشہور رام گھاٹ سے متصل شاید پاؤ میل پر اس گاؤں کی آبادی تھی۔ اور تکیہ دریا کے اصل کنارہ گھاٹ سے ذرا ہٹکر

بہت ہی دلکش میدان میں تہا تکیہ سے تین کوس صلا کا گاؤں حمید پور تھا جو مدر
ہولی ایک دشمن کے قہر کی آگ سے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

صلا ہر روز شاہ صاحب کے پاس ضرور بیٹھتا تہا۔ اوسکی وجہ شاہ صاحب سے عقیدت
کے علاوہ یہ بھی تھی۔ وہ خلقی بہادر سپاہی ہونے کے سوا خلقی خوشنما منظروں کی
قدرتی دلچسپی دیکھنے کا بہت شائق تہا۔ شاہ صاحب کا تکیہ ایسی جگہ تھا جسکے چاروں
طرف ایسی چیزیں بہت تہیں جو اپنے نظارہ سے اس مزاج کے آدمی کو ضرور لبہا
سکتی تہیں تکیہ کے بہت وسیع رقبہ کے داہنے بائیں طرف شاہ صاحب کے
دادا پیر کے لگائے بہت گنجان مختلف درختوں کے دو باغ تہے جو اسوقت
قدرتی جنگل کی برابری کا دعوے کرتے تہے۔ سامنے دریا پشت پر امرود انجیر
کروندے۔ آڑو کیلے۔ کیوڑا گلاب بیلا چنبیلی۔ کا ویسا ہی باغ اسے تو یہ
جنگل تھا جس میں ہر وقت ہزاروں پرند چہچہاتے اور جنگل نیل گائے
پاڑھے کلیلیں کرتے تہے۔

تکیہ کی تمام زمین دوب اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے پودھوں سے جو اپنے موسم
میں خود بخود اوگتے تہے۔ سرسبز تہے۔ اس سبزہ پر جا بجا غول کے غول مور دوڑتے
پہرتے اور کہیں ناچتے دکھائی دیتے تہے۔

وہ گہر سے سیدھا اوسی طرف چلا اور شام سے پہلے دن ہی دن میں شاہ صاحب
کے پاس پہونچ گیا۔ ان شاہ صاحب کے ولی کامل ہونے کی نسبت ہم کچھ نہیں
کہہ سکتے ہمنے انہیں نہیں دیکھا۔ مگر نہیں ہمنے بڑی غلطی کی اپنے ناظرین کو اپنا عقیدتمند
بنانے کا بہت اچھا موقع کہو دیا۔ ہم انہیں حذار سیدہ کہتے تو ولی را ولی میشناسد
کا مصداق کون ہوتا۔ پہر سہی۔ اب ہم صرف یہی کہیں گے۔ شاہ صاحب کو کوئی کامل نہ
سمجھے تو کیا ہے۔ وہ پرہیزگار۔ متوکل۔ عابد گوشہ گزین ہونے کے علاوہ کہنہ
سیاح اور بہت مسن ہونے کے سبب دنیاوی معاملات کے بڑے تجربہ کار تہے
وہ اون آدمیوں سے تہے جو انسان کے بشرہ کو دیکھکر اوسکے دلی خطرات اور
انقلابات سے بالکل آگاہ ہو جاتے ہیں وہ قیافہ شناس پورے تہے ہر شخص کی
صورت دیکھکر اوسکے آیندہ حالات کی نسبت ایسی پیشین گوئی کرتے تہے جو کبھی غلط

نہ ہوئی تھی۔ گویا وہ پیشانی کے خطوط سے قسمت کا لکھا پڑھ لیتے تھے۔ گزشتہ واقعات بھی ایسے ہی بتاتے تھے کہ سننے والے کو انپر اپنے ساتھ ہونے کا گمان ہو۔ وہ بہت سے زبانوں مختلف علوم اور فنون کو اچھے ماہر عالم تھے خاصکر جعفر رمل نجوم اور طلسمات خوب جانتے انہیں نہایت خوبی سے برتتے تھے اور مصوری بھی بہت اچھے تھے انکا حافظ بہت اچھے تھے انکا حافظہ بہت قوی ذہن بہت اچھا تھا طبیعت بہت راز جو اور تجسس تھے وہ ہر ایک بات کو کرید کریدکے پوچھتے اور اوسی سے معقول نتیجہ نکالتے تھے۔

ان کی انہیں صفتوں کی بدولت انکی عقیدتمند انہیں۔ صاحب رسیدہ صاحب باطن کرامت دکھانے والے سمجھتے تھے۔ وہ ان درویشوں میں نہ تھے جو دنیا کی بے ثباتی۔ اوسکے تمام معاملات اور حادثات کی ناپائداری۔ اُسکے خریداروں کی ذلت و خواری اوسے بدلے نام چھوڑکر بیٹھ رہنے والوں کی وقعت و عزت دنیاوی جائز یا ناجائز لذتوں کی حقارت اخروی موعودہ نعمات کی فضیلت ہر کس و ناکس کو جتاکر اوسے اپنی پرستش کے لئے ابھارتے تھے۔ ایسے بہت دون فطرت سست۔ کاہل۔ کم حوصلہ۔ کم فہم۔ تنگ نظر۔ کم استعداد آدمیوں کو ایسی باتیں سنا کر انہیں صرف اپاہج نکما بنا دینے دین و دنیا کہیں کا نہ رکھتے۔ وہ ہر شخص کی استعداد۔ قابلیت ضرورت اور وقت کی مناسب بات اوس سے کہتے اور مشکلات میں صرف خدا بھلا کرے اللہ رحم کرے کہنے یا آپنے آپکو پہونچا ہوا اور مقبول الدعوات جتانے کے لئے قطعی حکم لگادینے کے عوض بہت نیک مشورہ دیتے عمدہ تدبیریں بتاتے تھے۔ بس ہم انکی انہیں صفات کو دنیا کے مفید سمجھکر انہیں ضرور سچا ہادی کہہ سکتے ہیں۔ صلا میاں انکے حضور میں پہونچے تو انہوں نے اپنی عادت کے موافق اِنکے بشرہ کو خوب غور سے دیکھا۔ ۔ ۔ ۔

صلا۔ (قریب پہونچکر) السلام علیکم۔

شاہ صاحب۔ (اسکا بشرہ دیکھتے ہوئے) وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ کہو مزاج تو اچھا ہے۔

صلا۔ (ہاتھ جوڑکر) جی ہاں شکر ہے۔ حضور کی دعا سے۔

شاہ صاحب۔ میاں آج تم اتنی دیر میں کیسے آئے۔ کہیں دور چلے گئے تھے کیا۔ اور گھانس بھی آج تھوڑی سی لائے ہو۔

صلا۔ حضور۔ آج ....

شاہ صاحب۔ آہا آج جمعہ تھا۔ خوب بہت خوب۔ اب تم جمعہ کو عید مناتے ہو۔ یہی چاہیئے۔ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے۔ تم نے ہماری یہ بات مان لی ہم بہت خوش ہوئے مگر میاں ہر ہفتہ میں ایک دن کے دام کم ہو جاتے ہونگے۔ لیکن نہیں۔ تم اسکا بندوبست کرلیتے ہو جمعرات کو زیادہ محنت کرکے جمعہ کے لئے بھی کام کرلیتے ہو یعنی گھانس زیادہ ہوتی ہے اوسے بچاکر رکھ لیتے اور جمعہ کی صبح کو جب جگہ دیدیتے ہو۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ شاباش تم بڑے اچھے آدمی ہو۔ جیسے جوان ہو ویسے ہی محنتی بھی ہو بڑے بوڑھوں کی نصیحت سنتے اور اوسپر عمل کرتے ہو۔ (اوسکے بشرہ کی طرف دیکھکر) تم اوداس بہت ہو۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کسی سے لڑائی ہوئی۔

(وہ صلا سے باتیں کرتے میں زبان مصروف ہے نگاہیں صلا کی چہرہ پر گڑی ہیں۔ کان اسکے الفاظ کے ادا ہونے کے لہجہ کو غور سے سنتے ہیں دماغ مفید مطلب نتیجہ اخذ کرنے پر مامور ہے۔)

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ (ویسے ہی اسکے بشرہ کو دیکھتے ہوئے) کسی سے کیا اوس زمیندار سے ہوئی۔ تم اکثر اوسکے نادہندے کی شکایت کرتے تھے۔ آج تم نے انگلیوں پر کچھ حساب کیا ہے (ہاں مہینہ ختم ہوچکا تنخواہ اور اسکے بشرہ کو دیکھتے ہوئے) تم نے سب دام مانگے۔ بس تکرار ہوگئی۔ مدعیہ بھی (اسکے بشرہ کو دیکھکر) مگر....

صلا۔ حضور جی ہاں۔ بات ہوئی۔

شاہ صاحب۔ کوئی ملال کی بات نہیں ہے۔ آج تم (اسکے بشرہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے)

اپنی ماموں سے ملے تھے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ شیخ صاحب سے۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب، ٹھاکر صاحب سے خانصاحب سے مرزا صاحب سے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اپنے بھائی منیا کے ساتھ کہیں گئی تھی۔

صلا۔ کہیں نہیں۔

شاہ صاحب۔ وہ سب اچھی طرح ہیں۔

صلا۔ کون۔

شاہ صاحب۔ وہی جنکی تمنے نام لئے۔

صلا۔ جی ہاں حضور کی دعا سے۔

شاہ صاحب۔ اور تمھاری ماں۔

صلا۔ وہ بھی خیریت سے ہیں۔

شاہ صاحب۔ آج انھوں نے کیا کام کیا (خود ہی کچھ نہیں) اونہوں نے بھی تعلیں سنائی کہیں تقاضے کو گئے ہونگے۔ مگر۔۔۔۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ تمھارے گھر میں آج کھانے کو نہ تھا اسی سے تم نے زمیندار سے سخت تقاضا کیا اور وہ بگڑ بیٹھا۔ تم نے اوسے مارا۔ مگر وہ بیٹہ کا خون دیکھکر چوٹ اور کہیں کھائی۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ تم اپنے استاد شہسوار کے گھر بھی گئی تھے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ آج اونسے کوئی دوا سیکھی۔

صلا۔ جی ہاں اونھوں نے۔

شاہ صاحب۔ ایک نیا مصالحہ بنوایا۔ ۔ ۔ ۔ مگر گھر میں بیٹھکر۔ وہ اکثر دوائیں گھر ہی میں بناتے ہیں۔ منتی نے ایکبار مجھسے کہا تھا۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ اونکی دو لڑکیاں ہیں۔ منتی نے مجھسے کہا تھا۔ اور وہ دو نو اکثر انہیں دوا پیسنے چھاننے میں مدد دیتی ہیں۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ وہ دونوں اچھی طرح ہیں (اسکے بشرہ کی طرف خوب غور سے دیکھتے ہوئے)

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اہا۔ یہ کہو۔ ہمکو پہلے ہی یہ گمان تھا۔ اور ان کی بیوی۔

صلا۔ وہ بھی۔

شاہ صاحب۔ انہوں سے بھی تکرار ہوئی۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کس بات پر (ذرا غور کرکے) اُن لڑکیوں۔ ۔ ۔ ۔ (بغور صلا کے بشرہ کی طرف دیکھکر) ہاں انہیں کی وجہ سے تمہارے اونکے۔ ۔ ۔ ۔ مگر نہیں تم ایسے نہیں ہو۔ وہ ایسی ہو سکتی ہیں آخر شریف کی بیٹیاں ہیں۔ مگر ہیں بہت خوبصورت (اسکے بشرہ کو بغور دیکھتے ہوئے) کیوں۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ تمہارے اور انکے گھر سے بیٹھے بیوپار بھی پہلے سے ہے۔

صلا۔ حضور۔ میں نے شاید حضور سے پہلے عرض بھی کیا تھا۔

شاہ صاحب۔ پھر تمہاری ہاں۔ ۔ ۔ ۔ ہاں اونہیں نے یہ بات چھیڑی اور جھگڑا ہو گیا۔ وہ بھی اس وقت وہاں تھیں۔ دام مانگنے گئی ہونگی۔

صلا۔ حضور

شاہ صاحب۔ وہ اسوقت دام مانگنے گئی ہونگے۔ اور خانصاحب تم سے مصالح بنواتے ہونگے۔

شاہ صاحب۔ اپنی بیوی کے پاس۔
صلا۔ حضور۔ گواہوں سے۔
شاہ صاحب۔ اشارہ سے بلایا ہوگا۔ تمہاری ماں سے لڑکیوں کی نسبت کی بات چھیڑی تو انھوں نے اپنے میاں کو بلالیا۔
صلا۔ حضور۔
شاہ صاحب۔ بڑی لڑکیکو تمہارے لئے اور چھوٹے کو نبیا کے لئے مانگا ہوگا۔ وہ بھی اسوقت تمہارے ساتھ تھا۔
صلا۔ جی ہاں۔
شاہ صاحب۔ اور لڑکیاں۔
صلا۔ (جلدی سے) اپنی ماں کے پاس بیٹھے کچھ سیتی تھیں۔ وہ دوسری چارپائی پر تھیں۔ پھر ہمارے پاس مصالح پیسوانے چلی آئی تھیں۔
شاہ صاحب۔ تو اسی بات پر تکرار ہوئی۔ تم نے بھی کچھ کہا۔ خانصاحب نے تمہیں ایک لکڑی ماری۔
صلا۔ میں وہاں سے چلا تو پھینک کے ماری تھی۔
شاہ صاحب۔ سر میں۔
صلا۔ جی ہاں۔
شاہ صاحب۔ پھر تم سے زمیندار سے لڑائی ہوئی۔
صلا۔ جی ہاں۔
شاہ صاحب۔ تم خانصاحب اور انکی بیوی کی گالیوں اور طعنوں سے صدمہ پاہی چکے تھے۔ اس کے تکرار ہوئی تمہارا دور نج غصہ اور بڑھ گیا۔ تم گھر سے نکل آئے مگر تمہارا دل اپنا گاؤں۔ پیاری ماں۔ ماموں۔ عزیز بھائی نبیا کو کیا یک اسطرح چھوڑ دینے پر بہت کڑھتا ہے وہ تمہیں بہت ستاتا رہتا ہے۔
صلا سے اب ضبط نہ ہوسکا شاہ صاحب کے قدموں پر گر گیا اور چلا چلا کے رونے لگا۔
شاہ صاحب۔ سب سے زیادہ تمہیں اپنی محبوب سے چھٹنے کا رنج ہے اور کچھ

تو ہم اسے روز دیکھ لیتے تھے یہی بہت غنیمت تھا۔ افسوس یہ موقع بھی ہاتھ سے گیا۔ مگر اب تم وہاں رہتے بھی تو شاید اوسے دیکھ نہ سکتے۔

اور انھوں نے اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔ اپنے ہاتھ سے اسکے آنسو پونچھے منھ دھلایا تھوڑا سا پانی پلایا۔ تسکین اور تشفی کی بہت سی باتیں کہیں۔ ان تدبیروں سے تھیا بھی تازہ مبتلا دل کچھ ٹھہر، رنج کا امنڈا ہوا دریا گھٹ گیا تو انھوں نے اور باتیں شروع کیں۔

شاہ صاحب۔ صلا میاں میں اب تم سے جو کچھ کہوں اسے کان لگا کے سنو۔

صلا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ میں تمہارے بزرگوں کے حالات سے خوب واقف ہوں۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ تم نے مجھ سے کبھی اپنے خاندان کا کچھ حال نہیں کہا۔

صلا۔ جی نہیں۔

شاہ صاحب۔ تم کہتے تو میں تم کو بہت پست ہمت سست بےغیرت بےکار سمجھتا۔

صلا۔ بیشک

شاہ صاحب۔ کیوں۔

صلا۔ حضور میں اپنے باپ دادا کے حالات سب کو سناتا۔ اور خود اس حالت میں تھا۔

شاہ صاحب۔ ہاں۔ تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو۔ مگر ادا نہیں کر سکتے۔ افسوس یہ تعلیم دینے کی تھوڑی سے مگر کچھ حرج نہیں۔ جاہل رہنے سے جو نقصان تم نے اٹھائے اور آئندہ اوٹھاؤگے۔ اوس سے تمہارے بہت غیرت مستقل مزاجی اور دلیری پیدا کردیگی۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ تم مجھ سے اپنے باپ دادا کا حال کہتے تو میں یہی سمجھتا تم بےغیرت ہو پست ہمت ہو۔ تم کو اتنی غیرت نہیں ہے کہ اپنی ان بزرگوں کو۔۔۔

صلاح۔ جی ہاں حضور۔

شاہ صاحب۔ کوئی ذلیل آدمی اپنے بزرگوں کی عظمت لوگوں کو جتا کے اپنے وقعت اور قدر چاہے تو وہ ضرور۔۔۔۔

صلاح۔ بیشک بےشرم ہے۔

شاہ صاحب۔ اور یہ دیکھنا چاہئے ہم کس حالت میں ہیں ذلیل ہیں تو ایسے بزرگوں سے اپنی نسبت بیان کرنا انکے نام میں بٹا لگانا ہے۔ اور یہ یاد رکھو بے غیرت آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔

صلاح۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اسکے علاوہ ایسی باتوں سے عقلمند آدمی یہ بھی سمجھ سکتا ہے یہ ذلیل پست ہمت بھی ہے۔

صلاح۔ جی۔

شاہ صاحب۔ یہ کیسے ہے وہ اپنے دل کو جو اسکی ذلت و خواری پر کڑھتا ہے اس بری حالت سے نکلنا چاہتا ہے۔ بزرگوں کا حال سنا کے خوش کرتا ہے اسکے بڑھتے ہوئے شوق کو روکتا ہے بس وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیگا۔

صلاح۔ درست۔

شاہ صاحب۔ میں نے پہلے پہل تمہیں دیکھا تو تمہاری صورت شکل سے سمجھ گیا تم کوئی شریف زادے ہو۔ زمانہ کے گردش نے تمہیں اس حالت کو پہونچایا ہے۔ پھر میں نے تم سے تمہارا نام نسب پوچھا۔ تم نے اپنا نام وہ بتایا جو بہت مشہور ہے صلابت علی خاں کہتے تو میں پھر تمہیں منہ بھی نہ لگاتا۔ میں سمجھ جاتا تم کبھی باز نہ آؤ گے اور بےشرم ہو۔ سر پر گھاس کا گٹھا اور یہ نام۔ ضرور تم اپنے پچھلے بزرگوں کی شرافت امارت پر نازاں ہو۔ ایسی شرافت کا زعم تم کو اب بھی ہے۔

صلاح۔ درست۔

شاہ صاحب۔ تم نے اپنا نسب بالکل نہیں بتایا یہی کہا حمید پور میں رہتا ہوں

پسنہاری کا لڑکا ہوں۔ باپ کا نام نہیں جانتا نہ میں نے انہیں دیکھا ہے بس تین مہینہ کا تہا کہ وہ چل بسے۔

صلا۔ جی اماں نے یہی کہا تہا۔

شاہ صاحب۔ ان باتوں سے میں نے یہی سمجھا۔ تم بہت حیادار ہو۔ پہر میں نے اور لوگوں سے تمہارا حال دریافت کرکے تم سے اوسکی تصدیق کی تو تم بہت شرمائے اور مجھ سے کہا میں نہیں جانتا میں کون ہوں جو لکھا جاتا تہا لکھدیا۔ میں ان لوگوں کے خون سے ہوتا تو ایسا ذلیل کیوں ہوتا۔ شاید انکے غلاموں سے ہوں گا۔ میں یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا۔ مجھے معلوم ہوا تم مستقل مزاج بہی ہو تمہاری ہمت بلند ہے۔ تم دنیا میں ضرور کچھ کرسکتے ہو۔ بلکہ کرو گے۔ کسی وقت ضرور کوئی بات تم کو ترقی کرنے پر ابھاریگی۔ وہ میرا خیال آج صحیح ہوا۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ میں یہ سنکر بہت خوش ہوا۔ تم گہر سے چلے آئے۔ میں یہ دیکھکر بہت خوش ہوں۔ تمہارا دل تم سے کہتا ہے اب اس حالت سے اوس گاؤں میں رہنا اچھا نہیں۔ وطن اور عزیزوں کی محبت اپنی محبوبہ کی الفت تمہیں روکتی ہے۔ مگر تمہاری ہمت غیرت تمہیں اپنی زبان کی پابندی کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ تم نے اوسکا کہنا سن لیا اس وقت اپنی غیرت اور ہمت کا ساتھ دیا وطن نہ گئے کسی طرف چلدئے تو یاد رکہو خدا نے چاہا تو بہت جلد تم عزت اور دولت لیکر واپس آؤ گے اب تم باپ دادا کا نام لیتے شرماتے ہو پہر لوگ تم کو فخر خاندان کہیں گے۔ تمہارے نام سے انکے نام کی عزت زیادہ ہوگی۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ تم کو اپنی ماں کے چہوٹنے کا بہت غم ہے۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ بیشک۔ اور ہونا ہی چاہئے۔ یہ تمہاری سعادتمندی خوش نصیبی کی دلیل ہے۔ انہیں بہی بہت صدمہ ہوگا۔ تمہی اونکے اکلوتے بیٹے ہو۔ مگر تمہارے ماموں انکا غم غلط کرتے رہیں گے۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ گو یہ رنج غم تھوڑے دن کا ہے اور وہ خوشی جو تمہاری بامراد آنے پر دونو کو ہوگی بہت دن تک رہے گی۔ تم اپنی ماں کے قدموں کے سایہ میں پہلو بپہلو ہوگی وہ تمہیں خوش و خرم دیکھکر خوش ہونگی تم کو ان کی شفقتوں سے۔ راحت ملیگی۔ صلا میاں۔ اب تمہارا اس گاؤں میں جو تمہارے نامور بزرگ نے آباد کیا تھا جو انکے قبضہ میں تھا۔ ایک معمولی رعیت ہوکر رہنا اور ان لوگوں کی خدمت کرکے بہت ذلت کے ساتھ پیٹ پالنا ہرگز اچھا نہیں ہے۔ جن کی بدن میں تمام خون تمہارے ہی نان و نمک کا دیا ہوا ہے۔ بیٹا تم مرد ہو۔ شیر ہوکر دنیا میں رہو لومڑی نہ بنو۔ شیر خود شکار کرتا ہے۔ اوسکا پس خوردہ گیدڑ لومڑی وغیرہ کہاتے ہیں۔ تمہارے بزرگ شیر تھے۔ انہوں نے بڑا شکار مارا۔ اوسی سے یہ لومڑیاں بھی پلیں۔ جو اب تم کو لومڑی بنانا چاہتی ہیں۔ بیٹا میں جانتا ہوں تم ایک حرف نہیں پڑھے ہو۔ میری اکثر باتیں مشکل سے سمجھ سکوگے اسی سے میں تمہاری سمجھ کے موافق باتیں تمہارے ہی روزمرہ میں کر رہا ہوں۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب۔ تم جاہل ہو تو کچھ حرج نہیں۔ آج کل دنیا میں تلوار کے جوہر کی بہت قدر ہے۔ تمام ملک میں ہر چھوٹا بڑا خود مختار راجہ یا بادشاہ ہوگیا ہے یا ہونا چاہتا ہے اس وقت زمانہ میں بہادر سپاہی کی قدر بڑے عالم فاضل سے بہت زیادہ ہے۔

صلا۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ شکر ہے تم بہادر ہو۔ جفاکش ہو عقلمند ہو۔ تم بہت جلد بڑے کارآزمودہ دلاور سپاہی نامور جنگ جو ہو سکتے ہو تمہارے بزرگوں نے تلوار ہی کے جوہر سے وہ کیمیا بنائے تھے جس سے عزت دولت نام سب کچھ انہوں نے پایا۔ تم بھی اپنی تلوار سے کھوئی ہوئی چیزیں حاصل کروگے تو ان کا نام روشن کروگے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ اس وقت تمہارے چہرے سے وہ باتیں دریافت ہوئی ہیں جو میں تمہارے حالات تمہاری زبانی سنکر بہت پہلے سے ہونے والی سمجھ چکا تھا۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ نہیں سمجھے۔ تم نے مجھسے شہوار کے گھر جانے آنے کا حال کہا تھا۔

صلا۔ جی ہاں۔ میں ان سے کچھ سیکھتا ہوں اُنکے گھر میں بھی جاتا ہوں۔

شاہ صاحب۔ بس یہی۔

صلا۔ اور کچھ کہا ہوگا۔

شاہ صاحب۔ تم نے مجھسے کہا تھا۔ اُنکے گھر میں مجھسے کوئی پردہ نہیں کرتا۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ انہیں باتوں ہی میں سے اُنکے گھر کا سب حال تم سے دریافت کرلیا تھا۔ تم نے کہا تھا اُنکے دو لڑکیاں ہیں بڑے کا نام مریم چھوٹی کا ناجرہ ہے بڑی تیرہ برس کی ہے چھوٹی کو گیارہواں سال ہے۔ دونو بہت خوبصورت ہیں۔ بڑی نیک بخت ہیں۔ قرآن شریف پڑھتے سیپارہ تا کیا تا گرستی کے کام سیکھتی ہیں۔ کبھی کبھی ہمارے ساتھ [illegible] ہم کو دیکھکر بہت خوش ہوتے تھیں کیسے ہی اداس بیٹھی ہوں ہم دونوں کو دیکھکر مسکرا دیتی ہیں۔ مجھے اور ضیا دونوں کو وہ دونو بھیا کہتے ہیں چھیڑ چھیڑ کے ہمسے باتیں کرتے ہیں۔ اور ہم بھی انہیں چھیڑتے ہیں انہیں دیکھکر خوش ہوتے ہیں۔

صلا۔ جی ہاں کہا تھا۔

شاہ صاحب۔ میں یہ باتیں سنکر سمجھ گیا تھا۔ مریم تم کو ناجرہ ضیا کو چاہتی ہے تم دونوں بھی اونپر فریفتہ ہو۔ اور یہ محبت قدرت کا خاص حکم ہے۔ مگر تم سب کو ابھی اپنی محبت کا حال معلوم نہیں ہے۔ تمہارا ایسی باتوں کو اتبک نہ سمجھنا تمہارے ماموں کی نیک تعلیم کا اثر ہے جنہوں نے اتبک بری صحبتوں سے بچایا۔

صلا۔ جی۔

شاہ صاحب۔ تمہارا نہ جاننا ہی تمہارے لئے اچھا ہوا۔ میں روز تمہارے چہرہ کو غور سے دیکھتا تھا اور یہ دریافت کرکے بہت خوش ہوتا تھا کہ تم کو اتبک اپنی محبت کا حال معلوم نہیں ہوا۔ میں کیوں خوش ہوتا تھا۔

صلاؔ۔ کیا معلوم۔

شاہ صاحب۔ مجھے اندیشہ تھا۔ تم کو یہ حال تمہاری ترقی سے پہلے معلوم ہو گیا تو تم ایسے ہی رہو گے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس محبت کے سبب تم بدنام اور ذلیل ہو یا مارے جاؤ تم کو ایسا موقع تھا کہ تم کچھ دن پہلے اپنی محبت سے آگاہ ہو کر وصل کی تدبیریں کرتے۔ اور اس میں کامیابی بضرور ہوتی۔ تم جوش محبت میں اوس کامیابی کو غنیمت سمجھتے اور خود ذلیل ہوتے اونہیں خراب کرتے۔

صلاؔ۔ درست

شاہ صاحب۔ تم کو آج ہی اپنی محبت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ وہی محبت تمہارے گھر سے نکلنے کا سبب ہو گئی۔ اب تم مجھ سے سب حال بیان کرو۔ تمہاری ماں نے انکی بابت کیا کہا انھوں نے کیا جواب دیا۔ تم کو کیسے معلوم ہوا تم انکو چاہتے ہو کیا وہ بھی یہ سمجھ گئی کہ تمہارے دل اپنے ہو چکے ہیں۔ جو کچھ دیکھا سنا کہا۔ سو سب کہو۔

صلا نے تمام سرگذشت اپنے صالح جیسے ان لڑکیوں کے دیکھنے مسکرانے سے لیکر انکے گھر سے چلے آنے اور حجاب سے تکرار ہونے تک بیان کی۔

شاہ صاحب۔ بیشک ان دونوں کو بھی آج ہی اپنی باہمی محبت کا حال اسیوقت معلوم ہوا۔ بیشک انکا نہ جاننا ہی بہت اچھا تھا۔ انہیں معلوم ہو جاتا تو ان کی ادائیں تم کو بھی خبر کر دیتیں تم زیادہ بیچین ہو کر جلدی سے وصل کی تدبیریں سوچتے۔ خدا کو تمہاری اور ان کی عزت آبرو عصمت بچانا منظور تھی۔

صلاؔ۔ درست

شاہ صاحب۔ تم نے یہ بہت صحیح کہا۔ تم دونوں ان دونوں کو بیاہ لاؤ گے۔ انشاء اللہ یہی ہو گا۔ ہمت بلند چاہیے۔ تمہاری ماں کی دعا بھی قبول ہو گی۔ وہ دونوں لڑکیاں تمہاری محبت سے ایسی مدہوش ہو جائینگی کہ شرم حیا چھوڑ دیں گی صاف وہی کہیں گی جو تمہاری ماں نے کہا ہے۔

صلاؔ۔ شاید

شاہ صاحب۔ ہیں۔ یہ کیا۔ شاید نہیں۔ اس میں ذرا بھی شک نہ کرو۔ یہ بات ضرور ہو گی تم اسی پیچھے رہو یہ ضرور ہو گی۔ ہاں یہ یاد رکھو تم کسی اچھی جگہ پر پہونچ

تو نبیا کو اپنی ماں اور بہت جلد بلا لینا۔
صلاؔ۔ بہت اچھا۔
شاہ صاحب۔ تم بہت جلد شاید دوسرے ہی سال کامیاب واپس آ ؤ گے۔
صلاؔ۔ شاید۔
شاہ صاحب۔ ہیں۔ پھر وہی۔ یہ پست ہمتی ٹھیک نہیں ضرور تم دو سال میں فوج اور توپخانہ کے ساتھ اپنے گانوں میں پہونچو گے اور اوس وقت گاؤں پھر تمہارا ہی ہوگا۔ اس خیال کو خوب مضبوط باندھو۔ یہی تمہاری ہمت کو ابھارتا رہیگا اور تم کو ضرور کامیاب کریگا۔
صلاؔ۔ بہت اچھا۔
شاہ صاحب۔ میں نے تم سے ابھی کہا ہے۔ تمام ملک میں ہر شخص خود مختار بادشاہ ہونا چاہتا ہے اس سے سپاہی کی بہت قدر ہے۔
صلاؔ۔ جی ہاں۔
شاہ صاحب۔ اور خدا کے فضل سے تم اچھے کیلے۔ سجیلے۔ پورے جوان ہو۔ تمہارا ڈیل ڈول فوجی افسری کے لئے بہت موزوں ہے۔ افسر کے مزاج میں جو باتیں ہونا چاہییں وہ سب ادنکے کرم سے تمہاری ذات میں موجود ہیں۔ تم عالی ہمت ہو۔ رحم دل ہو۔ دوسروں کی ہمدردی ہو سکتے ہو انجام بینی کی صفت بہی تم سے ظاہر ہو سکتی۔ تم اپنے ماتحت سپاہی کی قدر۔ عزت جیسی چاہئے کر سکتے ہو۔ تمہارے ماتحت تمہاری بجا رعایتوں اور عنایتوں کے سبب تم سے بہت خوش رہ سکتے ہیں مگر افسوس تم تجربہ کار نہیں ہو۔ نہ تمہاری حیثیت درست ہے۔ اس سبب سے تم یکایک افسری نہیں پا سکتے۔ مگر تم کو سپاہیوں میں بہی بہرتی نہیں ہونا چاہئے۔
صلاؔ۔ کیوں۔
شاہ صاحب۔ اس سے تمہاری ہمت پست ہو جائیگی۔ تم اس حالت سے اسکو بہت اچھا سمجھو گے اور اسی میں عمر بسر کرنے کی نیت کر لوگے۔
صلاؔ۔ پھر میں کیا کروں۔
شاہ صاحب۔ گہبراؤ نہیں۔ تم چند روز اس حالت میں بسر کرو۔ اور دل میں یہ خیال

سفید جار کہو مجھے ترقی کرتا ہے۔ تم کسی فوج میں گھسیاری ہوجاؤ۔ سپاہیوں کے ہر روز مرہ زندگی کی کیفیت لڑائی کے فن کی تدبیریں دیکھ دیکھ کر سیکھو۔ ماشاء اللہ تم ذہین آدمی ہو اور مستقل مزاج بھی ہو تم کو انہیں باتوں میں خوب تعلیم ہو جائیگی۔ اور جسوقت تم کچھ کر دکھانے کے لائق ہوجاؤ گی تقدیر تمہیں اسکا موقع دیگی۔ اور ضرور دیگی۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب۔ فوج میں اس حالت سے رہ کر تم اپنے برتاؤ۔ چال چلن سے لوگونکے دلوں میں اپنی وقعت۔ عزت۔ اور محبت اس حالت سے زیادہ پیدا کرو جس میں تم وہاں رہو۔ مجھے خوب یقین ہے تم اس میں کامیاب ہوگے۔ میں تمہارے مزاج سے خوب واقف ہوں۔ جیسا تجربہ کار زمانہ دیدہ آدمی جب اس حالت میں کہ تم لنگوٹا باندھے گھاس کا گٹھا سر پر لئے یہاں آئے تھے تمہاری عزت اس حالت سے بہت زیادہ کرتا تھا تو تم فوج کے سپاہیوں اور افسروں میں اس سے کہیں زیادہ وقعت دار ثابت ہو کر رہوگے۔ بیٹا اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔ کسی نے بہت سچ کہا ہے کہ کوزہ میں دریا کو بند کیا ہے۔ اس چھوٹے سے جملہ پر جسقدر غور کرو اسکے معنی کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ تم اس کو یاد رکھنا بلکہ ہر وقت پیش نظر رکھنا۔

صلا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ تم اپنے ماموں کا بہت احسان ماننا چاہئے۔ انہوں نے تم کو اچھی تعلیم دی۔ وہ بڑے عقلمند تجربہ کار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے تم کو بری صحبت سے بچایا۔ پست ہمت لڑکوں کے ساتھ کھیلنے نہ دیا۔ تمہاری غیرت۔ ہمت خودداری کی بہت حفاظت کی تم کو ایماندار۔ سچائی ۔ نام پرست جاننے کی تعلیم کی۔ تمہارا مزاج کو غور پسند۔ انجام بین بنایا۔ تمہیں کچھ حاصل کرنے کی عادت ڈالی۔ اتفاقات شرط ہے۔ ذرا غور کرو تو انہوں نے بچپن سے اسوقت تک باتوں ہی باتوں میں تمہیں بہت کچھ سکھایا۔ مجھے بھی تعجب ہے وہ خود ایسے کیوں ہیں۔ سلاسے کہ مجھ میں نہیں آتا کہ کسی اچھے استاد کے شاگرد ہیں۔

صلا۔ جی ہاں۔ میاں سید محمد شاہ کے شاگرد ہیں۔

شاہ صاحب۔ درست۔ مگر تمہیں

صلاؔ۔ جی ہاں بچپن میں نہیں۔ اچھے خاصے جوان تھے ہم دونوں کو کچھ کچھ میاں صاحب کی صورت یاد ہے۔

شاہ صاحب۔ ہٹیلے۔ جبھی خود انہوں نے اس ذلیل حالت سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ بیٹا یہ یاد رکھو ۳۰ برس کی عمر تک انسان کے دل میں ترقی کرنیکا ولولہ بڑے زوروں پر ہوتا ہے پھر دھیما پڑ جاتا ہے۔ اس عمر میں اوس نے ترقی کی بنیاد ڈالی تو آیندہ چلکر اوسپر عالیشان عمارت بنا لیتا ہے۔ ورنہ ویسا ہی رہتا ہے رہیں جھونپڑی میں اور خواب دیکھیں محلوں کا۔ انکی عمر اس وقت ۴۰ کے قریب ہوگی۔

صلاؔ۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ جبھی۔ اور بیوی مر چکی تھیں۔ تم دونوں کی تعلیم مد نظر تھی پھر وہ گھر سے کیا نکلتے اور گھر میں کیا خاک ترقی کرتے۔

صلاؔ۔ درست۔

شاہ صاحب۔ میاں محمد شاہ بہت اچھے بہادر سپاہی۔ بڑے عقلمند اہل دل آدمی تھے۔ لکڑی خوب جانتے تھے۔

صلاؔ۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ پھر تمہارے ماموں نے سپاہگری کے فن تمہیں نہیں سکھائے۔

صلاؔ۔ کچھ بتائے ہیں۔ مگر اب تک کہیں جانیکو منع کرتے تھے۔ اب پانچ چھ مہینے سے کہتے تھے۔ تم دونوں کی شادی کر دیں تو تم کہیں باہر جاؤ۔

شاہ صاحب۔ اسکی میں کیا مصلحت تھی تم سمجھے۔

صلاؔ۔ جی نہیں۔

شاہ صاحب۔ انہیں یہ یقین تھا شادی کرنے سے پہلے تم اونسے الگ باہر جاؤ گے۔ تو بدراہ ہو جاؤگے تمہاری شرم حیا ہمت مستقل مزاجی جفاکشی سب ندارد ہو جاتی۔ بیشک بہت اچھا خیال تھا۔ تم جوان اور خوبصورت جوان ہو ضرور اس بلا میں مبتلا ہو جاتے اور یہ کمبخت ہوس پرستی آدمی کی سب خوبیاں کھو دیتی ہے۔ دیکھو تم میری یہ نصیحت خوب یاد رکھنا کبھی بھولکے سے بھی سیاہ کاری کا خیال نہ کرنا۔ مگر اب تم اس کوچہ میں نہ جاؤ گے۔ تم ایک پردہ نشین باعصمت کنواری کی شیدا ہو چکے ہو۔

تم نے اوسکے ہو رہنے کی تدبیر میں گہر سے قدم نکالا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ تم اوسے نہ بہولنا۔ یہ نیت رکہنا یہ سب دولت عزت پیدا کرنے کا قصد صرف اُسکے ہو رہنے کے خیال سے ہے۔ اور جب تم اچھی جگہہ پر پہونچ جاؤ ضرور اسی طرح گہر جانا جس طرح جانیکا تم نے وعدہ کیا ہے۔ اور اوسے ضرور بیاہ لانا۔ تم اوسے بہول جاؤگے تو وہ تڑپ تڑپ کے مرجائیگی۔ خوب یاد رکہو اُسے تم سے بہت محبت ہے وہ اپنا دل کسی اور کو نہیں دیگی۔ تم کسی اور کے ہو گئے تو وہ مرہی جائیگی بیٹا عورتوں کی محبت انکی شرم حیا کے سبب ظاہر نہیں ہوتی۔

صلا۔ نہیں حضور میں اپنا قول نباہوں گا۔

شاہ صاحب۔ بس اب تمہارا سفر کرنا بہت مناسب بلکہ ضروری ہے۔ ہاں بتاو۔ تم کو تمہارے ماموں نے کیا سکھایا ہے۔

صلا۔ حضور لکڑی کے سب فن اور بنوٹ۔ مگر نہیں معلوم کیوں یہ ہمیشہ تاکید کرتے رہے ہے ظاہر نہ کرنا بلکہ خود بہی اپنا ہنر سب سے چہپاتے تہے۔

شاہ صاحب۔ اس میں یہ مصلحت تہی اس کی شہرت ہوگی۔ لوگ اِسکے سیکہنے کے لئے تمہارے پاس آئینگے۔ ان میں سبہی قسم کے نیک اور بد آدمی ہوں گے تمہاری عادتیں اُنکے نزدیک استوار نہ تہیں۔ تم کو ایسی صحبت سے بچانا ضروری تہا جو تم کو بری راہ دکہا سکے۔ اور انھوں نے خود یہ فن تمہاری تربیت کے خیال سے سیکہا تہا وہ خود اِسے کچھہ کمانا نہیں چاہتے تہے۔ انہوں نے تمکو شروع سے مزدوری پہ لگایا اور تمہارے خیالات اپنی عمدہ عملی تدبیروں اور مفید نصیحتوں سے پست نہ ہونے دے۔ اس سے اونکی یہی غرض تہی۔ تم محنتی۔ چست چالاک جفاکش ہوجاؤ۔ ورنہ ممکن تہا کہ وہ تم کو کہیں کسی رئیس کے یہاں لیجاتے۔ اور اسی فن کے ذریعہ سے نوکری کرا دیتے۔ ان کا یہ مقصود تہا کہ تمہاری ہمت اور غیرت کو ایک بیک کسی معقول ذریعے ایسے وقت میں جوش آئے جبکہ تمہاری نیک عادتیں پختہ ہوچکی ہوں۔ میرے خیال میں وہ تمہاری محبت سے آگاہ ہوگئے تہے۔ انہوں نے خود یہ تدبیر تمہیں جوش دلانے کے لئے کی۔ اور اچھی تدبیر کی۔ اب تم میری نصیحتوں کو یاد رکہو اور کمر ہمت خوب چست باندہو۔ یہاں سے سیدہے دلی جاؤ وہاں کہی

فوج کی کسی جماعت میں چند روز ویسے ہی بسر کرو۔ جیسے میں نے پہلے کہا ہے۔

صلاؔ۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ میرے نزدیک یہ مناسب ہے کہ دلی پہونچکر تم ایک جانور لیلو اوسی پر گھانس لادکر سواروں کے گھوڑوں کو پہونچایا کرو اور خود بھی اوس پر سوار ہوتے رہو۔ پرسوں مجھے ایک پہلے مالک نے کچھ سو روپیہ زبردستی دیئے ہیں۔ میں سوچتا تہا انکو کیا کروں گا کیسے خرچ ہونگے۔ میں اونکے بوجھ سے کیونکر ہلکا ہوں گا۔ آج انکا مصرف میری سمجھ میں آگیا۔ وہ روپیہ تم لیلو۔

صلاؔ۔ حضور میں اتنے روپیہ کیا کروں گا۔ اور پھر آپسے لیکر۔

شاہ صاحب۔ شکر ہے۔ تم قانع اور سیر چشم بھی ہو۔ اب مجھے امید ہوئی میں وہ امانت تم کو جس کام کے لئے سپرد کروں گا تم اوسکو اوسی کام میں خرچ کروگے میں تمہاری زبان سے کوئی لفظ بھی اپنے خیال کے خلاف سنتا یا تمہارے بشرہ سے مجھے شک ہوتا تو میں بری طرح تم سے پیش آتا۔ سنو۔ میں وہ روپیہ تم کو صرف اسلئے دیتا ہوں۔ تم اوس سے اچھا سا جانور مول لیکر اوس سے وہی کام لینا جو میں نے بتایا ہے۔ یہ یاد رکھو تم نے میری ہدایت کے خلاف ایک کوڑی بھی کسی اور کام میں خرچ کی تو تم دنیا میں بہت ذلت اوٹھاؤگے۔ ہمیشہ اس حالت میں رہنا تو بہت غنیمت ہے۔ اس سے زیادہ بری حالت کو پہونچوگے اور بڑی مصیبتیں اوٹھاؤگے۔

صلاؔ۔ میں حضور کے حکم کے خلاف کبھی نہ کروں گا۔

شاہ صاحب۔ اس تدبیر سے میری یہ غرض ہے۔ تمہاری وقعت فوج والوں میں معمولی گھسیارہ سے زیادہ ہو۔ اور میں گھوڑا لیکر تمہیں سواروں میں بھرتی ہونیکی ہدایت کیوں نہیں کرتا۔ اسکی وجہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس صورت سے یہ حالت بہت اچھی ہے اس طرح تم اپنا وقار اون لوگوں میں پیدا کروگے اور کبھی کسی موقع پر نوکر سواروں کی طرح کوئی خدمت کروگے اور تم سے کوئی کام بن پڑے گا تو اسکی بہت وقعت ہوگی۔

صلاؔ۔ درست۔

شاہ صاحب مغرب کے نماز کے بعد میں تم کو روپیہ دوں گا۔ اور کچھ اور کہوں گا۔ تم بھی وضو کر لو۔ جب تک ہو سکے ہر وقت تازہ وضو کرنا بہت اچھا ہے۔ میں تمہارے ماموں کی اس بات سے بھی بہت خوش ہوں کہ انھوں نے تم کو ذلیل حالت میں رکھا مگر تمہارے خیالات کو پستی سے بچایا۔ تم کو روزہ نماز کے پابندی اور مسلمانوں کے سب عقاید کے اخلاق کی تعلیم باتوں ہی باتوں میں خوب کی۔ یہ یاد رکھو مذہب کی پابندی آدمی کو بہت سی برائیوں سے بچالی ہے آزاد منش لامذہب آدمی اکثر بہت بڑے ہوتے ہیں۔

دونوں نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد شاہ صاحب نے کچھ حساب لگا کر وقت دریافت کیا۔ اور کاغذ قلم دوات لیکر بیٹھ گئے سب سے پہلے انھوں نے ایک تعویذ لکھ کر صلاؔ کے بازو پر باندھا۔ پھر ایک تلوار اوسے دی۔

صلاؔ۔ حضور تلوار میرے پاس ہے۔

شاہ صاحب۔ مگر یہ تلوار میں تمہیں اپنی خوشی سے دیتا ہوں۔

صلاؔ۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ اس تلوار پر دیکھو یہ پانچ سرخ تل کا ایک گچھا ہے۔

صلاؔ۔ حضور ت

شاہ صاحب۔ جسکی کمر میں یہ تلوار ہو اوسکے بائیں بازو پر بھی ایسے ہی تل ہونا چاہئیں اس تلوار کا مالک ہر معرکہ میں سرخ رو ہوتا اور ہر آفت سے محفوظ رہتا ہے۔

صلاؔ۔ (اپنے بازو کو دیکھ کے) اور میرے بازو پر تل نہیں ہے

شاہ صاحب۔ نہوں تو کیا ہرج ہے۔

صلاؔ۔ مگر حضور نے ابھی کہا۔

شاہ صاحب۔ ہاں۔۔۔۔ تم میرا مطلب نہیں سمجھے سنو۔ یہ خال اس تلوار میں بنائے گئے ہیں۔ ان کا یہ اثر ہے۔ جسکے کمر میں یہ تلوار رہیگی وہ ہمیشہ دشمن پر غالب آئیگا۔ اور ہر آفت سے محفوظ رہیگا۔ یہ خال بہت محنت سے ایک خاص وقت پر بنائے جاتے ہیں جب ایسی تلوار بن جاتی ہے تو اوسکے بازو پر بھی تل بنائے جاتے ہیں جسکی کمر میں یہ تلوار لگانا منظور ہوتی ہے بازو پر تل بنانے کیلئے کوئی خاص دن مقرر

نہیں ہے نہ اس میں کچھ محنت ہے۔ ہر روز ایک ساعت میں یہ تل بازو پر بن سکتے ہیں ایک گھڑی ۲۰ پل کے بعد وہ ساعت آئیگی میں تمہارے بازو پر ایسا ہی گچھا بنا دوں گا۔

صلاؔ۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ بازو پر تل بنانے کا یہ اثر ہے۔ تمہاری اولاد میں ہر مرد کے بازو پر ایسے ہی تلوں کا گچھا ہوگا۔ اور اس میں سب اچھی صفتیں ہونگی۔

صلاؔ۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ کوئی شخص ایسے ہی تل بنالے تو تم اوسے بہت آسانی سے پہچان سکتے ہو۔

صلاؔ۔ حضور۔ میں نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ کیونکہ یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ تلوار اوس شخص کی ہے جسکے بازو پر ایسے ہی تل ہیں۔ وہ تمہیں دھوکا دیکر یہ لیا ہے۔۔۔

صلاؔ۔ کیسے ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ کیوں نہیں عالم سے کہے تلوار میری بازو پر ایسے ہی تل ہیں اور وہ اصلی ہیں اس نے خود بنائے ہیں اور تلوار میرے حوالی ہے۔ تم کیا جواب دو۔ یا کئی پشت کے بعد کوئی شخص کسی طرح کا فریب دینے کی غرض سے تمہاری اولاد میں سے کسی سے کہے ہم بھی اوسی شخص کی اولاد سے ہیں جسکی وہ تلوار ہے۔ ہمارے بازو پر بھی ویسے ہی تل ہیں تو وہ کیا جواب دیگا۔

صلاؔ۔ حضور۔

شاہ صاحب۔ اسی دن کے واسطے اس میں یہ صنعت رکھی گئی ہے۔ جعلساز کے بازو پر تلوار کا یہ مقام جہاں یہ تل ہیں رکھدیا جائے اگر اوسکے بازو کے تل کسی اور تدبیر یا رنگ سے بنائے گئے ہونگے تو فوراً آبلہ پڑجائے گا آبلہ توڑدیا جائے گا۔ تل مٹ جائینگے۔ اور تمہارے یا تمہارے اولاد کے بازو سے یہ علامت کسی طرح دور نہیں ہوسکتی بازو کا گوشت الگ کردیا جائے تو ہڈی پر بھی نشان نمودار ہوگا۔ اس نقش کا یہ بھی اثر ہے۔ جسکے بازو پر یہ نقش ہوگا اور کمر میں یہ تلوار ہوگی

وہ بہت خوش نصیب۔ نہایت حسین اور ہر دلعزیز ہوگا۔

صلا۔ درست۔ اور یہ تعویذ جو حضور نے باندھا ہے۔

شاہ صاحب۔ یہ تعویذ بھی تمہارے نسل کے لئے موروثی ہے۔ تعویذ والے پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے انجام بخیر ہوگا۔ تمہارے لڑکا پیدا ہو تو یہی تعویذ اوسکے داہنے بازو پر باندھ دینا چاہئے۔

صلا۔ اور لڑکی کے۔

شاہ صاحب۔ کچھ ضرورت نہیں۔ اچھا اب وقت آگیا۔ اپنا بازو کھولو۔

صلا نے بازو کھول دیا شاہ صاحب نے ایک دستہ دار اوزار نکالا جس میں پانچ لانبی سوئیاں باریک نوک کی لگی ہیں۔ ان سوئیوں کی نوکیں اونہوں نے ایک عرق میں ڈبو کے تلوار کے اوس نشان کے پانچوں تلوں پر رکھیں ایک پل سے پہلے اونہیں وہاں سے ہٹا لیا پھر ایک عرق میں ڈبو دیا۔ پھر اوسے نشان پر بدستور اتنی ہی دیر رکھا پھر خفیف سی آگ میں وہ نوکیں اس طرح گرم کیں کہ دستہ ان کے ہاتھ ہی میں رہا۔ نوکیں اتنی گرم ہوگئیں جتنی وہ چاہتے تھے۔ تو انہیں ایک عرق میں بجھا دیا۔ اب وہ بالکل سرخ ہوگئیں۔

صلا۔ حضور یہ کچھ

شاہ صاحب۔ یہی رنگ چاہئے۔ اب یہ تیار ہیں۔ لاؤ اپنا بازو لاؤ۔

صلا نے بازو بڑھا دیا۔ شاہ صاحب نے اوس پر کوئی عرق ایسا ملا کہ فوراً جذب ہوگیا۔

صلا۔ حضور یہ تو اوڑ گیا۔

شاہ صاحب۔ نہیں جسم میں سرایت کرگیا اب ذرا اپنے بازو کو سینک لو۔

چار بار وہ دوا لگائی گئی بازو سینکا گیا۔ پھر شاہ صاحب نے وہ سرخ نوکیں ایک ساتھ بازو میں چبھو دیں۔ صلا ویسا ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اور کیوں نہ بیٹھا رہتا۔ درد بالکل نہ ہوا۔ نہ خون نکلا۔

شاہ صاحب۔ یہ سوئیاں کہاں تک پہونچی ہونگی۔

صلا۔ کیا معلوم۔ درد [illegible] ہی نہیں ہوا۔

شاہ صاحب۔ یہ بڑی بزرگی ہیں۔
یہ کہکر انہوں نے ایک عرق اُن سوئیوں پر ٹپکایا۔ اور جلدی سے اونہیں نکال لیا۔ فوراً زخموں کے منہ بند ہوگئے اور بازو پر ویسا ہی گچھا تلوں کا نمودار ہوگیا۔

صلا۔ اب یہ بنگیا۔

شاہ صاحب۔ ہاں۔ یہ یاد رکھو اس تلوار کو ہر سال ایک بار چند گھڑی تک سرکہ اور عرق سیر میں ڈبو رکھنا۔ ایک دن ایک رات ڈوبی رہی تو پھر پندرہ برس تک اس عمل کی ضرورت نہیں۔

صلا۔ حضور میں یہ نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ سال میں ایک دن اس تلوار کو دو گھڑی کے لئے عرق سیر اور سرکہ میں ڈالدینا۔

صلا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ ہر سال یہ عمل کرنا ناگوار ہو تو ایک رات دن اسے انہیں چیزوں میں تر رکھنا پھر پندرہ سال تک تمہیں اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ سولہویں سال پھر وہی عمل کرنا چاہیئے۔ اپنی اولاد کو یہی وصیت کر دینا۔ میں تم کو ایک تصویر بھی دوں گا۔ وہ میں نے بہت محنت سے ایک خاص ترکیب کے ساتھ بنائی ہے۔ میں نے تم کو جب پہلے پہل دیکھا تمہارے قیافے نے مجھے بتا دیا تم کسی وقت صاحب اقبال ہوگے۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی تم کو تمہارے کاموں میں کچھ مدد دوں۔ میں نے اوسی دن سے ان چیزوں کیلئے تیاری کی بنیاد ڈالی۔ اور چند روز میں تیار کر لیں وقت کا منتظر رہا۔

صلا۔ حضور اس تصویر سے۔

شاہ صاحب۔ تمہاری اولاد بہت خوبصورت ہوگی۔ یہ حسن اسوقت تک تمہاری نسل میں رہیگا۔ جب تک یہ تصویر حاملہ کو ہر روز ایک وقت دکھائی جائے گی۔ تمہاری سب اولاد کے نقش و نگار اس تصویر سے ملتے ہونگے۔ یہ تصویر تمہارے نقشے سے بالکل مشابہ نہیں ہے بلکہ اس میں تمہارے نقش و نگار میں کچھ تصرف کرکے ایسی صورت بنائی گئی ہے جو مرد عورت [illegible]ن کے لئے موزوں ہو تصویر

دکھانے کا یہ اثر ہے کہ تمہاری اولاد میں مرد سب ایک قد ایک نقشہ کے ہونگے جو اس تصویر کے چہرہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور عورتیں سب ایک شکل کی۔ انکی شکل کا نقشہ بھی اسی تصویر کے چہرہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

صلا۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔

شاہ صاحب۔ یہ تصویر ایسے وقت خاص میں ایسے علم کے ذریعہ سے بنائی گئی ہے جسکا یہ اثر ہے کہ تمہاری اولاد سب خوبصورت ہو۔ اور اس تصویر کے نقشہ میں تمہارا اصلی نقشہ کو ذرا بدل کر ایسا کر دیا ہے۔ کہ مصوری کے فن کے ذرا سے پھیر بدل سے

صلا۔ یہ اوس سے بھی مشکل ہے۔ مصوری کے فن کے ذرا سے پھیر بدل سے ہو گیا۔

شاہ صاحب۔ سنو۔ یہ تصویر جو ہو بہو تمہاری تصویر نہیں ہے۔ میں نے اپنے خیال کے موافق تمہارے ماں باپ کی تصویر کھینچی۔ تمہاری تصویر کھینچی۔ تینوں نقشوں کو پیش نظر رکھا انکے نقش و نگار سے مرکب کر کے یہ تصویر بنائی۔ یوں سمجھو انکے چہرہ کے ہر ایک جزو کے تین حصے کئے اور ہر حصہ ایک تصویر کے مطابق بنایا۔ مثلاً ناک کی شبیہ کے تین حصے کئے۔ بانسا۔ نتھنے۔ نوک۔ ان تینوں حصوں کو انہیں تصویروں کی ناک کے انہیں حصوں کے مطابق بنایا ہے۔ بانسا تمہاری ماں کے ناک کا سا نتھنے تمہارے ایسے۔ نوک تمہارے باپ کے ایسی ہے اور سب عضو کو سمجھ لو۔ اس طرح یہ ایک تصویر تین تصویروں سے مرکب بنی۔ سو میں نے علم نیرنجات کے ذریعہ سے یہ تدبیر کی کہ جو حامل اس تصویر کو دیکھے اوسکے بیٹا خوبصورت ایسی شکل کا پیدا ہو جو اس تصویر سے پیدا ہو سکے اور ایسی ہی بیٹی کے نسبت سمجھ لو۔ اب تو سمجھ گئے۔

صلا۔ جی ہاں۔ مگر اس سے فائدہ۔

شاہ صاحب۔ اولاد کا خوبصورت ہونا تھوڑی نعمت ہے۔ بازو کے نقش اور نشان کے اثر سے وہ سعادتمند ہونگے اور اسکے اثر سے خوبصورت۔

صلا۔ مگر حضور کو کیا حاصل ہوگا۔

شاہ صاحب۔ میری یادگار تک تمہاری نسل میں رہے گی۔ اور میں نے یہ سب

ان لوگوں کو فائدہ ہی پہونچانے کے لئے سیکھے ہیں۔

صلا۔ مگر ایسے فائدہ کا مستحق میں ہوں۔

شاہ صاحب۔ جلدی سے مستحق وہی ہے جسے میں چاہوں۔ مجھے تم سے روز اول ہی سے بہت محبت ہے۔ اور اسی محبت کا یہ انعام سمجھو۔ اور یہ محبت تمہاری طالع کا اثر ہے۔ اس دنیا میں کا آدمی فرد ہر دلعزیز ہوتا ہے۔

صلا۔ مگر میرے گاؤں میں سب مجھے کیوں ذلیل جانتے تھے۔

شاہ صاحب۔ ذلیل کیا جانتے تھے۔ سب اپنی سمجھ اور عقل کے موافق تمہاری قدر کرتے تھے اور یہ جھگڑا۔ یہ تمہارے طالع کا اثر تھا کہ ایک وقت تم اس طرح وطن سے نکلو۔ اور کامیاب واپس آؤ ورنہ خیال کرو کوئی اور اس حیثیت کا آدمی شہسوار خاں کے منہ پر وہی بات کہتا جو تم نے کہی۔ تمہی بتاؤ وہ اسے کیا سزا دیتا۔ تمہارے طالع ہی کا اثر ہے کہ تم کو اس بُری حالت میں بھی دیکھکر مریم نے پسند کر لیا۔ ورنہ عورتیں سب سے پہلے مال و دولت اور ہنر کو دیکھتی ہیں۔ یہ کہو کہ وہ ابھی نادان ہے۔ تو نادان سب سے زیادہ دولت پر گرتی ہیں۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب میری یہ خوشی ہے۔ تم کو ثروت ہو تو اپنے خاندان کا روزنامچہ ضرور مرتب کرانا۔ اس میں میرا بھی تذکرہ ہو۔ آئندہ کے لئے اپنی اولاد کو روزنامچہ برابر لکھتے رہنا۔ اور میرے فاتحہ کرنے کی وصیت ضرور کرنا۔ میں اس خدمت کے عوض میں صرف ثواب آخرت چاہتا ہوں۔ روزنامچہ لکھنے سے تمہاری اولاد کو وہی فائدہ ہوگا جو تاریخ دیکھنے سے انسان کو ہو سکتا ہے۔ سو لوگوں کو اچھے بُرے حالات لکھنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ نہیں پڑھ کر آئندہ نسل اُن خرابیوں سے بچے۔ اور اُن خوبیوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اگلے لوگوں میں تھیں جنہوں نے انکو تاریخی آدمی بنایا تھا۔ اسکے علاوہ اپنا روزنامچہ لکھنے والا اپنے ہی افعال سے نصیحت اور عبرت حاصل کر سکتا ہے ہاں اپنی اولاد میں یہ بھی وصیت کرنا کہ ہر شخص کے بچپن اور جوانی کی تصویر ضرور کھنچوائی جائے۔ اس سے انکو میرے اس قول کی جو اس تصویر کے

کھینچنے میں لیا گیا ہے قدر ہوگی دیکھنے والے اچھی طرح دیکھ لینگے کہ کسی کا نقشہ اس تصویر سے بالکل الگ نہ ہوگا۔ یہ بھی وصیت کرنا۔ ہر بچہ کا زائچہ ضرور کھینچا جائے اوسکے بچپنے کی تصویر کے ساتھ رکھا جائے۔

صلا۔ بہت اچھا۔

شاہ صاحب۔ یہ دوسری تلوار لو۔ یہ تمہارے بھائی نبیا کے نام سے بنائی گئی ہے۔ اور یہ بازو بند اوسکی اولاد کے لئے ہے۔ اسکی نسل میں لڑکیاں زیادہ ہونگی لڑکے کم اور لڑکیاں اکثر تمہارے خاندان میں بیاہ کے آئینگی۔ یہ بازو بند زمرد کا منقش ہے۔ اسکی نقل نبیا کے زائچہ میں ہے اور وصیت نامہ میں بھی ہوگی یہ نبیا کی بیوی کے بازو پر باندھا جائے جب لڑکی پیدا ہو اُسکے بازو پر باندھ دیا جائے اس طرح یہ سلسلہ جاری رہے اس بازو بند سے اسکے نسل کے لڑکیوں کی عصمت و آبرو ہر آفت بلا سے محفوظ رہے گی۔ وہ اپنی بچاؤ کے لئے ایسی مصیبت کے وقت کوئی تدبیر کریں گے تو وہ کارگر ہوگی۔ کیسی مصیبت میں وہ گرفتار ہو جائیں انجام بخیر ہوگا اوس سے بھی روزنامچہ لکھنے اور تصویر کھچوانے کی ہدایت ضرور کرنا اوس روزنامچہ میں بھی میرا تذکرہ ضرور ہو اور میرے تاکید اوس خاندان میں بھی ضرور کیا جائے۔ یہ لو اوسکے آیندہ خاندان کے لئے یہ تصویر ہے۔ یہ بھی اوسی طرح اوسی ترکیب اور عمل سے تیار کی گئی ہے اور اوس کا اثر بھی وہی ہے۔ یہ دوسرا بازو بند فیروزہ ہے جو شخص اسے اپنے بازو پر رکھے گا وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ یہ بھی نبیا کی اولاد کے لئے ہے جس شخص کے پاس سے یہ بازو بند گم ہو جائے گا وہ بہت سخت مصیبت اوٹھائے گا۔ یہی اثر اسکے ٹوٹ جانے کا بھی ہے۔ اجس شخص کے ذریعہ سے گم شدہ بازو بند پایا اسکا ٹکڑا اسکے مالک کو ملیگا وہ بازو بند والے کا بہت پیارا ہوگا بازو بند ملتے ہی تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔

صلا۔ (تلوار کو دیکھکر) درست۔ مگر اس تلوار پر ویسی تل نہیں ہیں۔

شاہ صاحب۔ یہ دوسری ترکیب سے بنائی گئی ہے۔ یہ دیکھو اسکے عین وسط میں سیاہ خال ہے۔ یہ زنگ نہیں ہے۔ یہ سیاہی دیکھو تلوار کے دونوں طرف اس جگہ ایک سی ہے۔

صلا۔ جی ہاں۔

شاہ صاحب۔ (ایک سلائی دیکر) یہ سلائی ایسا ہی تل بنانے کے لئے ہے۔ اس کی نوک نیبو کے عرق میں تر کرکے نبیا کے سینہ پر دونوں چھاتیوں کے بیچ میں کھدینا اسیوقت ایسی صورت کا تل اوسکے سینہ پر بن جائیگا۔ یہ تل اوسکے نسل کے ہر ایک مرد اور عورت کے ضرور ہوگا۔ جسکے یہ تل ہوگا وہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہیگا کسی مصیبت میں مبتلا ہی ہوگا تو انجام بخیر ہوگا۔ میں نے یہ سب تدبیریں اس لئے کی ہیں کہ تمہاری اولاد ہر ایک آفت اور بلا سے محفوظ رہے۔

صلا۔ حضور ایک دفعہ ماموں نے ایک پہلوان کا قصہ کہا تھا اوسکا جسم فولاد کا تھا۔ وہ رستم سے لڑا تھا۔ رستم کا کچھ بس نہ چلا تو اس نے اوسکی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔

شاہ صاحب۔ ہاں اسفندیار کو روئیں تن لکھا ہے۔

صلا۔ ہاں یہ نام لیا تھا۔ ماموں نے یہ بھی کہا تھا کسی فقیر کی دعا سے اوسکا تمام جسم فولاد کا ہو گیا تھا۔

شاہ صاحب۔ وہ قصہ سچ ہو یا جھوٹ ہم نہیں کہہ سکتے مگر انسان کا جسم۔

صلا۔ حضور نے ابھی کہا اوسکا قصہ لکھا ہے۔

شاہ صاحب۔ پھر۔

صلا۔ کتابوں میں ہے۔

شاہ صاحب۔ کیوں۔ جیسے جھوٹ سچ زبان سے کہتے ہیں ویسے ہی لکھتے بھی ہیں۔

صلا۔ تو وہ قصہ جھوٹ ہے۔

شاہ صاحب۔ نہیں میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ جھوٹا ہی ہے۔ نہ سچا کہہ سکتا ہوں۔

صلا۔ حضور۔ آدمی کا جسم فولاد کا ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ فولاد نہیں۔ روئیں اژدہات کو کہتے ہیں۔

صلا۔ وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

شاہ صاحب۔ بیشک۔

صلا۔ یہ کیسے ہو جاتا ہے۔ اور آدمی زندہ کیسے رہتا ہے۔

شاہ صاحب۔ (مسکراتے ہوئے) روئیں تن ہو جانے سے یہ مراد ہے۔ اوسکے جسم پر کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ جسم کہیں فولاد کا ہو سکتا ہے۔ علم نیرنجات میں ایسی ترکیبیں ہیں جنسے یہ مدعا حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر بہت مشکل ہیں۔ برسوں کی محنت سے یہ عمل کامل ہوتا ہے۔

صلا۔ درست۔

شاہ صاحب (کچھ حساب کرکے) اچھا اب تم اپنا اسباب باندھو۔ بہت جلد ابھی وقت چلے جاؤ۔ تمہارے جانے کے لئے اس سے اچھی ساعت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

صلا نے فوراً اوس حکم کی تعمیل کی۔ گٹھری میں سب چیزیں باندھ لیں۔

شاہ صاحب۔ (کچھ دعا پڑھکر) میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ خدا سے یہ وعدہ کرو کہ میں اپنا ایک بیٹا تیری نذر کردونگا۔ اس نذر کا صرف یہی مطلب ہے کہ ہمارا بیٹا بلکہ تمہاری اولاد سے ایک مرد کسی وقت جبکہ وہ دنیا کے تعلقات چھوڑنا چاہتا ہو ترک دنیا کرکے فقیر ہو جائے۔ اور ہمارے سلسلہ درویشی میں داخل ہو تم اپنے خاندان میں یہ وصیت جاری رکھنے کا تاکیدی حکم دینا جو شخص اس نذر کو ادا کرے گا اس سے میری روح بہت خوش ہوگی۔ ہمارے خاندان کے جانشین فقیر بھی تمہارے سلسلہ کے مردوں کو یہ وصیت یاد دلاتے رہینگے۔

صلا۔ بہت خوب (اوس نے کھڑے ہو کر دی اقرار کیا)

شاہ صاحب۔ (اونگلی سے اوسکے ماتھے پر کچھ لکھکر) یہ پیشانی ہمیشہ چمکتی رہیگی۔ جاؤ خدا حافظ۔ ہاں یاد رکھو وطن آؤ تو مجھے اسوقت ملنا جب تم مریم کو بیاہ کے لے آؤ۔

صلا میاں بہت خوب کہکر اوسی وقت روانہ ہو گئے ہمیں معلوم کہاں گئے پھر اونکی خبر کیسکو نہ ملی ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں اونکے جانے کے ٹھیک چار مہینے کے بعد بنیا اوسکا باپ۔ صلا کی ماں سب اوس گاؤں سے غائب ہو گئے تھے مگر اس عرصہ میں انکے سامنے مریم اور ہاجرہ کی نسبت کے پیام کئی جگہ سے آئے تھے اور شہسوار نے سب کو جواب دیدیا تھا۔ آخرکار ایک بہت آسودہ حال زمیندار کے دونوں لڑکوں سے انکی نسبت ٹھہر گئی تھی زمیندار صاحب کئی گاؤں کے مالک تھے شہسوار اور اونکے بیوی دیدیرو دولت دیکھکے ریجھ گئے۔ لڑکوں کی چال

چلن صورت شکل حسب نسب کی بابت کوبھی کسی سے دریافت نہ کیا۔ لڑکے دونوں بہت بدصورت بڑے آوارہ تھے دنیا کا کوئی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں نہ ہو جب سے اس نسبت کے تذکرے شروع ہوئے تھے۔ اور مریم اور ہاجرہ نے اپنے ماں باپ کی مرضی دریافت کرلی تھی۔ اسیوقت سے دونوں نے صاف کہدیا تھا۔ ہم ان بدمعاشوں کے گھر نجائینگے بہت جبر کروگے تو ہم مرجائینگے مگر ان بیچاریوں کی کون سنتا تھا۔ بلکہ انہوں نے پھر جب کبھی یہ بات کہی ماں باپ نے انہیں خوب مارا بہت اذیتیں دیں۔ اور منگنی کی تقریب کی تاریخ مقرر کردی۔ پھر بھی وہ دونوں وہی کہتی رہیں اور اب تو صاف طور سے کہہ دیا تھا۔ ہماری شادی صلا اور نبیا ہی سے ہوگی نہیں ہم یونہیں نامراد دنیا سے چلے جائینگے مگر ادنکی کوئی نہ سنتا تھا۔ جیسے جیسے وہ انکار پر اصرار کرتی تھیں ویسے ہی اونکے ماں باپ اپنی جبر ظلم زیادہ کرتے تھے۔

وہ اونکی نسبتیں مگر بدنام اور ذلیل بھی خوب ہوئیں۔ تمام گاؤں میں نہیں آس پاس کے سب بستیوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی تھی۔ شہسوار اپنی لڑکیوں کی نسبت جس جگہ کرتے تھے وہاں منظور نہیں کرتیں صلا اور نبیا سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اور شہسوار کے سمدھیانے میں تو یہ خبریں پہونچی ہی تھی۔ لڑکیاں دونوں کہیں اچھی ہوئی تھیں۔ اور کہیں اوسی گاؤں میں دو سائیس تھے۔ صلا اور نبیا وہ گھر میں آتے جاتے تھے ماں باپ نے اُسے دیکھ لیا۔ اونہیں گاؤں سے نکلوادیا۔ مگر لڑکیاں ہنوز اونہیں نہیں بھولیں۔ اب صاف صاف کہتی ہیں۔ ہم انہیں کے ساتھ شادی کریں گے۔ سمدھیانے والے غیرتدار تھے اونہوں نے یہ بات سنتے ہی شہسوار کو صاف جواب دیدیا یہ سب واقعات صلا کی ماں کے سامنے ہو رہے تھے وہ انہیں سنکر خوش ہو رہی تھی۔

شہسوار بھی اپنے ذہن کے پورے تھے وہاں سے جواب ملا تو اونہوں نے علیگڑھ میں جسے اس وقت کول کہتے تھے۔ ایک اونچے گھر میں نسبت ٹھرائی یہ دونوں لڑکے بھی باہم حقیقی بھائی شیخ جعفر علیخاں رسالدار کے لڑکے تھے۔ شیخ صاحب کئی گاؤں کے زمیندار ہونے کے علاوہ بڑے دولتمند تھے۔ یہ نسبت بہت پوشیدہ طور سے کی گئی لڑکیوں کو اوس دن خبر ہوئی جب منگنی کے رسم کے دو دن باقی تھے۔ اونہوں نے

پھر بھی انکار کیا بلکہ ایکی بار خوب روئیں پیٹیں چلائیں۔ ماں باپ نے انہیں خوب مارا اور یہ خبر بھی سب گاؤں میں مشہور ہو گئی صلا کی ماں نے بھی سُن لی۔ مگر شہسوار پر ان مظلوموں کی فریاد نے کچھ اثر نہ کیا آخر کار تیسرے دن شام کو شیخ صاحب کے یہاں سے جوڑا جڑاؤ واقرضا منگنی کا سب سامان بڑی دھوم سے آہی گیا۔ دروازہ پر ناچ شروع ہو گیا گھر میں لڑکیوں کو اوس تقریب کے رسوم کے لئے عورتیں بناۓ سنوارنے لگیں صلا کی ماں یہ حالت دیکھکر بہت رنجیدہ ہوئی اُسے یقین ہو گیا کہ دونوں لڑکیاں اب جئیں۔

دروازہ پر ناچ ہو رہا تھا آتشبازی چھوٹتی تھی گھر میں لڑکیاں دولہن بنی ایک ہی تخت پر بیچ والی دالان میں بیٹھی تھیں ڈومنیاں گا رہی تھیں کہ یکایک دونوں لڑکیاں نے گھونگھٹ اولٹ دیا۔ چلا کے کہا سب سن لو۔ ہماری ماں باپ ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ ہمیں ایسی جگہہ بھیجتے ہیں جہاں ہم جانا نہیں چاہتے۔ ہم صاف صاف کہتے ہیں ہم دونو کسی اور کے ہو چکے ہیں۔ اب دنیا میں کوئی کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو ہم کو دیکھہ بھی نہیں سکتا۔ مگر ہائے ہماری کوئی نہیں سنتا۔ آخر ہمنے اس ظلم سے نجات پانے کے لئے آج زہر کھالیا ہے اب تھوڑی دیر میں ہم مرجائیں گے۔ ہم تم سب کو گواہ کرتے ہیں۔ ہم بیقصور ہیں۔ ہمارے اس طرح مرنیکا گناہ ان ماں باپ کے سر ہوگا۔ یہ کہتے ہی کہتے دونو بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ شادی کے گھر میں ہلچل پڑ گئی مہمان عورتیں ان ماں باپ اور ان کنواری بے شرم لڑکیوں کو بُرا بھلا کہتی اپنی اپنی گھر چلی گئیں۔ ہر زمانہ کے رواج کے موافق ان لڑکیوں کو کچھہ بھی کہنا نچاہئے تھا گویا انہیں کچھہ حق اسبات میں کسی طرح دخل دینے کا تھا ہی نہیں۔ افسوس انکی شادی ہو انہیں کو تمام عمر وہ دُکھہ سُکھہ بھگتنا پڑے جو اس بجبر شادی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر بھی کچھہ کہنی کی مجاز نہیں یہ کس قانون کس شرع یا شاستر کا مسئلہ ہے۔ کسی کا بھی نہیں مگر سب اسے مانتے ہیں۔ زمانہ کی خوبی۔ جہالت کی عنایت دونوں لڑکیوں کی حالت بہت خراب ہو گئی تو صلا ایک اجنبی عورت کے بھیس میں گئی اُس نے دونوں کو ایک دوا چند مرتبہ میٹھے میں پلائی اس سے قے ہو کر زہر کا اثر جاتا رہا یوں دونوں کی جان بچ گئی۔

ان واقعات کے بعد صلا کی ماں۔ ماموں اور تمیا گاؤں سے کہیں چلے گئے تو پھر انکا

کہیں پتہ نہ چلا۔ نہ ملیں ہمکو ان سے کچھ سروکار نہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں ٹھیک دو برس بعد ماں اور کیا صلا کو حمید پور چھوڑے ہوئے تیسرا سال اوسی دن شروع ہوا تھا کہ صبح بہت سویرے دفعۃً ان آٹھ دس توپوں کی آوازیں پے درپے آبادی کے قریب ہی سے آئی۔ سب گاؤں والے حیران ہو گئے لوگ ادہر اودہر خبر لانے کے لئے دوڑے۔ اور تھوڑے ہی دیر میں سب کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ گاؤں کو کرنل صلابت خاں بہادر کی فوج نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے دو طرف توپخانہ لگا ہوا ہے بس فیر ہونے کی دیر ہے کہ سب گاؤں جلکر خاک ہو جائیگا۔ گاؤں میں کھلبلی پڑ گئی لوگ ادہر اودہر بھاگنے لگے۔ مگر وہاں رخنہ بندی ہو چکی تھی جو بھاگا گرفتار ہوا سب حیران تھے کہ کرنل صلابت خاں کون ہیں انہیں اس گاؤں سے کیا دشمنی ہے انکی فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیوں کیا ہے۔

اسی حالت میں پچاس سوار کچھ پیدل چند افسر آبادی میں آئے۔ دو سوار۔ اوس چمار زمیندار کو گرفتار کر کے لے گئے۔ باقی سپاہیوں اور سواروں نے شیخ علی حمید کے بنائے ہوئے عالیشان چاروں حویلیاں جو اب چمار کے قبضہ میں تہیں۔ خالی کرانا شروع کیں۔ ان حویلیوں سے دو میں زمیندار کی مویشی بند رہتی تھی غلہ بھرا رہتا تھا ایک میں وہ خود رہتا تھا ایک کسی مہاجن کے پاس رہن تھی اوس میں اسکا کنبہ تھا۔ مویشی سب ان حویلیوں سے نکل کر گئو خانہ اور رتھ خانہ میں باندہ دی گئیں۔ یہ دونوں پختہ مکان آبادی کے باہر شیخ علی حمید کے بنوائے اتبک موجود تھے اب ان میں کھلیان لگایا جاتا تھا کچھ پائے بندہے رہتے تھے۔ ان دونوں مکانوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ غلہ بدستور انہیں حویلیوں میں رہا۔ وہ صاف ہوئیں اور پہرہ متعین ہو گیا۔

ان کاموں سے فراغت پاکر سوار دو باقی ماندہ حویلیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ چمار اور ساہوکار کے سب آدمیوں کو نکال دیا۔ مگر سب ایک ہی طرح سے نہیں نکالے گئے۔ چمار کے آدمیوں کو حکم ملا کہ سب خالی ہاتھ جہاں جی چاہے چلے جائیں گھر کے اسباب کو یہیں چھوڑ دیں۔ ساہوکار کو اپنا اسباب نقد و جنس لیجانے کی اجازت ملگئی حویلیاں خالی اور صاف ہو گئیں تو انپر بھی پہرہ متعین ہو گیا۔

ان کاموں سے فراغت پاکر سب افسر اور باقی ماندہ سپاہی شہسوار کے یہاں پہونچے شہسوار گھبرا گئے۔ افسروں نے انہیں حکم سنایا۔ ہمارے افسر کرنیل صلابت خاں بہادر نے حکم دیا ہے۔ شیخ علی حمید صاحب کی یہ حویلی دیوان خانہ جس میں آپ رہتے ہیں جو انکو شیخ نجابت علی خاں نے صرف رہنے کو دیا ہے فوراً خالی کر دیجئے۔ اپنا سب اسباب اور بال بچے اوس کچے مکان میں لیجائیے جس میں دو برس پہلے صلا رہتا تھا جو آپکے قبضہ میں ہے۔ آپکا اور کوئی مکان اس گاؤں میں نہیں ہے آپکا اصلی مکان برسات میں گر گیا تھا۔ تب شیخ نجابت علی خاں صاحب نے آپکے بچوں پر رحم کرکے یہ مکان دیا تھا اور اسباب کا بیانہ تک نباہ کیا تھا کہ اس مکان کو اوس قرضہ سے بھی محفوظ رکھا تھا جسمیں سب جائداد گئی تھی۔ آپ خوشی سے مکان خالی نہ کریں گے تو ہم مجبوری بجبر خالی کرائیں گے۔ اس نادری حکم کی تعمیل میں شہسوار عذر ہی کیا کرتے۔ روتے دھوتے گھر میں چلے گئے۔ اور اسی وقت اوس کچے گھر میں جو اب ہر طرف سے گر کر کھنڈر ہو گیا ہے اسباب بھیجنا شروع کر دیا۔ سپاہیوں سواروں اور افسروں نے بھی انہیں اس کام میں مدد دی۔ مکان ذرا سی دیر میں خالی ہو گیا اس میں قفل ڈالدیا گیا۔ اور شہسوار کو افسر اپنے ساتھ فوج میں لے گئے۔ وہاں فوج میں یہ حال ہے۔ ایک وسیع میدان میں جو ایک مورچے کے وسط میں ہے۔ بہت بڑی دری بچھی ہے۔ دری پر صاف چاندنی ہے اور چاندنی پر جا بجا چاروں طرف قالین ہیں صدر میں ایک بڑی قالین کے وسط میں تونگل بچھا ہے اسکے سامنے داہنے بائیں سب ماتحت افسر کرسیوں پر اور خود کرنل صاحب اس دنگل پر بڑی آن بان سے تنے بیٹھے ہیں۔ چار زمیندار ابتک انکے حضور میں نہیں پہونچا ہے۔ اسکے لانے کی بابت یہ انتظام پہلے سے کیا گیا تھا جس راہ آکر لانا تھا اوس پر جا بجا چوکیاں قایم کرکے چار چار سپاہی بٹھا دئے گئے تھے۔ سپاہیونکو حکم تھا کہ وہ جس چوکی پر پہونچے اسکا ہر ایک سپاہی چار چار چوٹی اوسکے لگائے اور دو سپاہی کان پکڑکے دوسری چوکی پر پہونچادیں۔ اس مدارات اور جلوس سے وہ حضور میں پہونچایا جائے۔

جسوقت شہسوار کرنیل صاحب کے حضور میں پہونچے اسی وقت زمیندار بھی

حاضر کیا گیا۔

کرنیل صاحب۔ کیوں بے بے ایمان بدذات چمار تو نے ہمکو پہچانا۔

چمار۔ حضور ہاں۔ آپ کرنیل صاحب ہیں۔

کرنیل صاحب۔ تمہیں ابھی نہیں پہچانا۔

چمار۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور۔

کرنیل صاحب۔ ہم وہی صلا ہیں جس سے تو نے کہا تھا توپ اور فوج لے آتے ہم دام دیں گے۔ اب فوج اور توپ خانہ آگیا ہے اب کیا کہتا ہے۔

چمار۔ (داہنت نکالکر) آپ ہیں بھیا صلا۔

کرنیل صاحب۔ چپ بے ایمان تیرا بھیا کون ہے۔ بے ایمان بدذات موذی تو وہی ہے جسکے باپ دادا نے اور خود تو نے ہمارے باپ دادا کے ٹکڑوں سے پرورش پائی۔ تیرے باپ دادا کی پشت تک ہمارے یہاں کے ادنےٰ حلواہی تھے۔ موذی بے ایمان ہمارے یہاں چوریاں کرکے انعام پاکے پڑھے پھر تم نے ہمارے عیش پسند بزرگوں کو اور ڈھنگ پر ڈالا اُنکے دلال بن گئے اس ذریعہ سے انہیں لوٹا جب تمہارے پاس کچھ پونجی ہوگئی تم نے انہیں کا روپیہ انہیں قرض دیا اور ایک کے دس لکھلئے۔ یوں لوٹا ادھر اُن عیش پسند حضرات نے تم کو بالکل تمام اپنے کاروبار کا مختار کر دیا اوس میں تم نے اپنا گھر بنایا۔ یہانتک کہ اُن کے قبضہ میں ہمارے باپ نجابت علی خاں کی وقت میں صرف دس گاؤں رہ گئے اور سب کوڑیوں کے مول تمہارے ہی ہاتھوں بک گئے یا رہن ہو گئے۔ اور چار لاکھ سے زیادہ قرضہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہر ایک گاؤں کی سواری میں تم نے بہت بے ایمانی کی خریداروں سے مل گئے اُن سے کچھ لے لیا اور گاؤں کوڑیوں کے مول دلوایا۔ نجابت علی خاں بیخود تو نے ہاتھ صاف کیا وہ دس گاؤں تو نے خود اُنسے ایسے وقت میں کہ وہ بہت تنگدست ہو گئے تھے سو سو روپیہ میں رہن لئے تھے۔ تم نے یہی بے ایمانی نہیں کی۔ تم ہمارے کارندہ تھے۔ اسامیوں سے روپیہ وصول کرکے خود لے لیا۔ سرکار کے باقی کی علت میں فوج ہمارے یہاں آئی ہمارے باپ دادا سیکڑوں بار گرفتار ہوئے اور ہر مرتبہ افسر فوج کو کچھ رشوت دیکر

سرکاری باقی کچھ ادا کر کے چھوٹے۔ روپیہ اُنکے پاس تھا نہیں ہوتا کہاں سے سب تم سے گئے اور لئے جاتے تھے۔ ہر گرفتاری میں کوئی گاؤں بکتا تھا اور تم سے قرض لیا جاتا تھا تم ایک دیتے اور پچاس لکھاتے تھے۔
تم نے ابھی برس نہیں کی ہمیشہ گرفتاریاں جاری ہونے کی کوشش کی اور جب فوج یہاں پہونچ گئے تم فوج سے مل گئے اور سے دلوا یا خود لیا۔
چمار۔ حضور نہیں سے .....
کرنیل صاحب۔ چپ بے ایمان۔ ابھی ہمارے ظلم کی داستان ختم نہیں ہوئی تم وہ دس گاؤں بھی جو برائے نام نجابت علی خاں کے قبضہ میں تھے نہ دیکھ سکے تم نے اون پر قبضہ لینے یا قرضہ ادا ہونے کا دباؤ ڈالا۔ تو ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تیرے بس کے نہ تھے مگر تو نے رشوتیں دیکر اس محال کے حاکم اور فوج کو ملا لیا تھا۔ انہوں نے اپنے دباؤ ڈالا۔ آخر فوج یہاں پہونچی اور تجھے قبضہ دلا دیا گیا۔ اس وقت اس سے زیادہ اندھیر تھا کسی نے یہ نہ پوچھا یہ ذلیل چمار جاہا نوکر اتنا روپیہ کہاں سے لایا۔ تو نے گاؤں پر ہی قبضہ نہیں کیا۔ ہمکو ہمارے مکانوں سے نکال دیا۔ ہمارا سب مال اسباب اپنے قرضہ میں لے لیا۔ ہم بالکل فقیر ہو گئے اسی غم میں اس واقعہ کے تیسرے ہی دن نجابت علی خاں مر گئے۔ اور مفلسی کی مہربانی سے تین دن اُنکی لاش بغیر گور کفن رکھی رہی۔ تیسرے دن ہمارے ماموں نے انہیں اپنی ایک چادر میں لپیٹکر دفن کیا۔
چمار۔ حضور مجھسے یہ قصور ضرور ہوا کہ (پاؤں پر گرتے ہوئے) مگر آپ بڑے آدمی ہیں۔ .....
کرنیل صاحب۔ ہمارے ماموں نے خود انکی قبر کھودی تھی اسی میں انہیں دفن کیا تھا۔ ہم اس وقت جب گاؤں لوٹنے دینے سے گھر لوٹ گئے تھے اس گاؤں سے چلے جاتے مگر نجابت علی خاں کے یکایک بیمار ہو جانے سے نہیں گئے۔ ہمارے باپ نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میری اولاد سے ہر شخص اس موذی چمار سے بدلا لینے کی فکر کرے۔ جو بدلا لیگا میری روح اس سے بہت خوش ہوگی ورنہ میں قیامت کے دن جواب طلب کروں گا۔ ہماری ماں یہیں ایک جھونپڑی میں رہ گئیں

اور گاؤں کے نمک حرام آدمیوں کی مزدوری کرنے لگیں۔ اس وقت میں بالکل ذرا سا بچہ تھا۔ میں نے اسی مصیبت میں آنکھ کھولی اسی میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو میں بھی مزدوری کرنے لگا۔ میں نے گھوڑا پھیرنے کی نوکری تیرے یہاں دو روپیہ مہینہ پر کرلی۔ اور تیرے گھوڑوں کو گھاس تین روپیہ ماہوار پر ڈالنا شروع کی میری ماں تیرے گھر کا آٹا پیستی تھی۔

چمار۔ (تو حضور میں نے آپ کو کوئی) دکھ نہیں دیا۔

کرنیل۔ (مسکراتے ہوئے) نہیں کبھی نہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ہم انہیں کے نکالے ہوئے وہاں اس حالت سے گئے تھے۔

شہسوار۔ (جو ابتک ہاتھ جوڑے کھڑے تھے) حضور مجھے کیا حکم ہے۔

کرنیل۔ اوہ۔ ماموں تم ہو۔ کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔ (اپنے ہاتھوں سے انہیں بٹھاؤ (شہسوار سے) ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں اس موذی سے نپٹ لوں تو تمہاری طرف متوجہ ہوں گا۔

شہسوار۔ بہت اچھا۔

کرنیل۔ ہاں جناب چودھری صاحب۔

چمار۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور۔

کرنیل۔ بے ایمان بدذات موذی تو یہ پوچھتا ہے میں نے تم کو کبھی کوئی دکھ دیا۔

چمار۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور۔

کرنیل۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دکھ ہو سکتا تھا۔ تو نے ہماری جائداد لی۔ گھر چھین لئے۔ اسباب لوٹ لیا۔ فقیر کر دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی ہم تیرے کام کرتے تھے اور تو ہمارے مزدوری جھکا جھکا کے دیتا تھا صرف یہی نہیں وہ بھی پوری دیتا تو کچھ غم نہ تھا تو دو پیسے کی محنت کراتا تو دو کوڑی بڑی مشکل سے دیتا۔ یہاں تک بھی صبر تھا۔ تو نے ہم کو گالیاں دینی شروع کیں۔ تجھے یاد ہے جس دن میں یہاں سے چلا گیا تھا تو نے مجھ سے کیا کہا تھا۔

چمار۔ حضور میں نے تو کچھ نہیں کہا۔

کرنیل۔ (مسکراتے ہوئے) او بے ایمان۔ اب تجھے کچھ یاد نہیں ہے۔ جس دن میں نے تجھسے اپنے دام مانگے تو نے گالیاں دیں میرے ہاتھ سے تو پٹا پھر بھی تو نے دام نہ دئے یہ کیا تھا تو بیچارہ اور فوج سے آپ دینگے۔ اب یہ فوج اور تو بیچارہ حاضر ہے تجھکو کیا حکم ہے۔۔۔ بے ایمان تیری یہ سزا تھی کہ تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو دیجاتیں مگر میں تجھ سے بے ایمان کمینہ کی جان لینا نہیں چاہتا میں خونی نہیں ہوں۔ تجھے یہی سزا دیتا ہوں جس طرح تیرے باپ دادا اس گاؤں میں آئے تھے اوسی طرح تو یہاں سے چلا جا یہ میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ دادا بالکل کنگال تھے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور تیرے پاس یہاں سے اس طرح چلے جانے پر بھی بہت سا نقد روپیہ اور ایک گاؤں رہے گا۔ جو تو نے سب سے پہلے نہیں تو یہ تیرے باپ نمک حرام نے ہمارے دادا سے ایک ناجائز خدمت کے صلہ میں اور قرضہ کے عوض لکھا لیا تھا اصل گاؤں میں تیرا روپیہ ہمارے ہی مکانات میں دفن ہے۔ مگر ہم کو اوس سے کچھ سروکار نہیں تیری سزا یہی تھی کہ ہم وہ بھی لے لیتے اور تجھے بہت بری طرح مارتے۔ مگر جسکو بناتے ہیں اسے بگاڑتے نہیں جا چپ چاپ یہاں سے چلا جا۔ ادہر پھر کر بھی نہ دیکھنا میرے باپ کی یہی وصیت تھی کہ تجھے بالکل لنگوٹا بند ہوکے یہاں سے نکالا جائے مگر میں تجھپر رحم کرتا ہوں۔

چمار۔ بہت اچھا۔

کرنیل۔ (شہسوار سے مخاطب ہوکر) ماموں۔ تم بھی اس چمار سے کچھ کم نہیں ہو۔ تم نے اس سے کچھ کم نمک حرامی نہیں کی تم تمہارے باپ دادا سب ہمارے نان نمک سے پرورش ہوئی۔ تم کو ہمارے یہاں سے کیا نہیں ملا۔ گئے گذرے وقت میں ہمارے باپ نجابت علی خان نے تم کو وہ حویلی اور وہ دیوانخانہ معہ اونکے سامان کے دیدیا۔ مگر تم نے وقت پر ہمارا ساتھ نہ دیا۔ یہاں تک غنیمت تھا۔ تم ہم کو دبانے تھے۔ تم ہمکو ذلیل سمجھتے ذلیل کرنے کی فکر کرتے تھے۔ تم کو یاد ہوگا جسدن میں یہاں سے

شہسوار۔ کرنیل بیٹا سب یاد ہے۔ مگر اب گزرے باتوں کا ذکر ہی کیا۔ جو کچھ ہوچکا۔ اب تم اوس کو بھول جاؤ۔ اب تم اور یہ نجابت خاں دونو میرے گھر کے مالک میرے لخت جگر ہو۔

کرنیل۔ افسوس۔ کسی کی تصویر میرے دل میں بیٹھی تمہاری سفارش کر رہی ہے۔ ورنہ میں تم کو بہت بڑی سزا دیتا۔ تم نے مجھے گالیاں دیں مارا۔ گھر سے نکالدیا میری ماکو مارا۔ نسبت کرنے کی بابت بہت سخت جواب دیا۔ مگر مجھے اسکا رنج نہیں ہے البتہ تم نے ان دونو معصوم بیگناہوں سے جو سلوک کئے انہیں جو اذیتیں دیں۔ اونہیں اور اپنے آپکو جیسا کچھ رسوا کیا اسپر ہی مجھے غصہ آتا ہے۔ تم نادان **بیوقوف** جاہل اتنا نہ سمجھے۔ ان کی محبت نے انہیں ایسا ہی بے قابو کر دیا ہے تب یہ زمانہ کی شرم حیا کو چھوڑ کے صاف صاف کہتے ہیں۔

پھر اسپر ہم اینکے خلاف کریں گے تو یہ کیسے قبول کر لیں گے۔ تمہاری اس نادانی اور غصے نے اونکی جان لینی چاہے۔ اور ان کو خوب بدنام کیا۔ ان کی جان کبھی نہ بچتی اگر وقت پر اماں نہ پہونچ جائیں۔ اور ماموں کی بتائی ہوئی بوٹی ہی میں جوش کر کے نہ پلائی جاتی جس سے انہیں بار بار قے ہوئی سب زہر نکل گیا۔ ان کی اس تکلیف اور بدنامی کا بدلا میں تم سے جو کچھ لوں کم ہے۔

شہسوار۔ (جلدی سے) کیا وہ اس سے خوش ہونگے۔

کرنیل۔ یہی خیال ہے ورنہ میں۔ خیر جاؤ۔ میں نے اب تم کو وہ حویلی۔ اور دیوانخانہ بخوشی بخشدیا۔ اسیوقت اوس مکان سے وہاں چلے جاؤ اپنی بہن میری اماں کو ساتھ لیجاؤ۔ اسیوقت پھر یہاں واپس آؤ قاضی صاحب میرے ساتھ ہیں اور میرے بہائی کپتان نبی دادخاں یہ بیٹھے ہیں۔ ابھی ان دونوں کا نکاح ہم دونوں سے کرلو۔ نہیں جو جی چاہے جواب دو۔

شہسوار۔ جواب کیا مجھے کبھی عذر نہ تہا۔ اس وقت میں نجانے کس جن میں تہا تمہاری جانی کے بہکانے سے ۔ ۔ ۔ ۔

کرنیل۔ اب اوسکا یاد کرنا فضول ہے۔

شہسوار اپنی بہن۔ کرنیل صاحب کے ماں کو پالکی میں بٹھا کے لے گئی۔ تہوڑی دیر کے بعد تنہا واپس آئی۔ شادی کا سب سامان کرنیل صاحب کے ساتھ موجود تہا اسیوقت کرنیل صلابت خاں بہادر اور کپتان نبی دادخان بہادر کا نکاح مریم اور ہاجرہ سے ہو گیا۔ دو تین دن کے بعد کرنیل صاحب اور کپتان صاحب اپنی ماں، ساس

اور بیویوں کو لیکر شاہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے وہاں کرنیل صاحب نے
سرگزشت یوں بیان کی میں حضور سے رخصت ہوکر بہت جلدی دہلی پہونچا اسوقت
فوج میں بھرتی ہو رہی تھی پانی پت کی طرف چند باغی جاٹوں نے سرکشی کی تھی
کہیں اور بھی ضرورت تھی میں پانی پت کی کمان میں رہا۔
آپکے حکم کے موافق میں نے کئی گھوڑوں کے سواروں کی گھاس اپنے ذمہ لی۔
اسکے دوسرے ہی دن ایک گھوڑا ہی جو میری سواری میں اب بھی ہے ایک سوداگر
کے پاس دیکھا۔ میں نے پوچھا میاں اسکی کیا قیمت ہے اوس نے کہا تم تو گئے بیتے
صاف شکیدیا میں گھسیارا ہوں یہ شہنشاہ کی سواری کا گھوڑا میں اسے کیا لونگا
سوداگر میرے سر ہو گیا۔ میں جانتا ہوں تم گھوڑے کو نہ ... سمجھتے ہو۔ تم اسکی قدر
کروگے۔ میں نے بھی اب ... قیمت کی اتنی کوئی نہیں ... دینے ... کے ... تو
ندوں گا۔ اور قدر دان کو مفت دیدوں گا۔ میں یہ گھوڑا بادشاہ کی نذر کے لئے
لایا تھا ملاحظہ ہوا بہت پسند آیا۔ مگر قیمت بہت کم لگائی گئی میں پندرہ ہزار مانگتا تھا
وہاں سے تین ہزار ملتے تھے میں نے عرض کیا۔ گھوڑا میں نذر کے لئے لایا ہوں اسکی
قیمت مجھے نہ چاہئے تو کچھ غم نہیں۔
میری یہ عرض قبول نہیں ہوئی اسے سات مہینہ ہوئے جیسے یہ نہیں بندھا ہے۔ میں
اسکی خدمت کرتے کرتے اکتا گیا ہوں تم قدر دان ہو جو کچھ دوگے لے لوں گا۔ میں نے
اونہیں چھ سو روپیہ کی اشرفیاں کمر سے کھولکر رکھدیں اس نے چپکے سے لے لیں گھوڑا
مجھے دیگیا۔ یہ خبر حضور کو بھی پہونچی مگر جب میں دو سیر گھاس روز لادتا تھا۔ حضور
نے ملاحظہ کے لئے طلب کیا مجھے پوچھا میں نے سب حال عرض کردیا۔ میرا حسب نسب
پوچھا میں نے یہی کہا اس سرکار کا غلام اور غلام زادہ ہوں۔ کوئی خدمت کبھی
بن پڑے گی تو اصلی حال بھی گزارش کروں گا اس وقت تو گھسیارا ہوں میں اسی
حالت سے چھ مہینہ اوس فوج میں رہا۔ اس عرصہ میں فوج پانی پت گئی اور وہاں
کامیاب ہوئی۔
فوج جن کی سرکوبی کے لئے گئی تھی وہ چند بدمعاش لٹیرے تھے۔ ان کی جماعت
زیادہ نہ تھی۔ اونہوں نے ہماری فوج کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے کہیں کہیں مقابلہ

ان میں انہیں شکست ہوئی۔ مگر انہوں نے میدان نہ چھوڑا۔ میں نے افسر فوج کی اجازت سے ایک دھاوے کے افسری بغیر کسی قول واقرار کرانے کی قبول کرلی مجھے یہ افسری نہ ملتی مگر اتفاق سے سب افسر بیمار تھے اور ڈاکو قریب پہونچ گئے تھے میں نے پہلے ہی حملہ میں انہیں بھگا دیا۔ اور ان کے بڑے سردار کو مار لیا۔ ان کا گروہ اس شکست سے بیدل ہوگیا۔ پھر ان کے پاؤں اکھڑ گئے قدم میدان میں نہ جما۔ سب بھاگ گئے بلکہ دو تین دن میں بالکل غائب ہوگئے۔ سردار فوج مجھسے بہت خوش ہوئے۔ میرے لئے کپتان کی سفارش کی مگر میں نے وہ عہدہ منظور نہیں کیا۔ پانی پت سے فوج پنجاب کی طرف گئی۔ اونہیں باقی ماندہ جاٹوں کی سرکوبی منظور تھی۔ سالار فوج نے وہاں پہونچکر مجھے اپنا چارج دیا۔ خود ایک خاص غرض سے دہلی واپس آئے۔ میں نے اس مہم کو بہت خوبی سے انجام تک پہونچایا ہر معرکہ میں سرخرو رہا بڑے بڑے نامی سرغنا اس گروہ کے خاص میری تلوار سے ٹھنڈے ہوئے۔ اسکے صلہ میں اس عہدہ پر مستقل کردیا گیا۔ اب میں کرنل ہوں خان بہادر کا خطاب ہے۔ جاگیر کی تجویز ہو رہی ہے کبھی مل جائیگی۔

عہدہ ملنے کے چند روز بعد میں نے رخصت چاہی مگر نہ ملی۔ اب اتفاق سے کول کے حاکم نے بعض سرکش باقیدار ٹھاکروں کی سرکوبی کے لئے معقول جمعیت طلب کی تو میری تعیناتی اس مہم پر ہوئی۔ ان باغیوں میں سے ایک سرغنا رگھوراج سنگھ تھا وہ کڑھا بیر گاؤں کا نام ہی ہے اور وہاں گڑھی بھی تھی۔ بہت مضبوط گڑھی بنالی تھی اچھا خاصہ قلعہ تھا۔ سات دن کے محاصرہ میں اوسے فتح کیا۔ رگھوراج کو گرفتار کرکے کول بھیجا۔ قلعہ مسمار کرادیا توپیں لے لیں سب سلاح جنگ چھین لئے اوسکے گاؤں خالصہ کئے ان میں عامل مقرر کردیئے۔ عنقریب خدمت میں روانہ کی اور میں ادہر چلا آیا۔ اب دو سال کی رخصت کی درخواست کی ہے منظور ہوگئی تو اسی مہال کول میں چھٹیاں گزاروں گا۔ میں تمہارے سے کچھ دن پہلے ہونگا۔

کرنل صلابت خاں اسی حشمت و کامرانی کے ساتھ بہت دن تک زندہ رہے۔ انکا اکلوتا بیٹا چھبیس سال ہی کا تھا کہ وہ لڑائی میں زخمی ہوکر گھر آئے اور بستر مرگ پر آخری سانس لیتے تک اپنے مفقود الخبر بڑے بھائی اصالت خاں کو یاد کرتے ہی کرتے چل بسے۔

اصالت خاں ان سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے چھبیس برس وہ کہیں غائب ہو گئے جسکا اب تک انکی کچھ خبر کسیکو نہ ملی تھی۔ صلابت خاں کا چالیسواں بھی ہوا تھا کہ ایک دشمن نے جسکی لڑائی میں وہ زخمی ہو گئے تھے۔ انکے دسوں گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ اور دو ہی تین دن میں انکے سب ہوا خواہوں کو وہاں سے نکال دیا خود انپر قابض ہو گیا۔ اس دشمن کا نام جگت جیت تھا۔ یہ چمار اس وقت بہت سے باغی ڈاکوؤں کی پشت گرمی سے بہت دلیر تھا۔ اس کی جمعیت میں منتخب آدمی وہ جوان تھے جو کسی معرکہ سے بھاگنا یا نام کا واپس ہوتا جانتے ہی نہ تھے۔ جگت جیت کے حکم کے سب ایسے مطیع تھے کہ وہ سلطنت سے مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہو تو انہیں اپنی جمعیت کی کمی کا ذرا بھی خیال نہ ہوتا بے تامل ٹھہر جاتے۔

جگت جیت اپنی اس فوج سے بہت دور تک چھاپے مارتا تھا۔ صلابت خاں سے اور اس سے کچھ دشمنی نہ تھی وہ سلطنت کی طرف سے اس کی سرکوبی کے لئے مامور ہو رہے تھے۔ جگت جیت نے اپنی ہم قوم اس چمار کے بہکانے سے ایکبار حمید پور پر چھاپہ مارا تھا صلابت خاں اوس وقت گھر ہی پر تھے۔ انہوں نے اپنے سو آدمیوں سے اوسکی جماعت کا خوب مقابلہ کیا جگت جیت کے بہت سے آدمی وہیں کھیت رہے اور اونکے سپاہی ادھیا گئے۔ تاہم وہ مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ آخر جگت جیت بھاگ گیا اس لڑائی کے چند روز بعد پھر اوس نے ان کے دوسرے گاؤں میں ڈاکہ ڈالا جو حمید پور سے قریب ہی تھا۔ صلابت خاں اپنے پچاس سپاہیوں کو لیکر مقابلہ کو پہونچے۔ اوسکے پاس جمعیت بہت تھی۔ تاہم انہوں نے دوبارہ اُسے بھگا دیا۔ کہ سپاہ گھر واپس آئے۔ اس لڑائی میں انکے سب سپاہی مارے گئے تھے وہ تنہا دیر تک دشمنوں میں گھری تلوار چلتی رہی جب بہت زخمی ہو گئے تو انہوں نے چلا کے کہا۔ شکر ہے مدد آ پہونچی شاہی فوج آ گئی۔ اور اس طرف دیکھا جدھر کسی کسان کے الاؤ کی روشنی تھی یا کسی گاؤں میں آگ لگی تھی۔ جگت جیت کے آدمیوں کو روشنی دیکھ کر ان کی بات کا یقین ہو گیا سب بھاگ نکلے اس طرح پر فتح نصیب ہوئی مگر اس لڑائی نے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ انکے بعد فاتح دشمن نے انکے آدمیوں کو گاؤں سے نکال دیا سب کے گھر لوٹ

اور گاؤں جلا دئے جیسے پھر آباد نہ ہوئے۔

صلابت خاں کا بیٹا مہابت خاں جو اپنی ماں کے اصرار سے مجبور ہو کر دشمن سے چھپکر اپنی جان کے ساتھ بچ نکلا تھا۔ گوالیار چلا آیا یہاں اوسی فوج میں بڑی سعی سفارش سے کوئی ادنے اسامی ملگئی یہ ہم اسی باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں اسوقت یہاں مہاراجہ مہاجی راؤ کا عہد حکومت تھا۔ انکی سرکار میں سپاہی کی بہت قدر تھی فوج میں یہ دستور العمل جاری تھا کوئی نیا آدمی کوئی عہدہ نہ پاتا تھا۔ سپاہیوں میں بھرتی ہو کر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا تھا تب ترقی ملتی رہتی۔ مہابت خاں کو خان بہادر ہونیکا پھر ایسا موقع انکی قسمت سے نہیں ملا کہ وہ اپنی تلوار کی کاٹ چھانٹ سے اپنی آیندہ ترقی کا زینہ بناتے۔ انہوں نے وہ نوکری چھوڑ دی یہاں سے دکن چلے گئے۔ آصفی سرکار میں انہیں کوئی عہدہ ملگیا۔ اور قسمت سے کارگذاری دکھا کر ترقی پانیکا موقع بھی ملتا رہا چند ہی سال میں کرنل ہو گئے۔ ثروت نصیب ہوئی تو انہیں اپنا دیس یاد آیا ماں مر چکی تھیں کوئی اور عزیز سوا نبی داد خاں کے پسماندہ کنبہ کے یہاں نہ تھا پھر بھی اس دیس کی محبت انہیں وہاں سے ادہر لے چلی۔

وہ رخصت لیکر تھوڑی محبت کے ساتھ چلے اور دل میں نیت کرتے کہ گوالیار میں گھر بنائیں گے وہیں رہینگے۔ نبی داد خاں کے خاندان کو بھی وہیں بلا لیں گے جو اسوقت تک علیگڈھ میں تھا۔ اس وقت انکے خاندان میں انکی ایک بیٹی ایک جوان نوبہی تھی جسکی بہن بچپن ہی میں غائب ہو گئی تھی۔ راستہ اس وقت بہت خطرناک اور دشوار گذار تھا قدم قدم پر بڑے بڑے جنگل تھے یہ سڑکیں نہ تھیں مہابت خاں دکن سے سیدھے گوالیار چلے تو راستہ جنگل ہی سے ہو کر گذرتا تھا جب یہ اس مقام پر پہونچے جس جگہ اب رتلام کی عملداری ہے وہیں ایک مقام میں جنگل کے قریب ہی چند روز قیام کیا۔ پھر برابر دو تین روز تک شب و روز سفر کرتے رہے چوتھے دن پھر ایک جگہ قیام کیا۔ یہ جگہ آبادی سے بہت دور تھی مگر یہاں ایک عالیشان محل کی چار دیواری بہت دور تک بڑا رقبہ گھیرے ہوئے دور سے نظر آتی تھی لیکن مہابت خاں حسب معمول آبادی سے الگ پانی کے قریب ٹھہرے۔

وسیع ہموار میدان میں بہت بڑا پختہ تالاب تھا اوسی کے کنارہ انکا خیمہ نصب کیا گیا

اور اُنکے ہمراہی دو سو جوان خیمہ کے چاروں طرف اپنے بستر لگا کر - صحرائی چوپایوں کے گوشت پکانے میں مصروف ہو گئے جو اُنہوں نے دن کو راہ میں شکار کر کے حاصل کیا تھا۔ اس سفر میں سپاہیوں کا اب تک یہی ڈھنگ تھا آبادی سے الگ چلنے کی وجہ سے دو دو تین تین دن اناج کی تو صورت نہ دکھائی دیتی تھی دن میں راستہ چلتے ہی چلتے سپاہی شکار کرتے ۔ اور پانی کسی تالاب سے اپنی اپنی چھاگلوں میں بھر لیتے تھے رات کو کسی مقام پر ٹھہر کر کھاتے پیتے یوں بسر کرتے تھے جب کسی آبادی کے قریب ٹھہرتے خوب جشن مناتے طرح طرح کے کھانے پکتے باہم دعوتیں کرتے اکثر دو دو تین دن قیام بھی وہاں کرتے تھے ۔ اوس زمانہ میں اکثر گاؤں کے گرد پختہ فصیلیں تھیں اوس چار دیواری کو بھی سب کسی گاؤں کے فصیل ہی سمجھے - وہاں دو تین مقام کرنے کی ٹھہرا دی۔ کچھ سپاہی کھانا پکانے لگے باقی ماندہ نے تالاب کے کنارہ چاندنی بچھا دی۔

رات کے آٹھ بجگئے تھے ۔ چاندنی خوب صاف تمام میدان میں پھیلی اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی تھی جنگل سے پرندوں کی خوش آیند آوازیں آتی تھیں ۔ چاندنی کی روشنی میں سپاہیوں کا سفید بستر چمکتا اور تالاب کا پانی لہریں لیکر چاند کے گود میں جا پڑنے کے لئے ہمک ہمک کر کروٹیں بدلتا ہاتھ پاؤں چلاتا اور ماہتاب کا عکس اس نادان کا منہ چومتا نظر آتا تھا ۔ چاندنی تھپکیاں دیتی ۔ ہوا کی سنسناہٹ کے ساتھ خوش آواز پرندوں کی دلکش صداؤں کے گونج لوریاں سناتی تھی ۔ مگر وہ ضدی بچہ چین سے کیا رہتا تھا ۔ رانی ملکہ کے چہرہ نے اوسے ایسا لبھایا تھا کہ وہ اسی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا وہ بھی کیا کرے اسکے گورے مکھڑے کی محبت ساتھ لیکر پیدا ہوا تھا اوسے دیکھکر مچلتا اوس کی گھٹی میں پڑا تھا سپاہیوں کی مزید طبیعت پر بھی اس دلکش منظر کے فطرتی جذبات اثر کر گئے تھے ۔ بعض سارنگی بجاتے چند کھلاڑیں طلا وقت اور موسم کے مناسب کچھ گانے تھے ۔ روٹی پکانے والے سپاہیوں کے ساتھی تالاب کے کنارہ فرش پر بیٹھے جشن منا رہے تھے وہ ان کی رنگ رلیاں دیکھکر ان میں جلدی سے شریک ہو جانے کے لئے بہت پھرتی سے اپنا کام کر رہے تھے کہ رئیس صاحب اپنے خیمہ میں چلد بیٹھے پر بیٹھے سپاہیوں کی خوش الحانی ۔ شاہ کلیان کے دل کش سروں کی

کیفیت سے سرور میں تھی۔ وقت اور منظر کے سماں نے بار برداریوں کے چوپایوں لشکر کے گھوڑوں اور شاگرد پیشہ پر بھی پورا پورا اثر کیا تھا سب اِس کیفیت سے مست تھے۔ گھوڑے ٹاپتے گردن ہلاتے ہنہناتے یوں وجد کرتے تھے۔ اونٹ بلبلا رہے تھے۔ چھکڑوں کے بیل عالمِ محویت میں بیٹھے اوہرتی دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ جگالی کر رہے تھے۔ سائیس گھوڑوں کو گارتے تھے اِس طرح تال دیتے تھے۔

ایسی حالت میں یکایک ایک سفید پوش بڈھا خیمہ کے دروازہ پر پہونچا۔ سنتری نے جو پہرے پر تھا چپکے سے کہا۔ یہ خیمہ کسکا۔ سپاہی نے اپنی فوجی آن بان اور ٹہپے سے جواب دیا کرنیل ہدایت خاں بہادر۔

پیر مرد۔ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ اطلاع کردو۔

یہ آواز خود کرنیل صاحب نے سن لی ابھی سپاہی نے کچھ جواب نہ دیا تھا کہ انھوں نے رعب دار لہجہ اور آواز سے کہا کون ہے سپاہی نے جواب دیا حضور کوئی بڑے میاں ہیں آپ سے ملنے آئے ہیں۔ کرنیل صاحب نے بھی اوسی طرح کہا آنے دو۔ اور پیر مرد خیمہ میں پہونچ گئے۔ کرنیل صاحب چارپائی سے اوتر کر قالین پر بیٹھ گئے جو چارپائی کی پٹی کے نیچے ہی بچھا ہے جسپر بڑا سا گاؤ تکیہ چارپائی سے ملا ہوا رکھا ہے اور سامنے ایک کنول جل رہا ہے۔ پیر مرد نے خیمہ میں پہونچکر خوب کڑک کے کہا۔ السلام علیکم۔ اور قالین کے گوشہ پر بیٹھ گئے۔ کرنیل صاحب نے سلام کے جواب کے بعد ملکے لہجے اور اخلاق ظاہر کرنے والے لہجہ سے کہا مزاج شریف اور تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے مزاج پرسی کا جواب دیکر پیر مرد بھی خاموش تھا مگر اُن کی نگاہیں کرنیل صاحب کے چہرہ پر تھیں اور کرنیل صاحب کی نظر اپنے مہمان کی تواضع کے خیال سے فرش پر بچھ گئے تھے۔ ذرا سے سکوت کے بعد کرنیل صاحب نے کہا آپ کا اسم مبارک۔ دولتخانہ۔ میرے پاس اِس وقت کیسے تشریف لائے پیر مرد نے ٹھنڈی سانس لیکر غم ظاہر کرنے والی آواز سے کہا۔

فقیر کو اصالت علی خاں کہتے ہیں۔ پدر بزرگوار کا نام نجابت علی خاں تھا۔ مجھسے ایک چھوٹا بھائی تھا اور کیا جدا جانے ابتک زندہ ہے یا۔۔۔ اسکا نام صلابت علی خان بہادر

غریب خانہ کبھی نواح کوں میں تھا اب یہاں سے قریب یہ کیا سامنے ہے جھونپڑا ہے۔ آپ نے ملاحظہ کئے ہونگے سامنے ایک چاردیواری نظر آتی ہے۔ بس وہی اس فقیر کا کھنڈر ہے۔ مورث ہمارے بڑے اولوالعزم بہادر تھے اپنے وطن کرمان میں ہمیشہ نامور رہے یہاں بھی تلوار کے جوہر خوب دکھائے اسی کے صلہ میں جاگیر پائی حمید پور اسی جاگیر کی زمین پر انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا۔ وہی اونکا دارالامارۃ تھا۔ اونکی اولاد سے اب نہ ہی کوئی انکا جانشین ہوگا۔ فقیر چھ برس کی عمر میں ادھر چلا آیا۔

کرنیل۔ (تعجب کی نظر سے اُنکے چہرہ کو بغور دیکھتے ہوئے) کیونکر۔

خانصاحب۔ مجھے ایک جوگی پکڑ لایا تھا۔ وہ یہیں اس مکان میں رہتا تھا۔

کرنیل۔ جوگی اور یہ مکان!

خانصاحب۔ جی ہاں وہ جوگی حقیقت میں کسی ملک کا جاسوس تھا۔ آبادی سے کوسوں دور یہ مکان [illegible] بہت عیش و آرام سے بسر کرتا تھا۔ [illegible] جوگی کا بھیس ہوتا۔ بہت [illegible] کہلاتا تھا۔

کرنیل۔ درست۔

خانصاحب۔ [illegible] ہیں۔

کرنیل۔ [illegible] کیا ہوا۔

خانصاحب۔ نہیں معلوم۔ [illegible] چلتا تھا۔ [illegible] کہہ سکتا ہوں [illegible] تھا۔ [illegible] ہو۔

کرنیل۔ خیر

خانصاحب۔ مرنے سے دو دن پہلے اُس نے میرے خاندان کا [illegible] سب حال جو میں نے عرض کیا مجھ سے بیان کیا۔ میرے باپ دادا اور چچا کی تصویریں انکی ہی کھینچی ہوئی دکھائیں۔ تب مجھے اپنے نسب کا پتا چلا ہیں میں یہی جانتا تھا اسکا غلام ہوں گو وہ مجھ سے غلاموں کا سا سلوک نہ کرتا تھا۔

کرنیل۔ مگر اوس نے وہ تصویریں کیوں۔۔۔

خانصاحب۔ اوسکی عادت تہی جو نئی جگہہ دیکہتا اوسکا نقشہ بناتا جس معزز آدمی سے ملتا اوسکی تصویر کہینچتا تہا۔ سیکڑوں جنگلوں دیہات راستوں کے نقشہ امیروں درباریوں کی تصویریں قلعوں فوجی چہاونیوں کے نقشہ اور یادداشتیں بنانا۔ ملک کے حالات جو دریافت کرنا ضرور لکہتا یہ کاغذات اب ہی موجود ہیں۔ جب تک مجہے اپنے حسب نسب کا حال معلوم نہ تہا یہاں بہت خوشی سے رہتا اوسکے پاس بہت عیش سے بسر کرتا اوسی کو اپنا مالک آقا باپ سب کچہ سمجہا تہا جس دن سے اپنی اصلیت معلوم ہوئی ہے اپنا دیس دیکہنے اپنے عزیزوں اور بزرگوں کی زیارت کرنے کو دل تڑپتا ہے۔ اکثر ایسی وحشت ہوتی ہے گہر سے نکلکر پہروں اس تالاب کے کنارہ ٹہلتا ہوں۔ اور یہاں سے چلے جانے کی سوچتا ہوں آج جس وقت آپکا لشکر یہاں پہونچا۔ میں تالاب کے کنارہ بیٹہا تہا۔

کرنیل۔ مگر میں نے آپکو نہیں دیکہا۔

خانصاحب۔ مگر میں نے آپکو دیکہہ لیا تہا آپ عربی گہوڑے پر سوار تہے۔ آپکو دیکہکر میرا دل اور بہی بیقرار ہوا۔ آپکی صورت ہمارے خاندان کے لوگوں سے بہت ملتی ہوئی ہے۔ اس وقت تو میں خاموش بیابان میں چلا گیا۔ آپ کو دیکہہ کر وطن اور بزرگوں کی جدائی کا صدمہ دل پر تازہ ہوگیا تہا جاتے ہی پڑ رہا مگر دل ویسا ہی بےچین تہا بار بار یہ فرمائش کرتا تہا اس مشابہت کی وجہ دریافت کرنا چاہیے۔ آخر اوسی کے تقاضے سے آپکی خدمت میں حاضر ہوا اب دیکہتا ہوں تو آپکی صورت اپنے باپ کی تصویر سے بہت ملتی نظر آتی ہے۔ گستاخی تو ضرور ہے مگر میں اپنے دل سے مجبور ہوں بغیر دریافت کئے رہا نہیں جاتا۔ حضور کا اسم مبارک تو صلابت علی خاں ہمارے خاندان سے ملتا ہوا ہے۔ پدر بزرگوار کا اسم شریف کیا تہا۔

کرنیل۔ والد مرحوم کا نام صلابت علی خاں اور حمید پور ہمارا وطن تہا جو اب خاک سیاہ ہوگیا۔ اس حساب سے میں آپکا بہتیجا ضرور ہوں آپ یقیناً میرے وہ چچا ہیں جن کا تذکرہ میں نے ابا جان سے اکثر سنا ہے آپ کو مرتے وقت انہوں نے بہت یاد کیا۔

یہ سنتے ہی خانصاحب کرنیل صاحب سے چمٹ گئے۔ دیر تک دونوں آنسو بہاتے

رہے کرنیل صاحب نے اپنی تمام سرگزشت بیان کی اپنے بزرگوں کا مجمل حال سنایا۔
جو ہمارے ناظرین اسی باب میں سن چکے ہیں۔
خانصاحب۔ بیٹا۔ اب تم وطن جاتے ہو۔ مجھے بھی لیچلو۔ ہمارا گاؤں تباہ ہو گیا جاگیر سب خاک میں مل گئی تو کیا ہوا اپنا دیس تو اپنا ہی ہے۔ تم نے گوالیار میں رہنے کی نیت کی ہے۔ میں بھی وہیں رہوں گا۔ ایک لڑکی کے سوا کوئی اولاد نہیں ہے۔ اوس کی شادی نہیں ہوئی ہے تم بھی ابھی کنوارے ہو۔ تم سے میرا گھر آباد رہیگا میرے پاس جو کچھ ہے تم دونوں کے لئے ہو گا۔ خدا کا دیا اتنا ہے کہ کئی پشت تک بہت عیش سے بسر ہو سکتی ہے۔ وہاں پہونچکر نوکری چھوڑ دینا پھر نہ جانا۔ گھر میں آرام سے رہنا جی بہلانے کے لئے کوئی شغل زمینداری یا سوداگری وغیرہ کر لینا۔ میں ابتک تنہا اتنا بڑا سفر کرنے ہچکچاتا تھا۔ بیوی لڑکے کا ساتھ۔ مال دولت گرستی کا سب کھڑاک اکری خسانہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا اس جنگل میں کیسے چھوڑ جاؤں اور صرف اسباب ہو تو چھوڑ بھی جاؤں۔ سیکڑوں گائیں بھینسیں۔ بیل۔ گھوڑے۔ اونٹ یہ سب جاندار اس جنگل میں کیسے بسر کرینگے بغیر دانہ پانی تڑپ کے مر جائینگے۔ آزاد کر دوں گا تو درندہ انہیں کھا جائیں گے۔ راستہ ایسا خراب۔ خطرناک۔ سفر اتنی دور کا اپنے آدمی سب غلام نافرجام جن کی ذات سے وفا نہیں۔ اور غلام بھی ایسی ہیں جیسے وہ ملعون مجھے لے آیا تہا اوہیں ہی پکڑ لایا تہا۔ ابتک اس جگہ وہ مجھے اسکا بیٹا۔ جانشین اپنا مالک جانتے تہے۔ سفر میں نہیں معلوم کیا اتفاق ہو۔
کرنیل۔ کیوں۔ اُنسے کیا خوف تہا۔
خانصاحب۔ ان میں سے بعض کو یہ معلوم ہو گیا ہے۔ میں اس ملعون کا بیٹا نہیں ہوں اور وہ سب بہکائے آئے ہیں۔ یہاں تو میں نے اونہیں کے خوف سے سو سے زیادہ سپاہی اپنی نواح کے اپنی دس بارہ دن میں نوکر رکھ لئے ہیں۔ راہ میں وہ ساتھ ہونگے نہیں میں اُن غلاموں کے بس میں ہوں گا۔
کرنیل۔ کیوں۔
خانصاحب۔ وہ اپنے دیس سے کہیں جانا نہیں چاہتے مگر اب مجھے کچھ اندیشہ

نہیں تمہارے ساتھ اچھی خاصی کافی فوج ہے تم میرے سب مال دولت اور اس لڑکی کے مالک ہو۔ تم خود ہی سب کی حفاظت کرلو گے۔ وہ نمک حرام تمہارے خوف سے کچھ فساد کبھی نہ کریں گے۔ ہم سب بہت آرام اور امن کے ساتھ وطن پہونچ جائیں گے۔

کرنیل۔ جیسی آپکی مرضی ہو۔ میں آپکی ہر ایک حکم کی تعمیل سرآنکھوں سے کرنے کو حاضر ہوں۔ مگر ۔۔۔

خانصاحب۔ میں سمجھ گیا تم لڑکی کے بابت پوچھتے ہو وہ کہاں سے آئی یہاں آپنے کس سے شادی کی۔

کرنیل صاحب۔ جی ہاں۔

خانصاحب۔ وہ مردود اپنے سب غلاموں میں صرف مجھسے باپ کا سا سلوک کرتا تھا۔ مجھے بیٹا کہتا میں اُسے ابا کہتا۔ اسکے ہر ایک چیز پر میرا تصرف سگے بیٹے کی طرح تھا دیکھنے والے کبھی یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ میں کسی اور قوم سے ہوں۔ یہ سب غلام میرے بعد آئے ہیں۔ پچھلے سب خادموں کو اُس نے میرے آنے کے بعد ہی رخصت کردیا تھا۔

کرنیل صاحب۔ کیوں۔

ایک بار سب نے اپنی تنخواہ میں ترقی ہونے کے لیے مشورہ کرکے بلوہ کیا اُس نے بڑی دانائی سے سب کی ترقی بظاہر قبول کرلی۔ یوں اس بلوہ کو فرو کیا پھر ان میں نفاق پیدا کر کے زور دار اور با اثر آدمیوں کو آپس میں لڑا دیا وہ کٹ مرے باقی جماعت کا یکجائی اور آپس کے کینہ اور بغض کے سبب تفرقہ ہوگیا۔ تو اس نے آہستہ آہستہ سب کو دفع کیا اوسکے بعد اپنی خدمت کے لئے نیا بچہ لایا جو بڑا ہو کر آدمی کا سہارا وہ بڑا امیر بہت عقلمند آدمی تھا۔ مجھے اُس نے اپنا بیٹا بنایا تو میری شادی کی فکر ہوئی ایک سید کی لڑکی بہت خوبصورت میرے ہم عمر تمہارے ہی دیس سے اوٹھا لایا اوسے بھی میرے ساتھ یہ درس کیا ہم دونو جوان ہو لئے تو ہماری شادی کردی تمہاری وہ چچی سیدانی بھی زندہ ہیں انھیں سے یہ لڑکی ہے۔

کرنیل۔ درست لیکن جاسوس کو ان باتوں سے کیا سروکار ایسے آدمی آزاد رہتے

ہیں۔ وہ گرستی کے جنجال میں پھنسا رہتا تھا۔ کام کیا کرتا ہوگا۔

خانصاحب۔ یہ سب کھڑاک اُس نے اپنا راز چھپانے کے لئے کیا تھا۔ کام اپنا ہمیشہ بہت مستعدی سے کرتا تھا۔ وہ کسی غیر ملک کا جاسوس تھا۔ اُسکے ملک کے آدمی جو اِسکے ماتحت تھے طرح طرح کے روپ بہرے ہوئے جا بجا پہرتے تھے۔ مگر سب اِسی ملک کے آدمیوں کے بھیس میں تھے وہ اوس کے پاس آتے تھے اونسے اپنی زبان میں باتیں کرتا۔ اونکی سنتا۔ کچھ لکھتا دہ تحریر۔ نقشہ تصویریں۔ لفافوں میں بند کرکے انہیں دیتا تہا۔ وہ بھی ایسے ہی لفافہ اُسکے پاس لاتے تھے خود بھی دورہ کرتا جوگی کے بھیس میں ہینوں اودہر اودہر پہرتا۔ اپنی غیبت میں انہیں آدمیوں سے معتبر لوگ یہاں چھوڑ جاتا جب آتا بہت سے نقشہ یادداشتیں تصویریں لاتا بس انہیں کو بھیجتا رہتا تھا۔ اِسکے عوض اوسکو بہت روپیہ ملتا تھا وہی بہروپیئے دیجاتے تھے۔ ادریہ محلسرا نہیں معلوم کس وقت سے یہاں خالی پڑی تھی۔ اِس جگہ کے حاکم سے اجازت لیکر اِس نے اُسے آباد اور اپنے طور پر درست کیا ہے۔ حاکم سے کہا تہا میں زمینداری پیشہ ہوں یہ محلسرا مجھے دیدیجئے۔ اسے آباد کروں گا بن کاٹ کر گاؤں بساؤں گا۔ وہ سے کچھ رشوت دی وہ راضی ہوگیا پہر کسی نے خبر نہ لی۔ یہاں کیا ہوتا رہا۔

کرنیل۔ تو بیشک جاسوس تھا۔

خانصاحب۔ ہوگا بھینسم۔ اب تم اپنی چچی کے پاس چلو۔ اپنے سب آدمیوں کو حکم دو یہاں سے سب اسباب وہیں لے چلیں۔ خدا کے فضل سے وہاں سب کے آرام اور حفاظت کے لئے کافی مکان ہے وہیں اپنے گہر میں پندرہ ۲۰ دن عیش آرام سے رہو پہر یہاں سے چلینگے۔ ہاں۔ میں چاہتا ہوں تمہارا نکاح بھی کل ہیں کردوں کوئی غیریت نہ رہے تم آرام سے گہر میں رہو سکو لڑکی ماشاءاللہ سیانی ہے اوسے تمہارے سامنے آتے میں حجاب ہوگا۔ اور پردہ کرنے میں تم کو آنے جانے میں تکلیف ہوگی۔ میں تمہیں اپنا کہہ چکا ہوں تم نے منظور کر ہی لیا ہے پہر اب انتظار کیا ہے۔ بیٹا جوان مرد اور جوان لڑکی کا ایک جگہ نامحرم ہوکر رہنا بڑی آفت ہے۔ اب تم گہر میں رہوگے سفر میں ساتھ ہوگا۔ کب تک وہ تم سے پردہ کرے گی سفر میں خدا جانے کس وقت کیا موقع ہو۔ یہی بہتر ہے کل ہی نکاح ہوجائے۔

دیر تک کرنیل صاحب اور خانصاحب سے یہی گفتگو رہی خاں صاحب سب کو اپنے گھر لیجانے اور نکاح کرنے پر اصرار کرتے اور کرنیل صاحب معقول جواب دیتے رہے آخر کار۔ اُنکے اصرار سے مجبور ہو کر ساتھ چلے اپنے سپاہیوں کو انکی منشاء کے موافق حکم دیدیا ذرا سی دیر میں سب اسباب یہاں سے اٹھ گیا سب آدمی وہاں پہونچ گئے۔ اس چار دیواری کے اندر بہت سے وسیع عالیشان مکانات بڑے بڑے میدان عمدہ باغات تھے سب نے وہیں مکانوں اور باغوں میں بستر لگائے جانور جا بجا اصطبل۔ شترخانہ۔ گوخانہ میں باندھ دیئے گئے کرنیل صاحب اپنے چچا خانصاحب کے ساتھ محلسرا میں پہونچے۔ عالیشان شاہانہ محلسرا بہت آراستہ تھا۔ کرنیل کے چچی صاحب ایک شاہ نشین پر اپنی خادمہ عورتوں کی جھرمٹ میں بیٹھی تھیں۔ خان صاحب نے کرنیل کو دروازہ کے پاس صحن میں چھوڑ دیا خود جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہونچے اونسے چپکے چپکے دیر تک کچھ کہا وہ تخت پر سے اوٹھ کھڑی ہوئیں۔ کرنیل صاحب کی طرف پیار اور شفقت کی نظر سے دیکھکر ادہر چلیں۔ پاس پہونچکر اونہیں گلے سے لگا لیا۔ ساتھ لیچلیں۔ شاہ نشین پر پہونچکر اپنے برابر تخت پر بیٹھا لیا۔ دیر تک باتیں وقت اور موقع کے مناسب کرتی رہیں۔ خانصاحب انہیں بیوی کے پاس پہونچا کے باہر چلے گئے تھے۔ دیر کے بعد آئے تو اُنہوں نے کہا بیٹا۔ کھانا تیار ہے کھالو۔

کرنیل صاحب۔ ہمارے سب آدمی۔۔۔۔ جانور۔۔۔

خانصاحب۔ سب آرام اور حفاظت سے اپنی اپنی جگہہ پر ہیں کسی کو کوئی تکلیف نہیں۔ تم اپنے سامنے سب کو جو جگہہ دے آئے تھے وہیں ہیں۔ میں نے اُن سبکو کھلا پلا دیا۔ ہم۔ تم۔ یہ تمہاری چچی صرف تین آدمی باقی ہیں۔ کھانا کھالو آرام کرو۔ رات بہت آگئی ہے۔ تمام دن کی سفر سے تھکے ہوئے ہو۔ باتیں کب تک کرو گے۔ اچھی طرح سے صبح کو پھر باتیں کرنا۔

کرنیل صاحب۔ بہت اچھا۔

خانصاحب۔ کھانا کہا لینے کے بعد بیٹا تم کہاں آرام کرو گے۔ بالاخانہ پر جلوہ وہ مکان تمہارے لئے بہت مناسب جگہہ ہے۔

کرنیل صاحب۔ بہت اچھا۔

خانصاحب۔ (بالاخانہ پر پہونچکر) یہاں اس کمرہ میں اس مسہری پر آرام کرو۔ میں اب جاتا ہوں۔

اُنکے جانے کے تھوڑے ہی دیر بعد دو تین کروٹیں بدلکر کرنیل صاحب سو گئے۔ ٹھیک آدھی رات تک بیخبر سوتے رہے پھر یکایک آنکھ کھل گئی۔ وہ خود نہیں جاگے انہیں کسی نے جگا دیا جگانے والی ایک زیبا اندام دلربا شکل۔ دلکش ادا۔ نوجوان نازنین تھی۔ کرنیل صاحب کروٹیں لیتے لیتے چت ہو گئے تو وہ اُنکے اوپر تھی آنکھ کھلی تو ان کا پیٹ اُسکے سڈول اور تنگ چست جانگھیا میں کسے ہوئے سرینوں کے نیچے۔ سینہ گدرائے ہوئے آبدار برہنہ رانوں میں دبا تھا۔ ان رانوں کا پُر آب و تاب خون کی سرخی کی جھلک دکھاتا ہوا گورا رنگ سامنے جلتی شمع کی روشنی میں چمک کر کسی سے کچھ اشارہ کر رہا تھا۔ بڑے بڑے سیاہ بہت باریک گھنے بالونکی لانبی بہت موٹی چوٹی پیٹھ پر پڑی کرنیل کی ناف کے قریب کنڈلی مارے ہوئے تھی۔ بڑے نوکدار رکیلی۔ کاجل لگے آنکھیں جن میں حیا شرم اور محبت کے عوض شوخی بیباکی کوٹ کوٹ کے بھری تھی انکی آرزومند آنکھوں سے دوچار رہیں۔ کتابی۔ صاف شفاف بھرے بھرے چہرہ کے نقش و نگار اُسکے رنگ میں شوخی اور غصہ کے اثر کا انداز لئے ہوئے سرخی کی جھلک دکھا رہی ہے۔ غرض دریا حسن کا ایک مکمل بے نظیر مرقع پیش نظر تھا۔ اور بہت تیز چھری کی دہار اُنکے حلق پر تھی جسکا دستہ نازنین نے مہندی لگے ہاتھ میں تھا۔

کرنیل نے آنکھ کھولکر پھر بند کرلی۔ معشوقانہ قہر و غضب کی دیوی نازنین سمجھے یہ نیند کا متوالا ابتک ہوشیار نہیں ہوا ہے۔ ادہر انہوں نے آنکھ بند کرنے کے ساتھ ہی ایک پیچ کیا۔ پلک مارنے سے بھی بہت پہلے چھری خود پڑی ہی تھی اور یہ خود تو فرش پر نازنین کے دونوں ہاتھ اوسکی پیٹھ پر اسی کی چوٹی سے بندھے تھے دونوں زانو اور پیٹھ کے بیچ میں دبی تھی انکا ایک ہاتھ اسکے سینہ پر بہت زور سے رکھا ہوا تھا جو خوب تنگ چست چولی اور صدری سے خوب کسا ہوا تھا دوسرا ہاتھ شانہ پر تھا اسطرح کرنیل نازنین کے پیٹ پر بیٹھا اپنی طاقت دکھا رہا تھا۔

نازنین۔ (شرم سے نیچی نگاہ کرکے) ہٹو مجھے چھوڑ دو۔ میں تم سے حریفانہ مقابلہ کروں گی تم غالب آگئے تو میری تمنا دلی مراد پوری ہوگی مغلوب ہوئی تو میرے باپ کا کام ہوگا۔ ہٹو جلدی چھوڑ دو (تیور بدل کر معشوقانہ انداز سے) نہیں چھوڑتے (مسکرا کر) اس بھوڑے سے غلبے کی سند نہیں ہے بالکل غافل تھی۔

کرنیل۔ آپ ہوشیار ہو کر کیا کریں گی۔ مگر تم یہ بتا دو تم کون ہو۔ اس بڈھے نے تو مجھ سے کچھ اور ہی کہا تھا۔ میرا چچا بتاتا تھا تو مجھے کچھ اور......

نازنین۔ مجھے چھوڑ دو میں تم سے مغلوب ہوئی تو سب کہہ سنا دوں گی۔ اور غالب آئی تو یہی بہتری ہے اور تمہارا گلا۔ سیدھے عدم آباد پہونچو گے حال دریافت کرنے کی آرزو تمہاری گور پر جو میری ہی عنایت سے بنے گی تمہیں قیامت تک رُلاتی رہیگی۔

کرنیل نے اسکے ہاتھ کھول دیے۔ اور چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

نازنین۔ اب کھڑے منہ کیا تکتے ہو تلوار سنبھالو۔ میں نے تم سے کہدیا ہے۔ میں حریفانہ جنگ کروں گی۔

کرنیل۔ آخر کیوں

نازنین۔ میری خوشی۔

کرنیل۔ تم ہو کون اور اس مقابلہ کی وجہ کیا۔ میرے چچا نے مجھسے کیا کہا تھا اور میں کیا دیکھ رہا ہوں میری حیرت بڑھتی جاتی ہے۔ قریب ہے کہ میں دیوانہ ہو جاؤں مجھپر رحم کرو یہاں کی سب حالات پہلے مجھسے کہدو تب میں تم سے مقابلہ کروں گا۔

نازنین۔ تم سے مغلوب ہونے سے پہلے میں کچھ بھی نہ کہوں گی تم ناحق منت خوشامد کرتے ہیں۔

کرنیل۔ تم مجھپر غالب آئیں تب۔

نازنین۔ (چین بجبیں ہو کر) میں نے پہلے ہی کہدیا ہے ناحق کی بکواس میں وقت خراب نہ کرو مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

کرنیل۔ میں تمہاری اس گھڑکی جھڑکی اور بنے ہوئے غصہ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا

ان باتوں کو گرہ رکھو۔ اور کچھ نہیں تو مجھے یہی بتا دو تم مجھپر غالب آئیں تو کیا ہوگا۔

نازنین۔ میں تمہیں اسی چھری سے ذبح کر ڈالوں گی۔ میرے باپ کا جسے تم اپنا چچا سمجھتے ہو یہی حکم ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی یہ کہدیا تہا۔

کرنیل۔ تمہارے ہاتہ سے ذبح ہونا بڑے خوش قسمت کو نصیب ہو سکتا ہے۔

نازنین۔ یہ سب سنی ہوئی باتیں ہیں۔

کرنیل۔ نہیں میں سچ کہتا ہوں۔ تمہاری پیارے سر کی قسم میرے قبضہ میں بیشمار جانیں ہوں۔ تو ہر ایک کو تمہارے ایک ادا پر نثار کر دوں پیاری نازنین میں وہ دل کہاں سے لاؤں جو تمپر تلوار اوٹھانا گوارا کرے۔ مجھسے یہ نہیں ہو سکتا۔ تم یونہی سمجھ لو کہ میں تم سے مغلوب ہو گیا۔ آؤ میں خود لیٹ جاتا ہوں یہ لو چھری حاضر ہے۔ مجھے بے تامل ذبح کر ڈالو۔ پیاری مجھے اس تماشے کی حسرت نے کیا کم حیران کیا تہا کہ تمہارا حسن . . . .

اور وہ فرش پر لیٹ گیا چھری اپنے گلے پر رکھ لی۔ نازنین نے جھپٹ کر ایک لات اوسکے سر میں ماری اور تیور بدل کر کہا۔

میں تمہارا کوئی عذر نہ سنوں گی اپنا عہد پورا کروں گی۔ اور میں اس طرح کیوں ذبح کروں تم سے کمزور یا کسی ہنر میں کم ہوں تو اسے غنیمت سمجھوں میں تمہیں ابھی باندہ کے ڈالدونگی۔

کرنیل۔ بیشک۔ اب تم مجھسے ہر ایک فن میں زیادہ ہو مگر تھوڑی دیر پہلے میں زیادہ تہا۔ ورنہ تم کو اس آسانی سے کیونکر باندہ لیتا۔

نازنین۔ اوس بات پر نہ اتراؤ۔ دہوکے میں . . .

کرنیل۔ اب میں دہوکے سے بھی تمپر غالب نہیں ہو سکتا میرے ہاتہ پاؤں دل و دماغ کی سب قوت تمہاری نذر ہو چکی ہے۔

نازنین۔ پھر وہی راگ اور لات مار کر اٹھو۔ تم اسکا خیال ذرا بھی نہ کرو۔ تم مجھے ذرا بھی چرکا نہیں دے سکتے۔

کرنیل۔ کچھ ہو۔ میرا ہاتھ تمپر نہ اوٹھیگا۔

نازنین۔ ہائے کیوں نہیں کہتے۔ تم بودے ہو مجھ سے ڈر گئے۔ محبت کو کیوں
بدنام کرتے ہو۔

کرنیل۔ یہی سہی۔

نازنین۔ بڑے بیہودہ مجھی آدمی سے پالا پڑا ہے۔ سنو رات تھوڑی سی باقی
ہے۔ مجھے اپنی اور تمہاری بچاؤ کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

کرنیل۔ پھر کیا انتظار ہے۔

نازنین۔ میں تمہیں پہلے آزماؤں۔ اپنا عہد پورا کروں تب اپنا مالک بناؤنگی
میں ان فرضی باتوں سے نمانوں گی۔ ناحق محبت نکرو۔ اٹھو۔ میری جان عزیز ہے
تو مجھ سے مقابلہ کرو۔ نہیں ہیں..... ہے ہے تمہیں شرم نہیں آتی۔
میں کمزور ہوکر تمہیں اپنے مقابلہ کے لئے ابھارتی ہوں تمہیں ڈلاتی ہوں اور تم بیہودہ
عذر کرتے ہو بیہودہ کہو۔ اس طرح محبت جتانے سے میں تمہاری دم میں نہ آؤں گی۔
بے تامل تم کو ذبح کرڈالوں گی۔ تمہاری سب عمر میں تمہارے دل ہی میں رہتیگی
اور میں بھی..... خدا نے یہ ہاتھ تم کو اس لئے دئے ہیں کہ اپنی حفاظت کرو۔

کرنیل۔ حفاظت دشمن سے کیجاتی ہے۔

نازنین۔ اور میں کون ہوں۔ سن چکے ہو میں ذرا بھی رعایت تمہاری نہ کرونگی۔
اس نے ایسی ہی بہت سی باتیں کہیں اسے بودا ڈرپوک۔ کمزور بناکے گالیاں
دیکر طیش دلایا۔ آخرکار وہ اٹھ کھڑا ہوا تلوار ہاتھ میں لے لی۔ نازنین بھی ایک تلوار
دوسرے کمرے سے لے آئی۔ دیر تک دونوں خوب ہاتھ چھوڑ رہے۔ دونوں ایک
دوسری کی ضرب کو بہت صفائی اور پھرتی سے تلوار ہی پر بچاتے تھے۔ یونہی
لڑتے لڑتے ایکبار کرنیل نے موقع پاکر اسکی تلوار چھین کر پھینک دی نازنین نے
فوراً چھری اٹھالی۔ کرنیل نے اپنی تلوار بھی دور پھینک دی اور چھری کی دو تین
ضربیں بچاکے وہ بھی اوسکے ہاتھ سے چھین لی۔ نازنین پہلوانوں کی طرح اوس سے
چمٹ گئی۔ کرنیل تھوڑی دیر تک اسکا زور روکتا اور اوسکے ہر ایک پیچ کو کاٹتا
رہا خود زور یا کوئی داؤں نہ کیا جب وہ تھک گئے تو کرنیل نے اسے ایک پیچ
سے دور پھینکدیا۔ اور بہت بدحواس اسکے پاس دوڑکر پہونچا۔ اسکے سمجھنے سے

پہلے وہ اوڈھ کپڑی ہوئی تھی مگر کرنیل نے بہت منت ظاہر کرنیوالے لہجہ سے پوچھا پیاری کہیں چوٹ تو نہیں لگی اور خود فرش پر بیٹھ گیا۔
نازنین۔ نہیں میں ایسی بودی نہیں ہوں۔ آپ ابھی سے تھک گئے۔
کرنیل۔ ناحق میرا گلا میرے ہاتھ سے کٹانا چاہتی ہو۔
نازنین۔ یہ کیا۔
کرنیل۔ نہیں کچھ صدمہ پہونچے گا اور میں زندہ ہوں گا۔ تو یہ۔
نازنین۔ پھر وہی فضول باتیں۔
کرنیل۔ کیا ابھی میرے امتحان میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ یہی ہے تو تم تلوار ہاتھ میں لے لو۔ میں یونہی بیٹھا رہوں گا۔ تم خوب تان تان کے جہاں جی چاہے ہاتھ لگاؤ۔ میں بچاؤں گا۔
نازنین۔ ذرا سے غلبہ پر تم اترا گئے۔ تم اتنے نہیں ہو اور میں بھی ایسی نہیں ہوں جیسا تم نے سمجھ لیا ہے۔ اچھا لو بچو۔
کرنیل۔ خوب ہوشیار رہو۔ یاد رکھو دوسرے ہاتھ کے بعد تم چت پڑی رہو گی۔ میں تمہارے سینہ پر ہوں گا۔
نازنین۔ واہ۔
کرنیل۔ بہت اچھا۔ تم یوں نہ مانو گی۔ اچھا تم اپنا کام کرو۔
نازنین نے بہت ہوشیاری کے ساتھ پورے زور سے دو ہاتھ ضرب دو بار کرنل کے سر پر لگائی۔ کرنل نے اپنا ہاتھ ضرب بچانے کے لئے نہ اوٹھایا دونو بار تلوار آتے دیکھکر جھجک کے نازنین کے پاس پہونچا۔ تیسرا ہاتھ نازنین نے اٹھانا ہی تھا کرنل نے کوئی پیچ کیا تلوار دور گرے نازنین اوسکے پاؤں کے پاس چت گر پڑی اور وہ اوسکے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔
نازنین۔ بس اب ہٹ جاؤ تم ہر ایک فن میں خاصکر بنوٹ میں پورے ہو تمہاری قوت بھی مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ تم نے ہر بار نیا ہی پیچ کیا جو میں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ تمہارا کمال اس درجہ کو پہونچ گیا ہے کہ تم خود موقع کے مناسب داؤں پیچ ایجاد کر لیتے ہو تمہارے جسم میں پھرتی بہت زیادہ ہے کس بل بہت

اچھے ہیں مجھے بیشک یہ دعوت تھا کہ تم پر سوا میرے بھائی کے کوئی غالب نہیں ہو سکتا تھا اب مجھے معلوم ہوا تمہاری علمیت بہت کس بل اور تمہارے معلومات کے سامنے اسکی کچھ بھی ہستی نہیں۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہم یہاں سے بہت آسانی سے بچ نکلیں گے۔

کرنل۔ میں یہی سمجھا۔

نازنین۔ اپنی برہنہ رانوں کو دیکھکر شرمائی گئی اُٹھکر بھاگی۔ کرنل بھی اسکے پیچھے چلا نازنین نے کہا تم نہ آؤ۔ گھبراؤ نہیں میں کہیں نہیں جاتی دوسرے کرہ سے کپڑے پہنکر ابھی آتی ہوں۔ اور وہ اپنا تنگ چست پاجامہ پہنکر دوپٹا اوڑھ کے فوراً چلی آئی۔

نازنین۔ اب میں تم سے باتیں کروں گی شرم سے آنکھیں نیچے کئے ہوئے ذرا ہٹکر بیٹھو۔

کرنل۔ بہت خوب۔ واقعی ابھی ہم دونو کو احتیاط ہی کرنا چاہئے شیطان بہت قوی اور ہوشیار ہے۔

نازنین۔ یہ مکان اس جگہ ایک راجہ نے بنوایا تھا میں نے اسی بڈھے تبیت کی زبانی ایسا ہی سنا ہے۔ اس موذی کے باپ نے اسپر قبضہ کر لیا۔ اسے دغا سے مار ڈالا۔ جیسے وہ یہیں رہتا تھا اوسکے حکم کے تابع آٹھ سو مضبوط بڑے بہادر آدمی تھے جو اب اس ملعون کے تابع ہیں۔ ان کا پیشہ قزاقی اور ٹھگی ہے قافلوں کو ڈاکہ ڈالکر لوٹتے ہیں کبھی ایسے ہی حیلے بہانے سے مار ڈالتے اور مال لے لیتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ لڑکے لڑکیاں بیچتے ہیں۔ اس گھر میں بہت سے غلام ہیں۔ انہیں بچپن سے اس موذی نے پرورش کیا ہے۔ مجھے بھی یہ موذی کہیں سے اوٹھا لایا تھا۔ میں اسوقت بہت کم سن تھی مجھے اسی نے پڑھایا۔ اور ہر ایک فن کی تعلیم دی جب جوان ہوئی تو میرے سپرد یہ خدمت کی گئی جس آدمی کو کہیں سے بہلا پھسلا لائے اور رات کو یہاں مہمان رکھے۔ میں اوسے ذبح کر ڈالوں۔ یا جس تدبیر سے ہو سکے مار ڈالوں۔

کرنل۔ اس تدبیر سے حاصل۔ تمہی کہتی ہو اسکے فرمانبردار آٹھ سو

جوان ہیں۔

نازنین ۔ بیشک۔ مگر ڈاکہ ڈالنا مشکل ہے نہ۔ اُس میں پوری جان جوکھم ہے اور اس تدبیر سے بغیر محنت مشقت کے کام ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ آپ چند روز سے انہیں سرکاری فوج کا اندیشہ بہت ہو گیا ہے ڈاکہ ڈالنے کو کہیں نہیں جاتے فوج انکی گھات میں ہے۔

کرنل ۔ فوج یہاں نہیں آسکتی۔

نازنین ۔ راستہ بہت خراب ہے توپخانہ تو بالکل آہی نہیں سکتا سواروں کا آنا بھی دشوار ہے۔ پیدل آسکتے ہیں وہ بھی تھوڑی سی بہت سی فوج ایک ساتھ نہیں پہونچ سکتی تم نے دیکھا ہی ہوگا۔ اور یہ بھی مشہور ہے انکے اس قلعہ میں توپیں ہیں اور انکے ساتھ کئی ہزار جرار سپاہی بھی ہیں۔

کرنل ۔ ہاں۔ اور سرکاری فوج کے افسر بہانہ ڈھونڈتے ہیں انہیں ملک کی تباہی بربادی کی کچھ پروا نہیں وہ ہیں اور عیش نقد

نازنین ۔ میں بچپن سے اس پیشہ سے بہت نفرت کرتی تھی جب مجھے یہ کام سپرد کیا گیا۔ تو میں نے دل میں عہد کیا۔ جو آدمی مجھے ذبح کرنے کے لئے ملیگا۔ وہ خوبصورت جوان ہوا۔ اور میرا دل اسیر آگیا۔ تو اس سے مقابلہ کرونگی۔ اس کی سپاہگری کا امتحان لونگی وہ غالب آیا تو اسکے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی مغلوب ہوا تو اسے چھوڑ دوں گی خود اپنا گلا کاٹ کے مرجاؤں گی۔ جو آدمی مجھے پسند نہ آئےگا اُسے یونہی مار ڈالونگا مگر شکر ہے۔ ابتک میں نے کوئی خون ان ہاتھوں سے نہیں کیا۔ یہاں ابتک ایسے ڈرپوک اور بودے آدمی آئے کہ مجھے ڈراؤنی شکل میں دیکھکر چلا کے مرگئے۔ اور یہ کام مجھے اس لئے دیا گیا ہے کہ میں ہر طرح کے مردوں سے ملکر انہیں مارکر نڈر ہو جاؤں مجھ میں اُس ملعون کی بہو بننے کی صلاحیت ہو جائے۔ ان ملعونوں کی عورتیں بہت سے زیادہ سنگدل اور چالاک حیلہ باز ہوتی ہیں انہیں اسی طرح ایسی باتوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔ تم نے جس عورت کے ساتھ کھانا کھایا تھا جو تمہاری چچی بنی تھی وہ اس ملعون کی بیوی اور بڑی سفاک ہر ایک فن میں استاد ہے۔ مجھے وہ ملعون اپنے بیٹے کے لئے لایا ہے مگر ابتک وہ مجھے

بہن کہتا ہے میں اسکو بہادری کہتی ہوں جب میں اس فن میں کامل ہو جاتی۔ تو۔
... خدا نہ کرے ... میں نے آج تمہیں گھر میں آتے دیکھا تو خود بخود تمہاری محبت
میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ میرے دل نے تمہیں اپنا مالک بنانے کے لیے
پسند کر لیا۔ مگر جب مجھے اپنا عہد یاد آیا تو دل بہت گھبرایا۔ یہی خیال ہوا تم بھی ویسے ہی
بودے کمزور ہو گے جیسے اور آدمی اب تک میں نے دیکھے ہیں۔ تو میں تمہارا
امتحان کیا خاک لوں گی۔ تم ڈرانے ہی سے مر جاؤ گے۔ اور امتحان نہ لوں گی تو
عہد کے خلاف کر کے کیا خوش ہوں گی۔ میں بچپن سے سپاہیانہ ڈھنگ سے رہی ہوں
مجھے سپاہ گری کی تعلیم دی گئی ہے میں نے صدہا مرد دیکھے ہیں بلکہ انہیں ڈرا کے
مار ڈالا ہے۔ میرے دل کا مالک ایسا ہی چاہیئے۔ جو مجھ سے ہر ایک بات میں زیادہ
ہو صرف صورت شکل سے میرا دل تسکین نہ پائے گا۔ تم کو اپنے دل کا مالک بنا ہی
لیا تو تمہاری وقعت میری نظر میں کیا ہو گی مگر میں نے تمہارا امتحان اسی طرح مناسب
سمجھا تمہیں اور صورت سے نہیں ڈرایا کہ شاید تم خوف سے مر جاؤ اور میرے
دل میں تم سے کچھ باتیں کرنے کی آرزو باقی رہے۔ یہ مجھے خوب یقین تھا کہ تمہارے
بعد میں بھی زندہ نہیں رہ سکتی مگر کسی طرح گوارا نہ تھا کہ امتحان اور کچھ کہے سنے بغیر تمہیں
اپنا بنا لوں یا تمہاری جان لے لوں خود مر جاؤں۔ شکر ہے کہ تم میرے مالک بننے
کے قابل ہو۔ میں تمہاری ہو چکی۔ اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرو رات تھوڑی
سی باقی ہے۔ جلدی بھاگ چلو بس سوا اسکے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ تمہارے
سب آدمی مارے گئے۔ وہ ملعون صبح کو مجھے اور تم کو زندہ دیکھے گا تو آفت ڈھائیگا۔
تم بہادر ہو پورے سپاہی ہو۔ سو دو سو بلکہ ہزار پر بھاری ہو مگر اُنکی جماعت بھی تھوڑی
نہیں ہے اُن میں اکثر اچھے سپاہی اور اس فن میں کامل ہیں تم تنہا اون سے کہاں تک
لڑو گے۔ اس لئے میں نے پہلے سے یہ بندوبست کر لیا ہے ایک
سانڈنی سو کوس کے دھاوے کی عمدہ جواہرات ضروری سامان اور اشرفیوں سے
لدی دیوار کے نیچے کھڑی ہے۔ اور یہاں اسی سیڑھی کے نیچے رسا موجود ہے اسے
دیوار پر ڈال کر ہم دونوں اتر جائیں سانڈنی پر بیٹھیں اور دن نکلنے سے پہلے
کہیں پہونچ جائیں اس سانڈنی سے زیادہ دھاوے کی اور کوئی سانڈنی کسی کے

پاس یہاں نہیں ہے کوئی ہمارے گرد بھی نہیں آ سکتا۔ چلو اٹھو اب دیر نہ کرو۔
وہ دونوں سانڈنی پر سوار ہو کر چل دئے دن کے تیسرے پہر تک کہیں نہ ٹھہرے ۳ بجے کے بعد یکایک انہیں یہ آواز سنائی دی اب کہاں جاؤ گے میں آ پہونچا نازنین نے کہا بڑا غضب ہوا لو۔ وہ اوس ملعون کا لڑکا آ پہونچا ہے ہمنے دھوکا کیا سو کوس کے دھاوے کی سانڈنی وہیں چھوڑ دی جسپر اب وہ سوار ہو کر آیا ہے یہ سانڈنی پچاس کوس کے دھاوے کی ہے جبھی وہ ایسی جلدی یہاں پہونچ گیا۔ خیر کچھ پروا نہیں یہیں اتر پڑو اس سے مقابلہ کرو تم تنہا اسپر غالب نہ آئے تو میں تمہیں مدد دوں گی۔ دونوں جوانمرد وہیں مقابلہ کو ڈٹ گئے خوب تلوار چلی داؤں پیچ ہوئے آخر کار شام کے قریب کرنل نے موقع پاکر اوسکی تلوار چھین لی اور اسے ایک سخت پیچ سے باندھ کر ڈالدیا۔ نازنین نے اوسیوقت اپنا اسباب اوسکی سانڈنی پر لادا اور خود اپنے ہاتھ سے اوس ڈاکو کو قتل کر کے سانڈنی پر بیٹھ گئی اور اپنی پیارے کو بیٹھا لیا۔ اور ہوا سے بھی زیادہ تیزی سے روانہ ہو گئے اب انہیں کچھہ ڈر نہ تھا تاہم وہ سو کوس تک برابر چلے گئے۔ بلکہ اور آگے جاتی مگر سانڈنی رات کے ۹ بجے تک پورے سو کوس پر تھک کر بیٹھ گئے۔ اور افسوس نہایت خطرناک جنگل میں بیٹھے۔ نازنین نے میوہ روغن روٹیاں نکالیں دونوں نے کھائیں۔ چھاگل سے پانی پیا۔ اور ایک درخت کے نیچے بستر بچھا کے بیٹھے۔ نازنین نے کہا یہ جنگل بہت خوفناک ہے۔ بڑے بڑے سانپوں کی آواز ہر طرف سے آ رہی ہے تم سو رہو میں جاگتی ہوں تمہاری حفاظت کروں گی جب مجھے نیند بہت ستائے گی تمہیں جگا دوں گی تم پہرہ پر بیٹھنا میں سوؤں گی۔ کرنل سو رہا۔ ۱۲ بجے کے بعد نازنین نے اوسے جگا دیا۔

کرنل۔ تم نے بہت تکلیف اوٹھائی میں بہت سویا۔ اب صبح تک تم آرام کرو۔ میں پہرا دوں گا۔

نازنین۔ مگر ہوشیار رہنا ایک سانپ کئی بار آ چکا ہے۔ ہر مرتبہ میں نے چقماق سے آگ نکالی۔ مشعل روشن کی۔ اسی کے نور سے ڈرا کے اوسے بھگا دیا۔ بہت بڑا سانپ ہے پورا اژدہا ہے۔ تم ذرا بھی غافل ہوئی تو وہ دونوں کو

کھا جائے گا۔

کرنل۔ نہیں۔ تم اطمینان سے سو رہو۔ میں جاگتا رہوں گا۔ میرے زانو پر سر رکھ لو۔ (اسے خاموش اور سرنگوں دیکھکر) اچھا اس خورجی کا تکیہ لگا لو۔ بیٹھک میں ایک غیر ہوں وہ سو رہی تھوڑی دیر بعد کرنل بھی اونگھتے اونگھتے زمین پر گر پڑا اور غافل سو گیا۔ ۲ بجے کے قریب یکایک نازنین نے زور سے چیخ ماری

نازنین۔ ہائے غضب تم سو رہے ہو۔ لو میں چلی۔

کرنل۔ (گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں ملتے ہوئے کہا) کیوں خیر تو ہے۔

نازنین۔ کس کی خیر۔ دیکھو میرے دونوں پاؤں کہاں ہیں اور پائنتی کون بیٹھا ہے۔

کرنل۔ (گھبرا کر۔ بیحد پریشانی اور بدحواسی ظاہر کرنے والے لہجہ سے) کہاں پاؤں کہاں ہیں۔ اور کون بیٹھا ہے۔

نازنین۔ یا اللہ خیر۔ نہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اندھیاری ہی تو نہیں ہے مشعل جلا لو مگر اس اندھیرے میں وہ کیا ٹھہرے گی۔ گھبراؤ نہیں سانپ نے صرف میرے دونوں پاؤں منہ میں دبا لئے ہیں۔

کرنل۔ (ادھر دیکھکر) ہیں۔ سچ وہ کیا بیٹھا ہے۔

نازنین۔ میرے ہی تلوار مجھے دیدو۔ تمہارے ہوش حواس جاتے رہے ہیں تم سے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

کرنل۔ نہیں۔

اور وہ تلوار لیکر اوٹھا ایک ہی ہاتھ میں سانپ کا سر کاٹ ڈالا۔ بڑی خیر گزری نازنین کے پاؤں صرف اسکے منہ میں دبے تھے کوئی دانت نہ لگا تھا۔ سانپ اوسے نگلنا چاہتا تھا مگر خود اسکا جسم اتنا بڑا نہ تھا کہ آدمی کو نگلجائے اوسکا سر الگ ہوتے ہی منہ کھل گیا۔ پاؤں چھوٹ گئے نازنین کھڑی ہو گئی پیر پانی اور مٹی سے خوب دھوئے اور لیٹ رہے۔ مگر ذرا دیر بعد کروٹیں بدلنے لگے۔

کرنل۔ کیوں۔ کیا ہے۔ کچھ بے چین سی کیوں ہو۔ سو رہو۔ اب میں نہ سوؤں گا۔

نازنین۔ سانپ کا زہر اثر کرتا معلوم ہوتا ہے پاؤں میں جلن ہوتی ہے۔
کرنل۔ وہ کیا اثر کرے گا۔ میرے پاس ایک دوا ہے دبا زو کی تعویذ سے کسی بوٹی کی جڑ نکال کے، یہ ایک شاہ صاحب نے مجھے بتائی تھی مجھے ایک بار بہت زہریلے سانپ نے کاٹا تھا۔ جس سے اچھا ہوا تھا۔ تھوڑی سی کھا کے پانی پی لو۔ اور ذراسی چبا کے پانی میں گھول کے لگالو میں اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں دوا اس طرح استعمال کی گئی سوزش تھوڑی دیر میں کم ہوگئی نازنین اوٹھ بیٹھی۔
کرنل۔ اب کیا حال ہے۔ لیٹی رہو اُٹھ کیوں بیٹھیں۔
نازنین۔ اب جلن کم ہے۔
کرنل۔ سو رہو۔
نازنین۔ نہیں۔ صبح تک دونوں سوئیں گے۔ خدا جانے ایسی کیا آفت آئے
کرنل۔ اچھا۔

صبح بہت سویرے نازنین نے اپنا سب اسباب اونٹ پر لادا دو تو سوار ہو گئے چند روز میں اس راستے سے گوالیار پہونچے۔ کرنیل نے نبی داد خاں کے بیٹے اور نواسے کو علیگڑھ سے بلایا وہ بھی وہاں پہونچ گئے۔ کرنیل نے ایک عالیشان مکان نور گنج میں مول لے لیا۔ اوسی کے پاس اوسی شان کی ایک حویلی نبی داد خاں کے بیٹے کو دلا دے۔ مکان کی طرف سے اطمینان کر کے اپنی شادی اوسی نازنین سے کی۔ شادی کے بعد میاں نے بیوی کے سینہ پر ایک سیاہ تل ویسا ہی دیکھا جیسا ہم نے داد خاں کی تلوار پر آپ پہلے دیکھ چکے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نازنین جسکا اصلی نام سلیمہ ہے نبی داد خاں کی وہی نواسی ہے جو علیگڈھ سے غائب ہو گئی تھی۔ سلیمہ اب اپنی چھوٹی بہن حلیمہ اور ماں عالیہ خاتون سے ملی۔ حلیمہ کی شادی بھی مہابت خاں کے ایک عزیز سے ہو گئی۔

دوسرا حصّہ

پہلا باب

رنج پر رنج جو دینے کی ہے خو قاتل کی
ساتھ آیا ہے بہم تیغ و نمکداں لیکر

ایک اور مصیبت

ٹن ٹن۔ ٹن۔ ٹن۔

دوسری گھنٹی بجی

گاڑی چھوٹا۔۔۔۔

نو تراش ملکہ خاص انگریزی نو ایجاد کل کی بنی ولایتی جدید سانچے کی ڈبل انگلش اردو کا یہ چھوٹا سا جملہ ریلوے اسٹیشن کے سپاہی نے اپنی بھاری آواز سے ادا کیا مگر کس وقت اور کہاں۔

یہ وہی زمانہ ہے جس میں ہمارے اس فسانہ کے دلکش تعمیر کی بنیاد پڑی ہے اسکی عمر ڈیڑھ مہینہ سے دو چار دن کم یا زیادہ ہوگی دن کے گیارہ بجگئے ہیں اجمیر کے اسٹیشن پر ریل کی آمد آمد کسی وعدہ فراموش کے انتظار سے زیادہ منتظر مسافروں کو بے چین کر رہی ہے سبکی آنکھیں کبھی کی فرش راہ ہونے سے کہیں بڑھکر شوق اور آرزو سے ریلوے سڑک کی دید میں محو ہیں۔ جو کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آبکی۔ کسی بگھی کی گھڑگھڑاہٹ۔ انجنوں کے چلنے پھرنے کی صدا سب اس مد میں ہیں۔ اور جو کسی آفت کے مارے انجن نے سیٹی دیدی تو قیامت ہی ہوگئی۔ وہ آئی آئی۔ سب اپنی گٹھریاں سنبھال کے بچوں۔ عورتوں کی انگلیاں پکڑکے آمدورفت کے دروازہ کی طرف چلدئے۔

بجا طور کے زریعہ مسافرخانہ میں سب جمع ہوگئے ہیں اک ایک پر ایک پلا پڑتا ہے

ہر شخص اس دُھن میں ہے سب سے پہلے نکل جاؤں ہاتھوں سے پاؤں سے بلکہ پنجر تمام جسم کی طاقت سے کوشش کرتا ہے کسی کو آگے پیچھے کے آدمیوں کا کچھ خیال نہیں۔ اس سے اس بھیڑوں کے گلہ میں ایک ہل چل پڑ گئی ہے وہ کشمکش اور دھکم دھکا ہے کہ توبہ اس ریلا پیلی سے بیچارے بچوں کی جان پر بن گئی ہے جو اس غول میں پھنس گئے ہیں۔ ناتوان عورتوں کے دم گھٹے جاتے ہیں کسی جگہہ کوئی لڑکا رو رہا ہے کہیں کوئی عورت کسی کو گالیاں سنا رہی ہے۔ کہیں انہیں زن و فرزند کی بدولت مردوں میں بھی چخ چخ شروع ہو گئی ہے۔ کوئی بابو کو آواز دیتا ہے "بابو صاحب پھاٹک جلدی کھولو۔"

ٹکٹ گھر کے کھڑکی کے قریب اس جگہ سے زیادہ مجمع اور کشمکش ہے۔ یہاں دوہری بدحواسی ہے۔ ٹکٹ لیا ہی نہیں ہے ریل آ ہی گئی ہے۔ دو چند جلدی ہے۔ سب سے پہلے ٹکٹ لے لیں۔ کسی طرح ان سے آگے نکل جائیں ٹکٹ لیکر صحیح سلامت لوٹ آئیں تو اس بھیڑ کو چیر پھاڑ کے پہلے ہی پھاٹک سے نکل جائیں۔ الٰہی خیر۔ اس دھکم دھکا دھینگا مشتی سے کسی کی گٹھری ہاتھ سے چھوٹ گئی کسی کی پوٹلی کاندھے سے گر پڑی۔ کسی کا بیگ بہت پھٹ گیا ہے۔ کپڑے نکل پڑے ہیں پامال ہو رہے ہیں۔ مگر کوئی گری پڑی چیز آسانی سے اوٹھا نہیں سکتا۔ ذرا جھکا پیچھے سے ریلا آیا اور وہ اس جگہ سے دو چار قدم آگے تھا یا پیچھے۔ یہی غنیمت سمجھو کہ لوگوں نے اس کو کچل نہ ڈالا۔ مگر کیونکر۔ خود اوس نے اپنے بچاؤ میں جان لڑا دی۔

پولیس کے سپاہی زبانی ڈانٹ ڈپٹ اور سونٹوں کی دھمک سے امن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کسی پر کچھ اثر نہیں ہوتا اونکی کوئی سنتا ہی نہیں۔ ایسی حالت میں وہ دوسری گھنٹی بجی اور وہ آواز آئی جو آپ نے پہلے سنی تھی۔ اس ہنگامہ میں کسی نے سپاہی کی آواز نہیں سنی۔ گھنٹے کی آواز ضرور سن لی۔ یا وہ آواز بھی سنی مگر جس جس نے بھی اسی کے موافق سمجھے۔ یہی سوجھی۔ ریل کے نظر آنے کی گھنٹی ہوئی اور سپاہی نے مسافروں سے جو چبوترہ کے کنارہ والے پتھر پر ہونگے۔ الگ ہٹ جانے کو کہا۔ اب ان لوگوں کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی کوئی حد نہ تھی۔ سمٹ سمٹا کے پوری طاقت سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا کشمکش میں چوٹ لگ جائے تو بھی

کچھ پرواہ نہیں کسی طرح ریل تک پہونچ جانا۔ دروازہ کھٹکھٹاتا۔ بابو کو چلا چلا کے پکارنا یہ تو ادنے حرکت تھی۔ جو ایسی بوکھلاہٹ میں اِنسے ہو رہی تھی۔ مگر بخیر گذشت۔ سپاہیوں نے کسی طرح سب کو چپ کرایا اور بہت سہولت سے سمجھایا۔ ابھی دوسری گھنٹی بجی ہے گاڑی آنے میں بہت دیر ہے یہ سب مطمئن ہو گئے۔ اپنی اپنی جگہہ پر بیٹھ گئے۔ اور ٹکٹ لینے والے بھی دھیمے پڑ گئے۔

ٹھیک گیارہ بج کے بیتالیس منٹ پر گاڑی پہونچ گئی۔ ملکہ کھڑی بھی ہو گئی اور مسافر اترنا شروع ہوئے مگر ان کبوتروں کی کابک ابھی بند ہے۔ مسافر آتے ہیں نکاس والی کھڑکی کے پاس جمع ہوتے جاتے ہیں۔ بعض اپنے عزیزوں۔ دوستوں نے جو انہیں لینے اسٹیشن پر آئے ہیں گلے ملتے ہیں۔ ان سے اور عزیزوں کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔ اور ایک خوبرو جوان جسکی وضع سے بانکپن برستا ہے لٹپٹاپل کھاتا۔ گاڑیوں میں جھانکتا انجن کی طرف سے جارہا ہے وہ اس طرح چلتا زنانی گاڑی کے پاس پہونچکر کھڑا ہو گیا وہ ایک برقعہ پوش عورت نظر آئی جسکا ایک پاؤں پائدان پر پہونچ گیا دوسرا گاڑی کے دروازہ میں ہے۔ برقع پوش نے اسے دیکھکر محبت ظاہر کرنیوالے لہجہ سے کہا انجمن بھیا۔ اسکے جواب میں اس نے اس لہجہ سے کہا پیاری آپا۔ برقع پوش جلدی سے گاڑی سے اتر آئی اور جھپٹکر اُسے گلے سے لگا لیا۔

انجمن۔ گاڑیوں میں جھانکتے جھانکتے حیران ہو گیا۔ جس گاڑی میں دیکھا تمہارا پتہ نہیں۔

پیاری۔ لعد گاڑیوں میں۔

انجمن۔ آخر تم کس طرح لتیں۔

پیاری۔ سیدھے یہیں (زنانی گاڑی کے پاس) چلے آتے۔

انجمن۔ مجھے کیا خبر تھی۔

پیاری۔ میں نے تمہیں نہیں لکھا تھا۔ برقعہ پہنکر تنہا سوار ہوں گی کوئی اور ساتھ نہ ہوگا۔

انجمن۔ لکھا تھا۔

پیاری۔ پھر
انجمن۔ کیا برقعہ پہنکر مردانی گاڑیوں میں بیٹھنا منع ہے۔
پیاری۔ نہیں۔
انجمن۔ (جلدی سے) مجھے علم غیب تہا۔
پیاری۔ برقعہ پہنکر اکیلی عورتوں کا مردانی گاڑی میں بیٹھنا۔
انجمن۔ (جلدی سے) کیوں کیا ہوا۔
پیاری۔ کوئی مرد ساتھ ہو تو خیر۔ اکیلے کو تو ضرور مردوے ستائیں۔
انجمن۔ نہیں اسکا کیا اندیشہ۔
پیاری۔ کیوں۔ میں عورت نہیں ہوں۔ بدصورت ہوں۔ بڑھیا ہوں۔ اور برقعہ میں بوڑھی جوان سب ایک سی نظر آتی ہیں کھلے مُنہ ہوتی تو شاید کوئی نہ بولتا۔ یوں۔۔۔۔
انجمن۔ واہ۔ اچھا ڈر ہے۔ تم تمام زمانہ دیکھے ہوئے تمہارا کوئی کرتا کیا؟
پیاری۔ بیشک۔ مگر برقعہ پہنکر میں کچھ اور ہو گئی ہوں۔ پھر اسکا لحاظ بھی کرنا چاہیے۔ یوں کسی مردانی گاڑی میں بیٹھتی اور کوئی مجھے چھیڑتا تو برقعہ کی شرم سے کہنا بڑتی میں چپ ہو رہی۔ کچھ جواب نہ دیتی اسی سے اس گاڑی میں بیٹھی۔
انجمن۔ درست۔
پیاری۔ تم نے برقعہ کی سنکر سمجھ لیا ہوتا۔ زنانی گاڑی کے سوا اب کہیں گذر نہیں ہے۔
انجمن۔ اب سمجھ لوں گا۔
پیاری۔ پھر کبھی۔ خدا نکرے۔ پھر ضرورت ہو۔ انجمن۔ شاید ایسی ضرورت ہو۔
انجمن۔ اسکی لئے پنجرہ میں بند ہو کر آنا بہت خوشی سے منظور ہے۔
پیاری۔ بیشک۔ یہ موقع بڑے خوش قسمت کو ملتا ہے۔
انجمن۔ اور کیا۔
انجمن۔ چلو۔ جلدی چلو۔

پیاری۔ کیا ریل چھوٹ جائیگی۔
انجمن۔ ریل کیسی۔ گہ چلتی ہو یا......
پیاری۔ پھر جلدی کیا ہے۔ کیا کرایہ کی گاڑی ہے۔
انجمن۔ نہیں میر صاحب کی بہلی گاڑی ہے۔
پیاری۔ خیر۔ کہو انکا کیا حال ہے۔
انجمن۔ خدا کا فضل ہے۔
پیاری۔ ہماری یہ تجویز کیسی رہی۔
انجمن۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ۔
پیاری۔ سورج اور چاند کی جوڑی ہے۔
انجمن۔ بیشک۔ مگر۔
پیاری۔ دا دسکی بات سنے بغیر اور تدبیر بھی معلوم ہوئی۔
انجمن۔ ہاں۔
پیاری۔ کیسے۔
انجمن۔ میں سب سن چکا ہوں۔
پیاری۔ کس سے۔
انجمن۔ انہیں سے جو۔
پیاری۔ ہیں! یہ انہوں نے رازداری کے خلاف کیا۔
انجمن۔ یہ کیسے۔ اور کیا۔
پیاری۔ تم سے جو کچھ کہا۔
انجمن۔ نہ کہنے۔
پیاری۔ بیشک۔
انجمن۔ کسی غیر سے نہیں کہا۔
پیاری۔ نہ سہی پھر بھی انہیں۔۔۔
انجمن۔ کیوں
پیاری۔ وہ صرف ایک کام کے واسطے بھیجے گئے تھے۔ انہیں اس مخبری

سے کیا سروکار تھا۔ اون سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم سب حال کہدینا۔

الجھن۔ منع کر دیا تھا۔

پیاری۔ نہیں۔

الجھن۔ بس انہوں نے کہدیا تو کیا بُرا کیا۔

پیاری۔ بہت بُرا کیا۔ منع نہیں کیا تھا اور اجازت بھی نہیں دی تھی۔ تو انکو وہی بات کرنا تھی جس سے اون کی رازداری پر حرف نہ آتا۔ بلکہ وہ یوں سمجھ لیتے ان باتوں کے کہنے کی ضرورت ہوتی تو مجھے ضرور کہدیا جاتا۔

الجھن۔ اُن سے غلطی ہوئی۔

پیاری۔ ضرور۔ اور بڑی غلطی ہوئی۔ انہوں نے اپنا اعتبار کھویا۔

الجھن۔ ہوگا۔ اس قصہ کو جانے بھی دو

پیاری۔ وہ کون تھی۔

الجھن۔ یہ نہیں بتایا۔

پیاری۔ تم نے پوچھا بھی تھا۔

الجھن۔ ہاں۔

پیاری۔ کیا جواب دیا۔

الجھن۔ یہی کہا۔ آپ کو اس سے کیا مطلب۔ میں نے زیادہ اصرار کیا تو ہنس کر کہا۔ ہم خود نہیں جانتے ہم کون ہیں آپکو کیا بتائیں۔

پیاری۔ یہاں اپنے لیپ کی۔ اور وہ کتنے آدمی تھے۔

الجھن۔ تنہا تھا۔

پیاری۔ ٹھیک۔

الجھن۔ ہا ہم تمہاری تلاش کے قائل ہیں۔ اور ایسے معاملات کی تدبیریں بھی کوئی تم سے سیکھے۔ کیا سوجھتی ہے کہ..... مگر.....

پیاری۔ ہیں۔ اسکے بشرہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

الجھن۔ ذرا.....

پیاری۔ الٰہی خیر کہتے کہتے کیوں رہ گئے۔ ذرا کیا۔

انجمن۔ دہوکا ہوا۔
پیاری۔ کیسا۔
انجمن۔ ایک۔۔۔۔
پیاری۔ (جلدی سے) ہاں۔
انجمن۔ کیسے۔
پیاری۔ جلدی کے سبب۔ اور وہاں۔ شاید کوئی بہی نجانتا ہوگا جواب ہکو معلوم ہوا ہے۔
انجمن۔ کوئی بہی!
پیاری۔ ہاں۔ گہر والوں کے سوا۔
انجمن۔ کیوں۔
پیاری۔ اسکی ایک بڑی داستان ہے کبہی فرصت میں سنائیں گے۔
انجمن۔ اور تم کو۔
پیاری۔ مجہسے انہیں نے کہا جنہوں نے تم سے اور سب حال کہا۔
انجمن۔ انہیں کیسے معلوم ہوا۔ اور شاید انہیں کی چالاکی ہو۔
پیاری۔ تم ہی جس کے پیچہے لٹھ لئے پہرتے ہو انہیں کیسے معلوم ہوا۔ اُنکے ساتہ کون تہا کب تک رہا۔ پہر معلوم ہونا کیا دشوار تہا۔ اور وہ خود ایسا نہیں کر سکتے۔ تم انہیں نہیں جانتے اسی سے یہ کہتے ہو۔
انجمن۔ بیشک۔
پیاری۔ مگر تم نے مجہے لکہا کیوں نہیں۔
انجمن۔ مجہے بیوقوف بناتے ہو! اور!!!
پیاری۔ خود بیوقوف ہو! ہہی کہتے تہے۔ (ہنستے ہوئے) شاباش۔
انجمن۔ (شرمندگی ظاہر کرنے والے لہجہ سے) نہیں میں نے یہ نہیں کہا۔
پیاری۔ پہر۔
انجمن۔ یہ لکہنے والی بات تہی۔
پیاری۔ کیوں۔

انجمن۔ آیا تم نے مجھے بالکل وہی سمجھ لیا ہے۔
پیاری۔ کیا۔
انجمن۔ (جھلا کر) بے وقوف۔
پیاری۔ ہیں یہ بے ادبی۔ میں تم سے بڑی ہوں۔
انجمن۔ تو کیا میں نے نہیں کہا۔
پیاری۔ میں یہی سمجھی۔
انجمن۔ آیا تم مجھ سے ہی چہل کرتی ہو۔ مجھے بناتی ہو۔
پیاری۔ (مسکراتے ہوئے) مشق کرتی ہوں۔ زبان صاف کرتی ہوں۔
انجمن۔ اور مشق پہلے گھر والوں ہی پر ہوتی ہے۔
پیاری۔ ہاں۔ خدا تمہیں جیتا رکھے۔ بیٹا دے۔ اب تم نے انصاف کی کہی ہے۔
انجمن۔ یہ تمہاری ہمیشہ کی عادت ہے۔ اور سب سے زیادہ مجھ سے چہل کرتی ہو نجانے کیوں۔
پیاری۔ تمہیں آدمی بنانا چاہتی ہوں۔ گفتگو کا سلیقہ سکھاتی ہوں۔ مگر تم نہیں سیکھتے گاؤں میں رہنے کا اثر ابتک باقی ہے۔ زبان بدل گئی ہے تو کیا خیالات نہیں بدلے۔ وہ جھجک جھجک نہیں گئی۔ نہ لہجہ بدلا ہے۔ بات کہتے ہو جیسے کوئی پتھر مارتا ہے۔
تمہیں سنوارنے کے لئے میں تمہیں چھیڑتی ہوں کچھ غصہ سے نہیں کہتی۔
انجمن۔ غصہ سے ہی کہتی تو کیا تھا۔ بڑی ہو۔۔۔ خدا ماموں کا بھلا کرے نہ وہ مجھے بچپن میں گاؤں لیجاتے وہاں پرورش کرتے نہ میں ایسا رہتا۔
پیاری۔ انہوں نے تم کو بیٹا بنایا تھا۔ میراث میں کچھ تو دیتے۔
انجمن۔ اچھی میراث دی۔ میرے لئے جو جائداد چھوڑ گئے ہیں وہ بہت ہی ہے۔
پیاری۔ یہ کسکو دیتے۔ انکے جانشین تم ہوئے تو جائداد کے علاوہ باپ کی کچھ صفت بھی بیٹے میں ضرور ہونی چاہئے۔

انجمن۔ درست۔
پیاری۔ اب بھی تم خیال کرو تو بہت جلد آدمی ہو جاؤ۔
انجمن۔ بہت خیال رکھتا ہوں پھر بھی۔
پیاری۔ پھر بھی لدھڑ (ہنستے ہوئے) بنے رہتے ہو۔
انجمن۔ تم ہر بات میں۔۔۔
پیاری۔ لطف تو یہی ہے۔ اور تم ایسی بات ہی کیوں کہو۔
انجمن۔ اب نہ کہوں گا۔
پیاری۔ یوں نہیں۔ کان پکڑو (کچھ خیال کرکے) اپنے۔
انجمن۔ (مسکراتے ہوئے) آخر میں یوں کہا "اپنے"
پیاری۔ میں تم سی نہیں ہوں۔
انجمن۔ اسکے تو ہم قائل ہیں۔ اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے۔ سوجھ بوجھ صورت شکل سلیقہ سب میں خدا کے فضل سے ہزاروں میں ایک ہو۔
پیاری۔ دیہات میں یہ بہت اچھا ہے۔
انجمن۔ کیا۔
پیاری۔ تھوڑی سی جاگیر میں بسر ہو جاتی ہے۔
انجمن۔ گاؤں والوں میں یہ تکلف نہیں ہوتے سب سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ اونکا کہانا۔ پہننا۔ گہر۔ اونکا سب سامان۔ سادہ ہی ہوتا ہے کام بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی سے بہت آسانی سے گزر ہوتی ہے۔
پیاری۔ وہاں کوئی اور کام نہ چلے تو بھی کچھ غم نہیں۔ ہماری جاگیر بھی ہم کو اتنا دیتی ہے کہ اچھی طرح گزر ہو جاتی ہے۔
انجمن۔ بیشک۔
پیاری۔ اور کم بخت شہر کے تکلف خدا کی پناہ۔
انجمن۔ دوالا نکال دیتے ہیں۔
پیاری۔ یہی نہیں۔ اکثر انسے تکلیف بھی ہوتی ہے۔
انجمن۔ بہت۔

پیاری۔ چلو ہم بھی اب گاؤں ہی میں رہیں۔ ہمیں ہی کہیں سے جاگیر دلا دینا۔

انجہن۔ تم کیا رہوگی۔ اور نہ اب میں وہاں رہ سکتا ہوں۔

پیاری۔ کیوں

انجہن۔ شہر میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔

پیاری۔ بیشک وہاں جی بہت گھبرائیگا۔ مگر۔۔۔۔

انجہن۔ ضرورت ہی کیا ہے۔

پیاری۔ خرچ کم ہوگا۔

انجہن۔ خدا دیتا ہے خرچ کرتے ہیں۔ کچھ بچا ہی لیتے ہیں۔ کسی کے قرضدار نہیں ہیں۔ اور کیا چاہئے جبکے لئے شہر چھوڑیں۔ ہاں تم نے وہ حال سن ہی لیا ہے پھر اب کیا کرنا چاہئے۔

پیاری۔ اوسی کی تدبیر کے لئے آئی ہوں۔ اس میں بھی خدا نے چاہا اپنا کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں اوس کا سراغ مجھے کچھ مل گیا ہے۔

انجہن۔ کیا۔ سراغ کیا۔

پیاری۔ یعنی جس جگہ میں جاتی ہوں وہاں کا پتہ مل گیا ہے یا یوں کہو میں نے کچھ سنکر کچھ تدبیر سوچ لی ہے۔

مسافروں کی کشمکش کے سبب دونو دیر تک اسٹیشن کے اندر ہی ایک گوشہ میں کھڑے ایسی باتیں کرتے رہے۔ بھیڑ کم ہو گئی تو باہر نکلے گاڑی پر بیٹھکر روانہ ہو گئے جانے دیجئے جب تک آپ انکی باتوں پر غور کرکے انہیں سمجھیں ہم دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس انجہن میں ہم کیوں پڑیں صاف ظاہر ہے انکی باتیں بالکل راز تھیں۔ اور کسی اہم معاملہ کے متعلق جس جگہہ وہ کھڑے تھے کوئی خلوت نہ تھی اسی سے وہ اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ نہ آنے دیتے تھے جنسے انکے راز کا کچھ بھی پتا چلے۔ پھر ہم ناحق انکے سر کیوں ہو جائیں بس یہی سمجھ لینا کافی ہے۔ وہ راز۔ شاید کبھی ظاہر ہو جائے۔

وہی دن ہے ۴ بج گئے ہیں۔ حضرت سلطان معین الدین غریب نواز کی بارگاہ میں عصر کی نوبت بجتی ہے۔ مسجدوں میں اذان ہو رہی ہے۔ صفائی کا عملہ سڑکوں پر

جھاڑ دو چکا ہے اب چھڑکاؤ والوں کا دور شروع ہے۔ اسی حالت میں مدار دروازہ ایک فقیرن آئی یہ صدا "مائی تیرا بچہ جیئے دے خدا کے راہ پر" کہتے چلی جاتی ہے۔ وہ سفید چادر اوڑھے ہے جو کچھ میلی ہو گئی ہے۔ اس لانبی چوڑی چادر نے سر سے پاؤں تک اسکو چھپا لیا ہے۔ چہرہ بھی گھری گھونگھٹ میں چھپا ہے نہ عمر کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے نہ شکل اور قیافہ کی بابت ہم کچھ کہہ سکتے ہیں البتہ آواز ڈھلی ہوئی عورتوں کی سی ہے۔ اور قد میانہ اوسی کے مناسب جسم کا ڈول بھی ہے۔ نہ ایسی موٹی تازی ہے کہ بھدی اور بدنما معلوم ہو آپ سے خوش مزاج حضرات جا بندار نگاؤ تکیہ کی پھبتی کہیں نہ اتنی دبلی ہے کہ نگاہ میں کانٹا ہو کر جیسے ہمارے خیال مبالغہ پسند جس کی مٹی پلید کرنیوالے شاعر اسے اپنے خیالی معشوق کا سا نازک لکھ سکیں۔

وہ اسی طرح صدا کہتی ایک کمرہ کے زینہ پر کھڑی ہو گئی۔ زور سے چلا کے کہا۔۔ اللہ بھلا کرے۔ تھوڑا سا پانی اللہ کے نام پلا دے۔ اس محلہ میں اکثر لیسنس دار حسن فروش۔ آبرو کا بیوپار کرنے والے نوجوانوں کی جسمانی صحت کی دشمن قریدار دولت کی پرستار کسبیاں ہی رہتی ہیں مگر ہم انہیں کہہ سکتے جس بالاخانہ کے زینہ کے نیچے وہ سوال کیا گیا وہ بھی اس منڈی کی ایسی ہی کوئی دوکان تھا کسی بھلے آدمی کا مکان۔ البتہ اسکے جواب میں جو الفاظ بہت ملائم لہجہ۔ وہ بھی اور خوش آیند آواز سے جھانک کر دیکھے بغیر آہستہ کہنے لگے۔ ان سے بھی کچھ شک سا ضرور ہوتا ہے۔ جو کچھ ہو بالاخانہ سے آواز آئی۔ کون ہو۔ کیا کہتی ہو۔

فقیرن۔ میں ہوں دکھیا محتاج بیوہ فقیرن۔

وہی آواز۔ آگے جاؤ یہاں برکت ہے۔

فقیرن۔ مائی پیاسی ہوں۔ ذرا سا پانی پلا دو۔ بڑا ثواب ہوگا۔

وہی آواز۔ نیک بخت پانی پینا ہے تو یہاں چلی آؤ۔ وہاں کون بلائیگا کیا ہم سے پردہ کرتی ہو۔

یہ سنتے ہی فقیرن بے تامل اوپر چلی گئی۔ وہاں سجے سجائے کمرہ میں بہت سفید

مسند پر گاؤ تکیے کے سہارے سے ایک پہلے مالش جنگی عمر ۲۸ کے اندر ہی ہوگی پنسل اور کاغذ لئے بیٹھے نظر آئے۔ اُنکے ذرا دور انہیں کے مقابل کونے میں ایک خوبصورت مگر ادھیڑ کے قریب عمر تک پہونچی ہوئی عورت سفید لباس پہنے سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے۔

مرد اس عمر میں خوبصورت چھیلا جوان ہے تو عورت بھی ادھیڑ ہے۔ اُسکے قیافہ سے ہوس پرستی کے ساتھ۔ بھولا پن بلکہ سادہ لوحی ظاہر ہوتی ہے بشرہ سے خلق یا بضرورت شرم اور صحت و تندرستی کے علاوہ اپنے حسن کی بدولت ہمیشہ سکھ اور عزت سے بسر کرنے کے آثار ظاہر ہیں ساتھ سے دل میں چھپی بیٹھی کسی تمنا کی جھلک بھی نظر آتی ہے جو یقیناً اُسکے فطرتی سادہ لوحی کی سفارش ہوگی۔ فقیرن کی آہٹ سنکر جوان نے پنسل ہاتھ سے فرش پر ڈالدی۔ کاغذ زانو پر رکھ لیا۔ فقیرن کو غور سے دیکھا۔ عورت نے بھی سر اٹھا کے ادھر نظر کی۔

فقیرن۔ سلام۔

عورت۔ سلام۔

جوان۔ (اپنی ہمنشین عورت سے) بیگم تم باتیں کروگی میرا ہرج ہوگا غزل ادھوری رہ جائیگی۔

بیگم۔ نہیں میں یہاں باتیں نہ کرونگی۔ تم اپنی غزل لکھو۔ اور باتوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ بیچاری پان بیچنے آئی ہے لے کر چلی جائیگی۔

جوان۔ خاہ کیوں نہیں بہت کم سخن ہو۔ تمہیں بھلا تو مرض ہے۔ بھلا کوئی آدمی مل جائے اور چپ رہو۔ دیواروں سے باتیں کرنے کا تو ارادہ کرتی ہو۔

بیگم۔ وہ کچھ ہی۔ مگر اسوقت ایسی باتیں کرنے کا کیا موقع ہے۔ خانصاحب تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ یہ پان بیچنے آئی ہے یا۔

خانصاحب۔ تمہیں موقع کیا چاہیے۔ کوئی مل جائے۔ پھر مل جائے۔ کوئی موقع ہو۔

بیگم۔ چلو۔ تم بھی یہی سہی۔

خانصاحب۔ اسکو بیٹھک میں لے جاؤ۔ دوسرے کمرہ میں لیجاؤ۔ پھر پان بھی بلاؤگی۔

بیگم۔ ہاں لئے جاتی ہوں (فقیرن سے) چلو پانی پی لو۔

دونوں اس کمرہ میں پہونچیں۔ خانصاحب ہی کا کہنا تھا۔ پانی پلانے سے پہلے ہی باتیں چھڑ گئیں۔

بیگم۔ یہ گہرا گھونگھٹ تو کھولو۔ آخر پانی کیسے پیوگی۔

فقیرن۔ مجھے لوٹے میں دیدو۔ گھونگھٹ کے اندر ہی پی لونگی۔

بیگم۔ کیوں یہاں اور کون ہے۔ گلیوں میں راہگیروں سے پردہ کرتی ہوگی وہاں ہمارے خانصاحب بیٹھے تھے۔ یہاں۔ میں اور تم دو ہی عورتیں ہیں۔

فقیرن۔ ہاں۔

بیگم۔ اور تمہارا یہ پردہ سمجھنے والا بھی نہیں ہے۔

فقیرن۔ کیوں۔

بیگم۔ تمہیں یہ مصیبت پڑی ہے۔ گلی گلی ماری ماری پھرتی ہو۔ پھر یہ پردہ کیسے رہ سکتا ہے۔

فقیرن۔ سمجھنے کو کیا چاہئے۔ مجھ پر مصیبت چار برس سے ہے اب تک تو کسی نے صورت نہیں دیکھی۔ آواز ضرور سب سنتے ہیں۔ اس میں لاچاری ہے۔ ہائے تقدیر جو لکھ دکھائے کم ہے۔

بیگم۔ تم کون ہو اور کہاں کی ہو۔

فقیرن۔ محتاج ہوں۔ دکھیا ہوں۔

بیگم۔ نہیں جی پٹھانی ہو کر ... آواز اور رنگ ڈھنگ سے بھلے بنس کی بہو بیٹی معلوم ہوتی ہو۔

فقیرن۔ بیوی۔ میں بھی سیدانی تھی۔

بیگم۔ ہیں کبھی تھیں اب نہیں ہو۔

فقیرن۔ اب تو فقیرن ہوں۔ در در بھیک مانگتی ہوں۔ ہائے مجھے کو بیس چار میں بھی اچھی ہونگی۔ اس تقدیر نے سب کچھ یاد بالکل ڈبو دیا وہ بھی ایک زمانہ تھا ہم پلنگ پر بیٹھے رہتے تھے ماما ئیں خدمتگارنیاں تھیں یہی ایک وقت ہے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ اسی وقت تک میں سیدانی بنی تھی

اب تو فقیرن ہوں۔

بیگم۔ کیوں۔ کیا مصیبت سے ذات بھی کھو جاتی ہے۔ خدا کسی پر برا وقت نہ ڈالے۔ سیدانی ہونی یا اپنے بس کی بات ہے؟ بھلا تم اپنی خوشی گھر سے نکلی ہو؟ ہائے اس میں کیا فائدہ تھا۔ بیوی زمانہ ایک نہ ایک وقت سب کو آزماتا ہے کسی کو تھوڑا کسی کو بہت۔ اوسی آزمائش میں جس سے جو بن پڑتا ہے اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرنا ہی ہے۔

فقیرن۔ ہائے ہم ہنر کو عیب سمجھے اسی سے یہ دن نصیب ہوا۔ ہم بھلے مانسوں میں یہی تو غضب ہے۔ ہاتھ پاؤں ہلا کے کچھ کمانا۔ گزر کرنا۔ بڑا عیب ہے کوئی ہنر اس لئے نہیں سیکھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے کھاتے امیر ہیں۔ کیا ہم بھی کنگال ہیں۔ جو کچھ نہ سیکھیں گے تو کھائیں گے کیا۔ یہ خبر نہ تھی۔ یہی تن — ایک مجھ پر کیا موقوف ہے ہماری برادری کی سب بہو بیٹیاں ایسی ہی ہیں کوئی ہنر کیسا اپنے ہاتھ سے اپنا کوئی کام کرنا بھی دشوار ہے۔ جن کو کوئی کام آتا بھی ہے وہ اس شرم کے سبب نہیں کرتیں کوئی دیکھے گا تو کہے گا انکے یہاں یہی پیشہ ہوتا ہے۔

بیگم۔ ہاں بیوی سب بھلے مانسوں میں یہی خرابی ہے۔

فقیرن۔ ہمارے کنبہ ہی میں ایک بڑے میاں نے لکڑی کی ٹال رکھ لی سب انکو لکڑ ہارا کہنے لگے آخر انہوں نے چھوڑ دی۔

بیگم۔ یہی حال ہے۔

فقیرن۔ کوئی ہنر کیسا۔ مجھ پر جب یہ مصیبت پڑی ہے۔ گھر سے نکلی ہوں۔ تو مجھے کھانا پکانا بھی نہ آتا تھا اور تو کیا کہیے

بیگم۔ بیشک۔ کبھی خود کیوں پکایا ہوگا۔

فقیرن۔ پکانا کیسا۔ کبھی باورچی خانہ میں بھی نہیں گئی۔ یہ بھی عیب تھا جو سنے کے پاس بیٹھتے لوگ یہی کہیں گے خود کھانا پکاتی ہوں گی۔ ہا ہا اور کھانا پکانے والی نے دل میں کہیں گی بیوی صاحبہ بوٹیاں گنے۔ شوربا چکھنے آ بیٹھی ہیں۔ ہا ہا ہا دم ہوگا۔ پھر کے تو نقشہ نکلیں گے۔

بیگم۔ پھر تم سے محنت مزدوری کیا ہوتی۔

فقیرنی۔ بھئی تو قسمت کا پھیر تھا۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ کہ بھیک مانگیں وہ بھی کسی طرح ہوتا ہے۔

بیگم۔ اور کیا۔ مگر یہ مصیبت کیسے آئی۔

فقیرنی۔ کیا بتاؤں۔ اُسکی مرضی۔

بیگم۔ پھر بھی کچھ کہو تو سہی۔ یکا یک تم ایسی کیونکر ہو گئیں۔

فقیرنی۔ پانچواں برس ہے کہ ہمارے گھر پہ تباہی آئی شروع ہوئی سب سے پہلے ڈاکہ پڑا

بیگم۔ اے ہے۔ ڈاکہ۔ موئے ڈاکو لوٹ لے گئے

فقیرنی۔ ہاں بیوی دولت جو کچھ تھی وہ سب لے گئے۔ اور پانچ آدمی مارے گئے۔

بیگم۔ ہائے ہائے۔ کون . . .

فقیرنی۔ میرے دو دیور۔ میاں۔ تینوں بھائی۔ انکے باپ اور ماموں۔ ایک بچارہ گئے وہ اس وقت گھر پہ نہ تھے۔

بیگم۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔

فقیرنی۔ کہیں نہیں۔ اب کہاں ہے۔

بیگم۔ کہاں تھا۔

فقیرنی۔ ہوڑپورہ یہاں سے قریب ہی ہے۔

بیگم۔ ہوگا۔ میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا۔ تمہارے گھر کیا کام ہوتا تھا۔

فقیرنی۔ زمینداری۔

بیگم۔ مگر گاؤں والے اور پھر زمیندار ایسے نکمے نہیں ہوتے۔ وہ اکثر اپنا کام اپنے ہی ہاتھ سے کرتے ہیں۔

فقیرنی۔ ہم سب کچھ دن سے گاؤں میں آ رہے تھے۔ اور زمینداری بھی بسوہ آدھ بسوہ کے بستی۔ آس پاس کے دس بارہ گاؤں سب اپنے ہی تھے شہر کی تو بو۔ خدا کی دی ہوئی بہت دولت پھر ہم اپنے ہاتھ سے کوئی کام کیوں کرتے۔

بیگم - پہلے کس شہر میں رہتی تھیں۔

فقیرن - جبپور میں۔ اس سے پہلے ہمارے بزرگ دلی میں رہتے تھے۔

بیگم - اور گھر یہاں تھے۔ علاقہ اتنی دور۔

فقیرن - کیوں۔ کیا ہوا۔ ہمنے خود مول نہیں لیا تھا۔ ہمارے بزرگوں کو انگریزوں نے جاگیر میں دیا تھا۔

بیگم - کیوں۔

فقیرن - کچھ خیر خواہی کی تھی۔

بیگم - شہر چھوڑ کے وہاں کیسے گئے۔

فقیرن - ہمارے سب کنبہ والے راج میں نوکر تھے۔ بڑی بڑی تنخواہیں پاتے تھے۔ کسی بات پر سرکار کی کچھ نگاہ بدلی انہوں نے ان کی نظر ٹیڑھی دیکھی تو سب وہاں سے چلے آئے۔

بیگم - کیا سب پر خفا ہوئے تھے۔

فقیرن - نہیں۔ ایک پر۔ مگر سب ڈر گئے۔ راجہ ہیں اپنے ملک کے مالک ہیں۔ اپنی لپیٹ میں سب کو لے ڈالیں۔

بیگم - انہوں نے کوئی ایسا ہی قصور کیا ہوگا۔

فقیرن - نوری نمک حرامی کی تھی اس سے اور سب کو خوف تھا۔

بیگم - یہ کیوں۔

فقیرن - ان کی نمک حرامی کے سبب۔ سب کا اعتبار جاتا رہا۔

بیگم - ایسا کیا کیا تھا

فقیرن - جس کام پر تھے اس میں بہت سا روپیہ کھا گئے تھے سرکار نے حکم دیا تھا۔ انکے کنبہ کے جتنے آدمی ہیں سب کا حساب اور کام دیکھا جائے یہ سنتے ہی سب وہاں سے بھاگے۔

بیگم - ہاں ڈاکہ کے بعد پھر کیا ہوا۔

فقیرن - سب گاؤں لٹ گئے۔

بیگم - ہیں اے کیسے۔

فقیرن۔ ہمارے کنبہ والے سب بڑے فضول خرچ تھے۔
بیگم۔ اسی میں بگڑ گئے۔
فقیرن۔ خود نہیں ....
بیگم۔ پھر کیسے۔
فقیرن۔ اس وقت امیری شیوے میں یہ بات بھی تھی۔ سیکڑوں آدمی دونو وقت دسترخوان پر کھانا کھائیں جسکے دسترخوان پر جتنے آدمی زیادہ ہوتے اتنا ہی وہ فیاض مشہور ہوتا۔ انہوں نے اسی نمود میں لاکھوں قرض کر لئے۔
بیگم۔ روپیہ کسی مہاجن سے لیا ہوگا۔
فقیرن۔ ایک سے! بیگم۔ کئی ساہوکاروں سے۔
فقیرن۔ کئی ساہوکاروں سے۔ شہر کا بڑا چھوٹا کوئی ساہوکار نہ بچا جس سے انہوں نے قرض نہ لیا۔ اور لینا بھی کیسا ایک لیا اور سو کا تمسک لکھدیا۔
بیگم۔ کیوں۔
فقیرن۔ ضرورت پر روپیہ ملتا نہ تھا۔
بیگم۔ کیوں اتنی بڑی جائداد کے مالک تھے۔ انہیں قرض ملنے کی کیا کمی تھی۔
فقیرن۔ بیشک۔ مگر جسکا لیتے تھے ادا نہ ہوتا تھا۔ اس سے ساکھ بگڑ گئے تھے
بیگم۔ اسی سے ساہوکار نہ دیتے ہونگے۔
فقیرن۔ اور کیا۔ اور دیتے تھے تو ایک کے سو لکھا تے۔ کوئی جائداد آڑ کرا لیتے مہینوں حیران کرتے تھے۔
بیگم۔ اونکا یہی دستور ہے۔ مگر تم نے ابھی کہا تھا گھر میں بہت دولت تھی۔ ڈاکہ میں لٹ گئی۔ دولت کے ہوتے قرض لینے کی کیا ضرورت تھی۔
فقیرن۔ دولت کیا تھی نقد تو ایک کوڑی بھی نہ تھی۔
بیگم۔ جواہرات ہوگا۔
فقیرن۔ زیور۔ سونے چاندی کے برتن۔ شال۔ اور تکلفی سامان لاکھوں

بی کا تہا۔

بیگم۔ پہر کیوں قرض لیتے ہے۔

فقیرن۔ اور کیا کرتے۔ گہر کی چیزیں بیچتے۔

بیگم۔ اور کیا۔ اوسے گذر کرتے۔

فقیرن۔ یہ بہی ہوتا تہا مگر بہت کم۔ اور چوری چوری۔ کوئی سنے نہیں دیکہے نہ۔

بیگم۔ چوری کس کی تہی۔

فقیرن۔ دنیا کی۔

بیگم۔ کیوں۔

فقیرن۔ لوگ سہ کہتے۔ گہر میں اب خاک نہیں ہے۔ چیزیں بیچکر گزر کرتے ہیں اپنا بہرم جاتا۔ بد نام ہوتے۔ لوگ نام دہرتے۔

بیگم۔ اچہا بہرم تہا۔ اور اسکا کہور کہاؤ بہی بہت خوب تہا۔

فقیرن۔ کوئی چیز بیچی جاتی تہی تو اُس سے کیا خاک گذر ہوتی تہی۔ ہمیشہ سو کی چیز دس میں جاتی تہی اور وہ دس ایک ذرا سے کام کے ہو جاتے تہے۔

بیگم۔ سب جائداد ساہوکاروں ہی نے لی ہوگی۔

فقیرن۔ نیلام کرادی۔

بیگم۔ کچہہ انہوں نے خود ہی لی ہوگی۔

فقیرن۔ ہاں جن کو صرف ایک روپیہ لینا تہا انہوں نے دو روپیہ کی جو جائداد تہے انہوں نے جائداد لی۔

بیگم۔ نیلام تو سرکار نے کرائی ہوگی۔

فقیرن۔ ہاں مگر انہیں سے عرضیاں دیں بس حکم ہو گیا۔ دولت یوں گئی۔ آدمی پہلے اٹھ گئے تہے۔

بیگم۔ کوئی نہیں رہا۔

فقیرن۔ ایک چچیا سسر اور ساس باقی تہیں۔ وہ دونوں ہیضہ میں مر گئے۔

بیگم۔ ایک ساتھ۔
فقیرن۔ ہاں۔
بیگم۔ تمہارے کوئی لڑکا نہیں ہے۔ وہی پیدا ہوتا تو ۔۔۔۔
فقیرن۔ ایک لڑکی ہے۔ وہ اس وقت پیدا ہوئی تھی جب بیچارہ دیوانہ ہوئے تھے موقع تھا خدا نے بعض آرام ہوا اسکا کپ لیا۔ جسنے چھوڑ دیا۔ بھلا مجھے اس مصیبت میں اسکی کیا فکر ہوتی تھی سمجھے اپنی ہی زندگی دوبھر تھی۔
بیگم۔ اسکی عمر ۔۔۔
فقیرن۔ چار پانچ برس کی ہوگی۔
بیگم۔ بس اور کوئی نہیں ہے۔
فقیرن۔ ایک بھائی ہے۔
بیگم۔ وہ تجھے نہیں کماتا۔
فقیرن۔ وہ مجھے دیوانہ لگتا ہے۔ وہ بھی بھیک مانگتا ہے۔
بیگم۔ اور تم یہاں بس گھوم رہی ہو۔
فقیرن۔ ایک بھلی آدمی کے یہاں پڑ رہتی ہوں۔
بیگم۔ لڑکی۔
فقیرن۔ وہیں میرے ساتھ رہتی ہے۔ دکھوا کے وہیں چھوڑ آتی ہوں۔ بھائی اور جگہ رہتا ہے ۔۔۔ بیوی تمہارے کوئی بچہ نہیں ہے۔
بیگم۔ (بہت گہری اور ٹھنڈی سانس لیکر) کوئی نہیں۔
فقیرن۔ بچہ ہی نہیں ہوا ۔۔۔۔
بیگم۔ ساری عمر اسی تمنا میں گزر گئی اب کیا ہوگا۔ (اور اسکے آنسو ٹپک آئے)
فقیرن۔ مجھ سے تو کیا اچھا۔ بچہ بھی بڑی بلا ہے۔
بیگم۔ اپنی لڑکی مجھے پالنے دیدے۔
فقیرن۔ یہ خانصاحب تمہارے میاں ہیں۔
بیگم۔ ہاں۔

فقیرن۔ اولاد کا نہ ہونا دکھ ہے تو ہونا بھی عذاب ہی ہے جبکہ نہیں ہوتی اسے تمنا ہوتی ہے جنکے ہوتی ہے اور کوئی اور دکھ ہوتا ہے وہ اس سے آزاد پاتا ہے۔

بیگم۔ اولاد سے کیا دکھ ہوتا ہوگا۔

فقیرنی۔ کیوں نہیں۔ نالائق ہو۔ مر جائے۔ اولاد ہو اور کھانے کو نہ ہو سیکڑوں دکھ ہیں۔

بیگم۔ اولاد کے چھوٹے چھوٹے بچے تو راحت ہی معلوم ہوتے ہیں۔

فقیرنی۔ نہ جانے کتنا فکر کرتے ہیں۔

بیگم۔ کرتے ہیں پر جتنی خوشی ہوتی ہے جس کے نہ ہونے کا وہ دکھ ہوتا ہے کہ جیتا دشمن کو بھی نہ دے۔ یہ دکھ کوئی میرے دل سے پوچھے۔

فقیرنی۔ اور غریبی میں اولاد ہونے کا غم کوئی مجھ سے پوچھو۔

بیگم۔ غم کیا۔ اولاد کا ہونا بھی ہزار خوشی کے برابر ہے۔ اسکے سامنے کسی رنج کی کیا ہستی ہے۔ غریبی ہو یا فقیری سب بہت آرام اور خوشی سے گزرتی ہے۔

فقیرنی۔ تمہاری نہیں ہے اور خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے کسی چیز کی کمی نہیں کسی طرح کا غم نہیں تمنا ہونی ہی چاہئے۔ مجھ سے مصیبت کے سبب اپنی زندگی بھاری ہے۔ میرے لئے ایک لڑکی ہزار بلاؤں سے کم نہیں۔ ابھی اسکا پالنا ہی آفت ہے ذرا سیانی ہوگی اور بھی قیامت کا سامنا ہوگا۔ میری تو یہ دعا ہے خدا غریبی میں کسی کو اولاد نہ دے اور دے تو لڑکی نہ دے۔

بیگم۔ یہ کیوں لڑکی کا کیا جرم ہے ایسا ہے جو لڑکی نہیں ہو سکتی۔ سدا دل خوش [illegible]

فقیرن۔ بیشک ہے۔ لڑکی کی ذات ہزاروں فکر کی پوٹلی ہوتی ہے۔ دو چار برس کی ہوئی کہ اسے جسم ڈھانکنے کے لئے کپڑا درکار ہوا۔ جیسے جوانی میں قدم رکھا اسکے جہیز کی فکر ہوئی۔ ذرا اور سیانی ہوئی۔ ہر وقت آنکھوں میں رکھنے کا دھیان ذرا غفلت کی اور بدراہ ہوئی۔ خدا نخواستہ ان بلاؤں سے جیتا جی چھوٹنا [illegible]

شادی کی فکر ہے کہ جان لئے لیتی ہے۔ شادی کے بعد بُرے گھر جانے کا غم ہائے ایک آفت ہو تو کہوں۔ لڑکے کو کیا چاہئیے کچھ نہیں۔ لنگوٹی باندھے پھرے جہاں چاہے کھیلے۔ شادی کی ضرورت ہو وہ کمائے خود جہاں جی چاہے کرلے۔

بیگم۔ لڑکا بری صحبت سے بدراہ نہیں ہوتا۔

فقیرن۔ کیوں نہیں۔ مگر اوسکی بدولت اتنی رسوائی نہیں ہوتی۔ میں سچ کہتی ہوں۔ خدا نے مجھے جیسے دی ہے ویسی ہی لے لے تو میں بہت خوش ہوں۔

بیگم۔ ہیں! ہیں! کیا کہتی ہو! توبہ کرو توبہ۔ ناحق اُسے کیوں کوستی ہو۔

فقیرن۔ مجھے اسکی ذات سے سوا دُکھ درد کے اور کیا حاصل ہے۔ پھر میں کیسے نہ کوسوں۔ وہ نہ مرے تو اور کسی طرح یہ بھاری سل میرے سینہ سے سرک جائے۔

بیگم۔ ایسی اجیرن ہے تو کسیکو دیدو۔

فقیرن۔ میں تو خدا سے چاہتی ہوں کوئی میرا یہ دکھ مول لے لے۔ مگر کون لیتا ہے۔

بیگم۔ کیوں لینے کو کیا ہوا میں ہی لے لوں جب سے مجھے اپنے اولاد ہونے کی امید نہیں رہی۔ یہی آرزو ہے کوئی لڑکی کہیں سے ملجائے تو میں پال لوں۔

فقیرن۔ شاید تم میری بات جھوٹ سمجھیں۔ میں سچ کہتی ہوں مجھے اس غریبی میں اُسکا ہونا لاکھوں آفتوں سے بھی زیادہ ہے اسی سے۔۔۔۔

بیگم۔ میں بھی سچ کہتی ہوں۔ میں بہت خوشی سے اوسے لیلوں بہت شوق سے پالوں۔

فقیرن۔ بس تم اوسے لیلو۔ اپنی بیٹی بنالو۔

بیگم۔ لڑکی کی صورت کیسی ہے۔

فقیرن۔ بہت خوبصورت ہے۔ حور کا سا بچہ۔ جوانی میں لاکھوں میں ایک ہوگی

بیگم۔ (اس خیال سے کہ فقیرن کے نقشہ سے اوسکے خاکہ کا بھی اندازہ ہو جائیگا)

ہیں ! تم ابتک گھونگٹ نکالے ہی ہو۔
فقیرن۔ مجھے اپنا منہ کھولتے شرم آتی ہے۔
بیگم۔ عورتوں سے کیا شرم۔
فقیرن۔ عورتوں ہی سے نہیں ساری دنیا سے ...... ہائے کبھی ہم کیا تھے اب کیا ہیں۔ اس حالت میں کسی کو منہ کیا دکھاؤں۔ لوگ مجھے کیا سمجھینگے کس نظر سے دیکھیں گے۔
بیگم۔ تم ناحق شرماتی ہو۔ تم کو یہاں کون پہچانتا ہے۔ تمہیں اس حالت میں کس نے دیکھا تمہارا جواب برے حالوں دیکھکر ذلیل سمجھیگا۔
فقیرن۔ یہ سچ ہے مگر۔
بیگم۔ (اوسکا گھونگھٹ اولٹے ہوئے) مگر گیا۔ ابتو اسے کھول ہی دو۔
فقیرن۔ تمہارے خاطر۔ نہیں میں نے قسم کہائی تھی جب تک اس حالت میں ہوں کبھی کسیکو اپنا منہ دکھاؤنگی۔
بیگم۔ (اوسکی صورت دیکھکر) رنگ اور نقشہ تمہارا بہت اچھا ہے مگر منہ کیوں ٹیڑھا ہوگیا ہے۔
فقیرن۔ اوسکی مرضی۔
بیگم۔ یہ پیدائشی ہے یا۔
فقیرن۔ نہیں۔
بیگم۔ کسی بیماری سے۔
فقیرن۔ ہاں لقوہ سے۔
بیگم۔ کبھہ سے۔
فقیرن۔ تھوڑے ہی دنوں سے۔ **بیگم۔** لڑکی پیدا ہونے سے پہلے تمہارا رنگ سانولا ہی۔
فقیرن۔ ہاں ایک سال سے پہلے سے۔ میرا رنگ سانولا ہے تو کیا ہوا لڑکی بہت گوری ہے۔ بالکل اسکے باپکے سا رنگ روپ ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔
بیگم۔ تمہیں یہ بیماری کیسے ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو۔ یہ بڈھوں کو زیادہ ہوتی ہے

فقیرن۔ بڑھاپے پر کیا موقوف ہے۔ یہ بیماری سردی سے ہوتی ہے۔

بیگم اسی سے جوانوں میں بڈھوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ مگر تم کو کیسے ہوئی۔

فقیرن۔ جاڑوں کا موسم تھا۔ مہاوٹ برستی تھی۔ سردی خوب زوروں پر تھی۔ مجھے دو تین دن پہلے سے کچھ بخار تھا۔ کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے۔ نہائے بغیر بدلنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ آخر ایک دن صبح سویرے تازے پانی سے نہا لیا۔ بخار اس وقت بہت کم تھا۔ مجھے زیادہ پرواہ نہ ہوئی۔ نہا دھو کے کپڑے پہنے اور دھوپ ہی میں بیٹھ کے بالوں کو سکھانے لگی۔ اس وقت ہوا تیز چلتی تھی بیچ آنگن میں گر پڑی۔ تو اس وقت زمانہ موافق تھا۔ یہ بیماری شادی ہی میں ہوئی تھی میاں زندہ تھے انہوں نے زمین و آسمان ایک کر دیا نجانے کہاں کہاں سے حکیم ڈاکٹر بلائے۔ مہینوں علاج ہوتا رہا تب جان بچی۔ بیماری جاتی رہی مگر اپنی نشانی چھوڑ گئی۔ ہائے میں اسی وقت مر جاتی تو بہت اچھا رہتی۔ مگر قسمت میں یہ..... (آنسو پونچھتی ہے)

بیگم کم بخت بیماری نے تمہارا نقشہ بگاڑ دیا۔ اُف کیا بھیانک شکل ہو گئی ہے ایک آنکھ تک ٹیڑھی ہے۔

فقیرن۔ اوئی بہن۔

بیگم تم اپنی لڑکی مجھے دو گی۔

فقیرن۔ ہاں۔

بیگم کب لاؤ گی۔ میں اسے دیکھ لوں پھر کچھ کہوں۔

فقیرن۔ جب کہو۔

بیگم آج ہی لے آؤ۔

فقیرن۔ آج فرصت ہوئی اور صبح لاؤں۔

بیگم صبح کیا اچھا ہے ابھی لے آؤ۔

فقیرن۔ ابھی۔ اس وقت کیسے جا سکتی ہوں۔

بیگم کیوں۔

فقیرن۔ ابھی مجھے اپنی بہن کے یہاں جانا ہے۔

بیگم ہیں! تمہارے کوئی بہن بھی ہے۔

فقیرن۔ ماں جائی نہیں ہے۔ بہن بنالی ہے۔
بیگم۔ کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔
فقیرن۔ وہ بھی مجھ جیسی مصیبت کی ماری۔ بدنصیب۔ دکھیاری۔ محتاج بیوہ ہے اس پر بھی ایسا ہی وقت پڑا ہے۔
بیگم۔ تم سے اس سے کہاں اور کیسے جان پہچان ہے
فقیرن۔ پہلے ہی مانگتی مانگتی ایک دن میں وہاں بھی پہنچ گئی تھی۔ اس وقت گرمی میں بہت پیاسی تھی۔ اس ہی کے دروازہ پہ کھڑی ہو گئی۔ ایسے ہی پانی مانگنے جیسے تم سے مانگا تھا اس نے گھر میں بلا لیا۔ پھر بھی اس سے باتیں ہوئیں۔ اس نے اپنا سب حال کہا میری مصیبت سنی۔
بیگم۔ وہ بھی جوان ہے خوبصورت ہے۔
فقیرن۔ مجھ سے عمر میں کم اور صورت میں بہت اچھی ہے۔
بیگم۔ باہر نہیں نکلتی۔ بھیک نہیں مانگتی۔
فقیرن۔ نہیں۔ خدا نہ کرے۔
بیگم۔ پھر کیسے گزر ہوتی ہے۔
فقیرن۔ دو روپیہ مہینہ ایک جگہ سے ملتا ہے۔ اور۔۔۔
بیگم۔ کیوں۔
فقیرن۔ خیرات اور حسن کے یہاں سے ملتی ہے وہ ایسے ہی بہت سے محتاجوں کو دیتے ہیں۔
بیگم۔ مگر اس میں بیچاری کیسے گذر کرتی ہوگی۔
فقیرن۔ اسکے سوا اور آمدنی بھی ہے۔
بیگم۔ ہیں! کیا۔
فقیرن۔ خدا نہ کرے۔ وہ بڑی دستکار ہے۔ کشیدہ بنانا۔ چکن بنانا۔ گلوبند موزے۔ بچوں کی بنیائن۔ ٹوپیاں بنانا۔ گوٹا بنانا۔ وہ نہ جانے کتنے ہنر جانتی ہے۔ انہیں سے کچھ پیدا کر لیتی ہے۔
بیگم۔ اتنے ہنر اور کچھ پیدا کر لینا۔ وہ بہت کر سکتی ہے۔

فقیرن۔ بیشک۔ مگر خود باہر نہیں نکلتی۔ جو کہیں سے کام لائے۔ کوئی اسے جانتا نہیں جو گھر پر دیجائے۔ اپنے پاس اتنا ہے نہیں کہ اپنی پونجی سے کوئی کام شروع کرے اور نفع اُٹھائے۔ اسی سے اور کوئی کام نہیں کر تی۔ کمر بند بنتی ہے۔ سوت کے بٹن بناتی ہے۔ میں اونہیں بازار لیجاتی ہوں بیچکے دام لا دیتی ہوں۔ کوئی اور چیز بازار سے منگاتی ہے وہ بھی لا دیتی ہوں۔

بیگم۔ تم بہت اچھی آدمی ہو اسکے لئے اتنا دکھ سہتی ہو۔ وہ کہاں رہتی ہے۔

فقیرن۔ یہاں سے بہت دور شہر کے اُس کنارہ۔

بیگم۔ کوئی کارخانہ کرے تو بہت فائدہ ہو۔ اور وہ۔ ۔ ۔ ۔ (زبان روک لی)

فقیرن۔ میں نے بھی سوچا ہے ہم دونوں کوئی کارخانہ کرلیں گے پھر کسی بھلے مانس سے اسکا نکاح کر دوں گی۔

بیگم۔ ضرور۔ میں یہی کہتے کہتے رُک گئی تھی کہ شاید تم کو بُرا معلوم ہو سب بھلے مانسوں میں یہ دستور نہیں ہے۔

فقیرن۔ ہاں۔ اور ہزار عیب کریں مگر۔ ۔ ۔ لیکن میں نے اسے بڑی مشکل سے راضی کرلیا ہے۔

بیگم۔ اور تم بھی۔

فقیرن۔ مجھے کون پوچھیگا میں بات کو ٹالنے کے لئے جلدی سے) میں روز اسکے پاس جاتی ہوں آج نجاؤں گی تو وہ ویسے ہی بھوکی پیاسی بیٹھی رہیگی ہوگی۔

بیگم۔ اور کیا۔ میں جاؤں گی بازار سے دام لونگی۔ سودا لاؤں گی تب بیچاری کچھ پکائے گی۔ اور کل کے لئے سوت منگائے گی۔ اس کام میں زیادہ نفع نہیں ہے مزدوری ہی ملتی ہے۔ بس یہی ہے اتنا نہیں ہو سکتا کہ کام کے لئے سامان اکٹھا کرلے اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرے۔

بیگم۔ اسکے پڑوس میں کوئی اپنا نہیں ہے۔

فقیرن۔ کسی کو گھر میں آنے نہیں دیتی۔ یہاں کے آدمی بہت بُرے

انکے بگڑ جانیکا ابھی خوف ہے۔ پھر جب کبھی معلوم ہوگا کچھ نہ کہیں گے۔

فقیرن۔ میں اسی لئے کہتی ہوں تم اپنے کسی آدمی ساتھ دے دو۔

بیگم۔ نہیں۔ خیر۔ تمہارے ایمان پر ہے۔ میں ان دونوں کے سوا خدا [illegible] سے کسی نہ کہونگی۔ اور وہ دونو میرے ساتھ ہونگے۔

فقیرن۔ تمہاری خوشی۔

بیگم۔ تم نے یہ اچھی سوچی ہے۔

فقیرن۔ (آنسوؤں سے روتی ہوئی) کیا خاک سوچی ہے۔ اسے پیٹ جب [illegible] کرے۔ اسے میں ابھی سے کہتی تھی غریبی میں خدا اولاد نہ دے۔

بیگم۔ یہ غریبی تو تمہاری لڑکی کے بعد نہ رہے گی۔

فقیرن۔ ہاں ہوں ہی۔ ایسی مصیبت کسی پر پڑے تو [illegible] کی کوئی صورت ہو جیسے ہی مر جائیں۔ ہائے۔

بیگم۔ (اسکا غم دور کرنے کے لئے) تم نے پانی ابتک نہیں پیا

فقیرن۔ (روتی آواز سے) نہیں اب پیوں گی۔

بیگم۔ کچھ کھایا بھی ہے

فقیرن۔ کچھ بھی نہیں۔ شام کو پکاؤں گی تب میسر ہوگا۔ [illegible] روٹی [illegible] لیتی آتی [illegible] نیتی ہوں۔ شام کو گھر جا کر پکالیتی ہوں۔

بیگم۔ تمہارے منہ پانی نہ پیو۔ ٹھہرو میں کچھ منگوا لاتی ہوں۔

وہ تھوڑی سی مٹھائی کچھ [illegible] آتی فقیرن نے کھا کر پانی پیا اور چلی گئی۔

اسی وقت خانصاحب کے آنے کی [illegible] بیگم بیگم۔

بیگم۔ (انکے پاس پہونچکر) کیوں کیا ہے۔

خانصاحب (مسکرا کر) باتیں ختم ہو گئیں۔

بیگم۔ اور تمہاری غزل۔

خانصاحب۔ ایک ہو گئی۔ دوسری شروع کی ہے۔

بیگم۔ مجھے باتیں کرنے کا مرض ہے تمہیں شاعری کا خبط ہے۔ بتاؤ اسے تو کبھی کچھ حاصل بھی ہوتا ہے اس سے تم کیا کماتے ہو۔

خانصاحب۔ کچھ نہیں۔ اب اسکی قدر ہی نہیں ہے کسی زمانہ میں تھی۔
بیگم۔ چلو رہنے ہی دو۔ کبھی تھی۔ اسکی بدولت امیر وزیر ہو جاتے ہونگے۔
خانصاحب۔ ایسا ہی ہوتا تھا۔
بیگم۔ کیوں نہیں۔
خانصاحب۔ نہ سہی۔ تم ایک پان تو بنا دو۔ اور ذرا حقہ بھر دو۔ آج ماما کہاں مرگئی ہے۔
بیگم۔ اپنے گھر گئی ہے۔
خانصاحب۔ معقول۔ کیا شام کو آئیگی۔
بیگم۔ نہیں۔ دو گھنٹہ کو کہہ گئی تھی
خانصاحب۔ اور چار گھنٹہ ہو گئے۔ اس سے کہدو۔ یہی حال ہے تو تم اپنے گھر بیٹھو۔
اسیوقت کسی نے اس کمرے کے کنارہ والے در میں جھانکا
خانصاحب۔ یہ کون تھا۔
بیگم۔ کہاں۔
خانصاحب۔ ابھی کسی نے جھانکا۔
بیگم۔ (کمرے سے باہر نکلکر صحن کی طرف دیکھکر) اہا۔ تم ہو۔ میں تمہارے انتظار میں تھی۔
خانصاحب۔ (اپنی جگہ سے) کون ہے۔ وہی ہونگے جو اکثر ایسے ہی جھانکتے ہیں۔ تمہارے باتونی کل کی کٹنی۔
بیگم۔ وہی حسین خاں ہیں۔ میں ذرا انسے کچھہ باتیں کروں۔
خانصاحب۔ انتظار کرتی تھیں۔ کیوں۔
بیگم۔ تم سے ایک کام ہے۔ چلو اس کمرہ میں بیٹھیں۔
خانصاحب۔ بہت اچھا۔
اد ہنسے بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا دونوں اس کمرہ میں چلے گئے دروازہ بند ہو گیا۔
حسین خاں۔ دروازہ کیوں بند کر لیا۔

بیگم۔ (اسکے گلے میں باہیں ڈالکر) اس طرح یہاں اطمینان سے بیٹھیں گے کئی دن پیچھے ملے ہیں۔ اپنے دل کے حوصلے جی کھول کے نکالیں گے۔

حسین خاں۔ اور خانصاحب کہیں نہ آجائیں۔

بیگم۔ نہیں وہ یہاں نہ آئیں گے اس وقت اپنے سرور میں ہیں۔ اور غزل کی دھن ہے یہ نہ بھی ہوتا تو کبھی نہ آتے۔

حسین خاں۔ اچھا وہ کام بتاؤ۔

بیگم۔ بتاتی ہوں۔

حسین خاں۔ یا یہی کام تھا۔

بیگم۔ (مسکرا کے) یہی تھی اسکے بعد وہ بھی بتا دینگے۔

حسین خاں۔ کہیں خانصاحب سنتے ہوں۔

بیگم۔ نہیں وہ ایسے بدگمان نہیں ہیں۔ مجھپر پورا بھروسا ہے۔ ہم گھنٹوں اکیلے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ بھی سمجھے ہیں کچھ باتیں کرتے ہونگے۔ انہیں میرا بہت ہی اعتبار ہے۔

حسین خاں۔ اور تم اعتبار کے قابل ضرور ہو۔

بیگم۔ (مسکرا کر) تم سے محبت کر کے میں ایسی ہو گئی۔

حسین خاں۔ اچھا وہ بات تو کہو۔

بیگم نے چپکے چپکے باتیں شروع کیں۔ دیر تک سرگوشی ہوتی رہی آخر میں حسین خاں کی زبان سے صرف یہ الفاظ ہمنے سنے۔ مگر انکے سامنے یہ اس ڈھنگ کے مخالف ہیں۔ ابھی سے میں تم سے ہمیشہ کہتا ہوں انہیں .....

ان دونوں کو ایسی باتیں کرنے دو تم ادھر دیکھو۔ رات کے دس بجگئے ہیں آسمان خوب صاف ہے۔ گرد و غبار یا ابر کا کہیں نام بھی نہیں خوب نکھری ہوئی چاندنی ہر طرف پھیلی ہے۔ ٹھنڈی ہوا دھیمی دھیمی چلتی ہے۔ اس سہانے موسم کے اثر نے لوگوں کو ابھی سے تھپک تھپک کر سلانا شروع کر دیا ہے۔ گلیوں میں راہ چلتے کم ہوتے جاتے ہیں۔ دوکانوں پر خریدار دھیمی ہی دھیمی نظر آتے ہیں۔ بازار خریداروں سے خالی کا ہوتا ہے گاہکوں کا رخ دیکھکر دوکانداروں نے بھی دوکانیں بڑھانا شروع

کر دی ہیں۔ شہر میں سناٹا سا ہوتا جاتا ہے۔ اس وقت آبادی سے ذرا دور۔ شہر کے کنارہ ایک قبرستان میں چند آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے نہیں بلکہ اسی سنسان تکیہ میں تین آدمی کچھ عجیب صورت اور وضع کے نظر آتے ہیں ایک میں ایک عورت ہے جو شکل سے ڈائن یا دیونی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے شخص کے بڑا کہ یا سرشتہ چھپے ہونے کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ کمل سے چھپا ہوا ہے۔ تیسرا دیو ہے یا دیو بچہ۔

ڈائن کے دو بڑے بڑے سفید دانت بہت لانبے۔ سرخ زبان کے دونوں طرف منہ سے نکلے ہوئے چاندی میں چمک چمک کے اُدھ جلے کاغذ میں چنگاریوں کے دوڑنے کا سماں دکھا رہے ہیں۔ لانبے سیاہ بالوں کی چوٹی اٹھیں کچھ دو نوشادر اور سیسہ پھوڑی یا ٹلی کہار رہی ہیں کچھ پیٹھ پر لہریں لیتی ہیں مانگ کے سیندور کی سیدھی لکیر کے مقابل ناک میں بیش بہا سرخ شیشہ کا ملاق اور دونوں طرف کانوں میں بڑی بڑی سفید بجلیاں گلے میں بچوں کی کھوپریوں کا ہار۔ بھوؤں کا سیندور۔ ماتھے کا تلک بڑی بڑی آنکھوں میں خوب پھیلا ہوا کاجل۔ اونکی سرخی۔ پلکوں کا جلدی جلدی چلنا نتھنوں کا پھڑکنا۔ سیاہ لباس غضب سرخ ہونٹھوں کی جنبش۔ ان میں دانتوں کی چمک۔ ہاتھوں کے بڑے بڑے ناخون۔ چار زانو نشست۔ یہ سب چیزیں اس شکل کو بیحد خوفناک دکھانے کے لئے کیا کم تھیں کہ زانو پر لیٹے ہوئے بچہ کے پیٹ پُرخون آلود بچہ کا نظارہ اس سے زیادہ ڈراونی بنانے کی کوشش میں ہے۔ بچہ ایک بیخبر سو رہا ہے اور سامنے سیاہ کمل سے چھپا ہوا وہی جسم بے حس و حرکت موجود ہے داہنے پاؤں پر گویا ایک قامت دو لکڑا ہے۔ دیو کا چہرہ ویسا ہی ہے جیسا آپنے اکثر کاغذ کا بنا ہوا دیکھا ہوگا۔

ڈائن بچہ کو زور سے دبوچتی ہے اسکے پیٹ میں ناخن چبھو کر چیخ مار کے دانت نکال کے کہتی ہے۔ میں تجھے کھا جاؤں گی۔ بچہ جاگ اٹھتا ہے وہ بھیانک شکل دیکھ کر چیخ مارتا آنکھیں بند کر لیتا اور بلک بلک کے روتا ہے وہ سیاہ جسم بہت پھرتی سے ڈائن پر جھپٹا۔ بچہ کے چھین لینے کی کوشش کرتا ہے ڈائن اسکے دانتوں سے اُٹھا کر بغل میں دبا لیتی ہے۔

ڈائن۔ (بہت غصہ سے) ہیں! تو کون ہے۔ میرا شکار مجھ سے چھینتا ہے۔
سیاہ۔ (وہی سیاہ جسم) ہم سب دیووں کے سردار ہیں۔ یہ بچہ ہمارا ہے ہم اسے لیجائیں گے۔
ڈائن۔ کیسے سردار۔ کسکا بچہ۔ میں اسکا کلیجہ ابھی کیلئے لیتی ہوں۔
سیاہ۔ تیری کیا مجال جو اسکا ایک رویاں بھی میلا کرسکے۔
ڈائن۔ بہت اچھا۔

یہ کہکر اس نے بچہ کو پھر اپنے زانو پر اسی طرح ڈال لیا اور اپنا پنجہ اسکے پیٹ پر رکھکر کہا "لو میں اسکا پیٹ پھاڑتی ہوں۔ یہی دیکھتا ہے تم میرا کیا کرتے ہو۔ بچہ زانو پر چیت پڑا ہاتھ پاؤں زور زور سے ہلا تا چیخ چیخ کے رو تا ہے منہ سے اور کچھ آواز نہیں نکلتی خوف نے زبان بند کر دی ہے البتہ سیاہ جسم کی طرف مدد کرنے والی نظر سے دیکھتا ہے۔ قریب تھا کہ بچہ روتے روتے بیہوش ہو جائے اس سیاہ نے بہت زور سے ڈانٹ کر ڈائن سے کہا "تو اسے نہیں چھوڑتی"

ڈائن۔ نہ چھوڑوں گی تو تم کیا کرو گے۔
سیاہ۔ ہم تجھے ابھی جلا کر خاک کر دیں گے۔
ڈائن۔ تمہارے جلانے سے میں خاک ہو جاؤں گی۔ کیسے جلاؤ گے ذرا دیکھوں تو سہی۔
سیاہ۔ ہمارا حکم تجھے جلا دیگا۔ بہت باتیں نہ بنا اسے جلدی چھوڑ دے نہیں وہ یونہی تیرے خوف سے مرجائے گا۔ اور پھر تجھے مار ڈالیں گے۔ یہ کہکر اس نے زور سے ایک دو ہتھڑ ڈائن کے سینہ پر مار کے کہا "تم دونوں جل جاؤ خاک ہو جاؤ" اور بچہ اوس سے چھین لیا۔ اس ضرب کے لگتے ہی ڈائن چیخنے لگی۔ ہائے جلی ہائے میں جلی۔ مجھپر رحم کرو۔ میری آگ بجھا دو اپنا بچہ لیجاؤ"
دیو۔ (روتا ہوا) ہائے میں جلا۔ ہائے میں نے کیا قصور کیا تھا مجھے کیوں جلایا۔
سیاہ۔ تو اسکا رفیق ہے۔
دیو۔ بیشک۔

سیاہ۔ پھر اس عذاب میں بھی تجھے اسکا شریک ہونا چاہئے۔ (بچہ کو کمل میں چھپاتے ہوئے) میرے بچے میرے پیارے۔ تو یہاں چھپ جا۔ اب انکی صورت نظر نہ آئیگی۔ تجھے ان بے ایمانوں نے بہت ستایا۔ ستاتا کیسا ہم نہ آتے تو یہ مردار تجھے ضرور کھا جاتے۔

بچہ۔ (اسی طرح روتے ہوئے) اما جلدی سے گھر بھاگ چلو۔

سیاہ۔ ہاں میں ہی تیری ماں ہوں۔ ابھی ابھی چلتی ہوں۔ ذرا ان بے ایمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ لوں۔

ڈائن اور دیو دونوں زور زور سے چیخیں مارتے زمین پر لوٹتے ہیں۔ بچہ روتے روتے چپ ہوگیا ہے سیاہ جسم ان دونوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھتا ہے۔ اور یہاں سے قریب اسی قبرستان کے وسیع رقبے کے اندر ہی ایک طرف چند درختوں کے کنج میں دو تین آدمی کچھ کرتے ہیں۔

ایک شخص۔ پسند بھی ہے۔

دوسرا۔ جلدی یہ معاملہ طے کرو۔ اور یہاں سے چل دو۔

تیسرا۔ پسند ہے اور بہت پسند۔

چوتھا۔ پسند کیوں نہ ہوتا وہ مال ہی ایسا ہے

وہی پہلا۔ بیشک۔ اب ہماری چیز ہم کو دو۔

تیسرا۔ دیتے ہیں۔

دوسرا۔ کیوں اب کیا تامل ہے۔

چوتھا۔ کچھ نہیں۔ یہ لو۔

پہلا۔ اس میں کوئی دھوکا تو نہیں ہے۔

دوسرا۔ اس میں کوئی ایسا ویسا تو نہیں ہے۔

تیسرا۔ نہیں صاحب خوب جانچ لو۔ چوتھا۔ گن لو پرکھ لو۔

پہلا۔ اتنی فرصت کہاں۔

دوسرا۔ ہم تمہارے ایمان پر ہیں۔

پہلا۔ نہیں جی۔ اس میں کچھ بھی دغا ہوئی تو ہم اپنے سمجھینگے

تیسرا۔ بیشک
چوتھا۔ تم ہمکو جانتے ہو ہم تمہیں پہچانتے ہیں۔ دغا فریب کرکے جاؤنگے کہاں
پرہنا تو نہیں ہے پھر کبھی نہ کبھی اسکی سزا بھگتنے کا موقع بھی آہی جائیگا۔ مگر میں تمہارے
اس (دوسرے کی طرف اشارہ) رفیق کو نہیں پہچانتا۔
پہلا۔ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ کلکتہ میں نوکر تھا کل ہی آیا ہے اب نہیں ہیگا
جان محمد اسی کا نام ہے۔ تم نے سنا ہوگا۔
چوتھا۔ ہاں ہاں بس اب پہچان لیا۔ لو یہ سنبھالو۔
اُس نے کوئی چیز پہلے آدمی کو دی تاریکی میں کسی نے یہ نہیں دیکھا وہ کیا چیز تھی۔
اُس پہلے آدمی نے اُسے اپنی چادر میں باندھ لیا۔
چوتھا۔ اب ہم جاتے ہیں۔
پہلا۔ جاؤ۔
چوتھا۔ تم بھی یہاں سے ابھی چلے جاؤ۔ یہ جگہہ ہم لوگوں کا رہنا مشہور ہے
پولیس والے دورا اور گشت کرتے ہیں۔
دوسرا۔ مگر ابھی گشت کا وقت نہیں ہے۔ بڑی دیر ہے۔
وہ چلے گئے انکے جانے سے پہلے ڈائن دیو وغیرہ بھی سب یہاں سے غائب
ہوگئے تھے۔ ہم بھی بیگم صاحب اور خان صاحب کے یہاں پہونچے۔ اس واقعہ کے
بہت دیر بعد ٹھیک ۱۲ بجے خاں صاحب اس کمرہ میں اپنی پلنگ پر سو رہے
ہیں۔ اس دوسرے کمرہ میں بیگم ایک چارپائی پر بیٹھی ہے۔ خوش رو کمسن
نوجوان حسین خاں کا سر ادسنے لڑکی زانو پر رکھا ہے اور دوسری ماں خاں کے
پہلو پر ہے۔ دونو میں چپکے چپکے باتیں ہو رہی ہیں۔
حسین خاں۔ وہ ابتک ویسے ہی غافل سو رہے ہیں۔
بیگم۔ ہاں۔
حسین خاں۔ انہیں کچھ بھی خبر نہیں۔
بیگم۔ نہ کبھی ہوگی۔
حسین خاں۔ ٹنک میں نہیں رہتے ہیں۔

بیگم۔ اس سے فرصت ہوتی ہے تو شاعری کے دھن میں رہتے ہیں۔
حسین خاں۔ سوا کہانے اور غرانے کے کس کام کے ہیں۔
بیگم۔ اور کیا۔
حسین خاں۔ ہتی جانو۔
بیگم۔ دوپہر کو تمہارے جانے کے بعد بہت بگڑتے تہے۔
حسین خاں۔ کیوں۔ کیا کچھ دیکھہ سن لیا تہا۔
بیگم۔ نہیں۔
حسین خاں۔ پہر۔
بیگم۔ ان کی عادت ہے میں نے کسی سے کوئی بات کی اور انہوں نے کہا تم کو باتیں کرنے کا مرض ہے۔ یہی بکتے رہے نہ جانے ان سے باتیں کیا کرتی ہو گھنٹوں فرصت نہیں ہوتی۔
حسین خاں۔ بس یہی۔
بیگم۔ اور نہ جانے کیا کیا کہا۔
حسین خاں۔ وہ ہمارے آنے سے کھٹکتے ہیں۔ دل میں کچھ سمجھ گئے ہیں مگر صاف صاف کہہ نہیں سکتے۔
بیگم۔ کہیں گے کیا۔ جو کچھ کہتے ہیں یہی کیا کم ہے۔ میں ان کی بہت برداشت کرتی ہوں۔
حسین خاں۔ ناحق۔
بیگم۔ ہماری بلی اور ہمی سے میاؤں ہر وقت تیوریدے رہتے ہیں۔ کبہی سیدہی طرح بات نہیں کرتے۔
حسین خاں۔ آخر کیوں۔ ہمارا ہی کہانیں ہمی پر غرائیں تمہیں ایسی ہو کر برداشت کرتی ہو۔
بیگم۔ برداشت کیا خاک کرتی ہوں۔
حسین خاں۔ کیوں نہیں۔ اور کیوں نہ برداشت کرو۔ وہ تمہارے مالک ہیں۔

بیگم۔ واہ۔ وہ کیوں ہوتے۔ میرا مالک۔ میرا یہ پیارا ہے (گلے میں باہیں ڈالکر) میرا تن من دھن سب اسی پر قربان ہے۔

حسین خاں۔ یہ سب زبانی جمع خرچ ہیں تمہارا دل نہیں کہتا ہے۔

بیگم۔ تم اور یہ کہو۔

حسین خاں۔ اور کیا کہوں۔ جو کچھ دیکھوں گا وہی کہوں گا۔

بیگم۔ ہمیں اپنے جان سے بھی پیارا جانتی ہوں۔

حسین خاں۔ نہیں میں یہ نہیں کہتا۔ مگر نہیں مجھسے زیادہ چاہتی ہو۔

بیگم۔ ذرا بھی نہیں صرف بنا ہے۔ تم یہ دیکھتے ہو وہ میرے کس کام کے ہیں کھانے اور حکومت کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ میرے مزاج کے بالکل خلاف ہیں۔ میں جو بات چاہتی ہوں وہ اسکے مخالفت کرتے ہیں۔

حسین خاں۔ کیسے کچھ۔

بیگم۔ اس ڈھنگ کے بہت خلاف

حسین خاں۔ بہت۔

بیگم۔ ان سے کوئی کام نہیں ہوتا ہر ایک کام ان کی شان کے خلاف ہے

حسین خاں۔ خانصاحب ہیں نہ۔

بیگم۔ عمر میں تم سے بہت زیادہ ہیں۔ صورت بھی تم سے اچھی نہیں ہے۔ تم ہر موقع پر میرے کام آتے ہو۔ میری کسی بات یا مرضی کے مخالفت نہیں کرتے۔ میری آزادی کے دشمن نہیں ہو۔ وہ ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں۔ ہیں! یہ کون تھا۔ کیوں آیا تھا۔ ایسا کیوں اور نہیں ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں۔

حسین خاں۔ میں تمہاری محبت کا طالب ہوں۔ ان فضول باتوں سے مجھے مطلب نہیں۔ راضی ہوں میں اسی میں جسمیں تری رضا ہو۔

بیگم۔ تم ہی میرے دل کے مالک ہو۔

حسین خاں۔ وہ اس ڈھنگ کے بہت مخالف ہیں۔ اور تم نے اب یہ ارادہ کیا ہے اب کیسی بنے گی۔ ہوگی

بیگم۔ وہ کیا کریں گے۔

حسین خاں ۔ کچھ نہیں روز جھگڑا ہوگا ۔ بات دور تک پہونچے گی ۔ پھر تمہیں سمجھو کیا انجام ہوگا ۔

بیگم ۔ کچھ بھی ہو ۔ انجام اچھا ہی ہوگا ۔

حسین خاں ۔ میں نے تم کو دوپہر کو بھی سمجھایا تھا اُس وقت بھی تم نے یہی کہدیا تھا ۔

بیگم ۔ اور کیا کہوں ۔

حسین خاں ۔ تم نے اُنکی اس مخالفت کو آسان سمجھ لیا ہے اس سے بڑی خرابیاں پڑینگی ذرا سوچو تو کیا انجام ہوگا ۔

بیگم ۔ خوب سمجھ لیا ہے ۔

حسین خاں ۔ کیا خاک سمجھ لیا ہے ۔ اس سے بچنے کی کوشش تو کرتی ہی نہیں ہو ۔

بیگم ۔ یہ بھی ہو جائیگا ۔

حسین خاں ۔ اسکا یہاں رکھنا بہت مناسب ہوا ۔

بیگم ۔ بیشک

حسین خاں ۔ نہیں اسیوقت اپنے گھر ہوتی ۔

بیگم ۔ ہاں ۔ اور پھر انکے سر فساد کا ہر وقت خوف رہتا ہے ۔

حسین خاں ۔ جب تک یہ یہاں ہے ۔ ۔ ۔ ۔

بیگم ۔ (جلدی سے) ہاں وہ دہیں ۔ ۔ ۔ ۔

حسین خاں ۔ اب کسوقت جائینگے ۔

بیگم ۔ کیا معلوم ۔

حسین خاں ۔ انہوں نے کو نیند بہت کم آتی ہے یہ تو خوب خراٹے لیتے ہیں ۔

بیگم ۔ کہاں ۔ کیا آواز آتی ہے ۔

حسین خاں ۔ نہیں ۔ خوب غافل سو رہے ہیں ۔

بیگم ۔ روز تو دس بجے تک جاگتے تھے آج شام سے سو رہے ہیں اور شاید صبح تک سوئیں گے ۔ نیند کیونکر آئے بیفکری ہے ۔ خوب تر مال کھاتے ہیں ۔ بیچارے

غریب افیونیوں کو نیند نہیں آتی غذا نہ ملنے کے سبب افیون کی خشکی...

حسین خان۔ سونے ہی دو۔ جاگینگے تو تم کو جانا پڑے گا۔

بیگم۔ جگاتا کون ہے۔ وہ جب تک جی چاہے بیخبر سوئیں۔ ہماری عین خوشی ہے

حسین خاں۔ ہاں ہم دونوں یہاں عیش کریں۔

بیگم۔ جاگ اُٹھیں گے تو میں ذرا دیر کے لئے چلی جاؤں گی۔

حسین خاں۔ اور میں تنہا یہاں پڑا رہوں گا۔

بیگم۔ اکیلے کیسے ہو گے۔

حسین خاں۔ تم چلی جاؤ گی تو تنہا نہیں رہوں گا۔

بیگم۔ (زور سے جمٹ کے) میرا دل تو یہیں ہو گا۔

خاں صاحب تمام رات وہاں بیخبر پڑے رہے بیگم اُس کمرہ میں سوئی۔ صبح کے ۴ بجے سے پہلے حسین خاں یہاں سے چلا گیا تو بیگم خانصاحب کے پاس پہونچی اُنکے پہلو میں لیٹ گئی اور دن چڑھے تک سوتی رہی۔ پھر جاگی تو خانصاحب کے جگانے کی کوشش کی یہاں تک کہ ماما سے ایک گلاس پانی منگا کے اُنکے منہ پر چھینٹے بھی دینے لگ بیوی وہ ایسے نہیں سوئے تھے کہ پھر جاگ اُٹھتے۔ بیگم کو اُن کے مرنیکا یقین ہو گیا تو وہ رونے پیٹنے لگی ماما نے بھی اسکا ساتھ دیا یہ شور و غل سنکر محلے والے بھی جمع ہو گئے۔ خانصاحب کی ناگہانی موت کے سبب پر قیاس دوڑانے لگے مگر کسیکی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بعض نے یہ بھی کہا انہیں کسیکی کسی بات سے کوئی صدمہ ہوا کچھ کھاکے سو رہے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ مر گئے ہہ۔ بیچارے اچھے تھے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

ساتواں باب

تاج تہی ہے دست خوش انقلاب دہر
نازاں نہ ہو تو کھان ہتی کی کلاہ پر

ہمارے اس دلچسپ فسانہ کے شروع ہونے کی تاریخ سے ایک برس پہلے ہمارے بیدار مغز، ہردل عزیز۔ اولوالعزم کے عہد کے تیسرے ہی سال بس اور گیا۔ کونسل کا دور رہے

نابالغی کے سبب حضور معلی بظاہر بااختیار نہیں ہیں۔ اہل علم کے پشت پناہ۔ ہنرمندوں کے قدردان۔ فلاح رعایا کے خواہاں۔ قیصری سرکار کے رضا جو اپنے عالی دماغی کے سبب تمام امراء دربار میں ممتاز عالیجناب سر کرشن راؤ بابو صاحب جادون فیروز جنگ بہادر کے سی ایس آئی خود حضور معلی کے نانا صاحب کونسل کے (میر مجلس) پریسیڈنٹ ہیں۔ انہیں کے زیر نظر حضور معلی کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ زمانہ کے منتخب۔ مختلف علوم فنون کے کامل استاد ہر وقت اس غرض سے حضور میں حاضر رہتے ہیں ان سب استادوں کے سرگروہ فرزانہ عالم۔ یگانہ فاضل۔ جانسٹن صاحب بہادر حضور کے خاص استاد و اتالیق ہیں۔ انہیں کی نگرانی میں حضور معلی کو اور علوم و فنون کے علاوہ آئین ملکداری۔ سیاست مدن۔ فنون سپہگری و سپہداری کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ اتالیقوں کی دلی کوشش یہی ہے کہ اس نونہال میں سب اخلاق حمیدہ اور صفات شاہانہ ضرور ہوں۔

جناب مہارانی صاحبہ اور انکے والد ماجد سر فیروز جنگ بہادر پریسیڈنٹ کونسل۔ اور شاہی خاندان کے تمام بزرگوں کو دنیا اپنے اس اکلوتی چہیتی فرزند کے نور سے روشن نظر آتی ہے تو کیا اسکی باعث مہاراجہ صاحب کے شاہانہ صفات نیک کی بدولت بہت گرویدہ رعایا کے خیر طلب دل اس ہونہار با اقبال نو عمر فرماں روا کے دم قدم سے اپنی تمام بہبود کو وابستہ جانکر حضور والا کی عمر کے ایک ایک دن کو بہت پیار اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتے اور اپنے نو عمر شہریار کے رنگ ڈھنگ دیکھکر بہت خوش ہوتے ہیں جیسے جیسے حضور اپنی شاہانہ نیک صفات سے ہر دلعزیز ہونے کا ثبوت اس بچپن ہی میں دیتے جاتے ہیں ویسے ہی رعایا کے دل موجودہ خوشی اور آئندہ فرحت کے اثر سے بڑھکر سینہ سے نکلنے اور حضور کے قدموں میں جا پڑنے کا دعوے کرتے ہیں۔ اور جناب مہارانی صاحبہ اور دیگر بزرگان خاندان اس شہریار کو شفقت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتے اور حضور کے لئے دل سے دعاء خیر کرتے ہیں۔ خدا انہیں سب آفتوں سے بچائے۔ اور رعایا کے دل میں اچھی جگہہ دے۔ یہ زمانہ ہے۔ گرمی کا موسم۔ اور جناب سر فیروز جنگ بہادر کا باغ حضور والا اپنے نانا صاحب کے

یہاں مہمان ہیں۔ حسب دستور آج بھی صبح کے چھ بجے سے عام دربار ہے۔ اور شاہ کے حضور میں ملکی۔ مالی۔ اور فوجی افسر۔ مختلف صیغوں کے کچھ اہل کار اپنی ضروری گذارش عرض کرنے کو حاضر ہوئے ہیں۔ ہر ایک گذارش کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ پریسیڈنٹ صاحب اپنی نوعمر شہریار کا تجربہ بڑھانے کے لئے مشورہ طلب امور میں اُن سے بھی رائے لیتے ہیں۔ عرض کرنیوالے کے موافق دلیل کی تائید یا تردید۔ اور اسکے مخالفوں کے عذرات کے منظور یا نامنظور ہونے کے وجوہ دریافت کرتے ہیں۔ حضور معلے کی عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی ہے مگر اپنے رسا ذہن اور کامل فن اتالیق کی نفیس تعلیم کے سبب ہر ایک بات کا ایسا جواب دیتے ہیں۔ سب انکا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اور دل ہی دل میں اُن کے لئے دعا خیر کرتے ہیں۔ سب کو یہ بخوبی یقین ہے کہ ہمارا یہ فرماں روا ہمارے عدل سے مہاراج کیلاش باسی کا رنج و غم بہت جلد دور کردیگا۔ یہ اپنے وقت میں اُن سے زیادہ رحمت اور برکت ہم سب کے لئے ثابت ہوگا۔

سب گذارش کرنے والے یکے بعد دیگرے اپنا کام ختم کرکے چلے گئے۔ عام دربار ختم ہوگیا اب خاص دربار ہے۔ دو تین عالم یگانہ مشہور شاستری چند قدیم جاں نثار نمکخوار اہل کار صیغہ مال کے دو ایک افسر۔ چند جنگ آزمودہ سورما فوجی عہدہ دار کچھ پرانے تجربہ کار حضور میں معزز حضرات حاضر ہیں۔ انہیں میں ایک بڑے نامور۔ بہت معزز۔ سندھیا سرکار کے قدیم جاں نثار نمک خوار باپ کے دو ہونہار۔ قابل بیٹے۔ حکیم سید اصغر علی۔ حکیم سید محبت علی اور ایک ذی ہوش فاضل۔ پرانے جاں نثاروں کے کارناموں سے خوب آگاہ حافظ کرم احمد خاں بھی حاضر ہیں۔ عالیجاہ سرکار کی شاہی حاذق طبیب اور خوش تدبیر وکیل دربار حکیم سید اکبر علی اپنی رسا عقل۔ علمی قابلیت۔ دیانت نیک نفسی اور اپنی قدرداں آقا کی سچی وفادار جاں نثار رہنے کی بدولت خود سرکار کی نظر اور تمام رعایا کی نگاہوں میں بڑے معتمد اور ذی عزت ہے۔ انکے یہ دو نوں بیٹے بھی اپنی موروثی عزت اور ذاتی قابلیت اور نیک صفات کی وجہ سے ویسے ہی معتمد اور جناب پریسیڈنٹ صاحب کی خاص نظر کردہ ہیں اسی سے ایسے تخلیہ کے درباروں میں اکثر حاضر رہتے ہیں۔

بھ کوئی باضابطہ دربار نہیں ہے اسی سے ہر شخص شاہانہ آداب کے لحاظ کے ساتھ ایک مناسب جگہ پر شاہ و وزیر کی کرسیوں کے سامنے بیٹھا ہے۔ اتالیق صاحب بھی حاضر ہیں انکی تجویز سے باتوں ہی باتوں میں سیاست مدن کے ضروری اصول سمجھانے کے لئے حضور کے سامنے سند باشاہی گذشتہ ناموروں کے کارنامہ اگلے اولوالعزم سلاطین اور نامور تاریخی آدمیوں کے تذکرے۔ جاں نثار نمکخوار ان ریاست کے حالات ان کی جاں نثاریوں، مہاراجگان عہد کی قدر دانیوں کے مذکور، بعض بدخواہوں کی بڑی بڑی خطاؤں کی معافی کے وجوہ، بعض نمک حراموں پر مناسب سخت گیری ہونے کی راستہ ضروری اسباب بیان ہوتے ہیں۔ اسی حالت میں جو بدارحاضر ہو کر حکیم سید اصغر علی سے جنہیں اس وقت خاص کے لئے عرض بیگی کی خدمت ہے۔ چپکے سے کچھ کہتا ہے۔ حکیم صاحب اسکے جواب میں اچھا کہہ دیتے ہیں۔ اور حضور میں یوں گذارش کرتے ہیں۔

وزارت پناہ کے حضور میں۔ حضور کو معلوم ہوگا۔ کیلاس باسی مہاراجہ دولت راؤ کے عہد دولت میں ایک شخص گوالیار کے شیخ زادوں میں سے فوج ظفر موج میں نوکر تھا۔

وزارت پناہ۔ نام۔

حکیم صاحب۔ علی کریم رسالدار بہادر۔

وزارت پناہ۔ ہاں۔

حکیم صاحب۔ اسکے ساتھ اسکا ایک رشتہ دار حقداد خاں اوسی کی ماتحتی میں جمعدار تھا۔

وزارت پناہ۔ تھا۔

حضور معلے۔ اس تمہید سے مطلب۔

حکیم صاحب۔ (دست بستہ) عرض کرتا ہوں۔ رسالدار و جمعدار دونوں نے۔ اکثر معرکوں میں اپنی تلوار کے جوہر خوب دکھائے۔ دونوں جاں نثار بڑے بہادر اور وفادار ثابت ہوئے۔

ایک مولوی صاحب۔ (دست بستہ) اسوقت فوج میں مسلمان ایسے عہدوں پر تھے

اور انہوں نے ایسی ایسی کارگذاریاں بھی کی تہیں۔
حضور معلے۔ تجھے کیوں نہیں۔
مولوی صاحب۔ تو ہمارا یہ دعوے غلط نہیں ہے کہ ہمارے بزرگ بھی ریاست کے نامور بانیوں کے حلقوں کے سایہ میں ہمیشہ رہے اور انہوں نے بڑے بڑے معرکوں میں بہت اچھی خدمتیں کیں۔ خوب کارگذاریاں دکھائیں۔
وزارت پناہ۔ اسکا مخالف کون ہے۔
مولوی صاحب۔ حضور۔ دو تین ہی دن ہوئے۔ انہیں اراکین ریاست سے ایک سردار صاحب کے حضور میں ایسا ہی کچھہ تذکرہ ہوا تہا۔
حضور معلے۔ کیا مفصل کہو۔
کرم احمد خاں۔ میں بھی وہاں حاضر تہا حکم ہو تو میں مفصل عرض کروں۔
حضور معلے۔ اچھا۔
خان۔ بڑے سرکار کی خوبیوں کا تذکرہ تہا۔
وزارت پناہ۔ کیا۔
خان۔ سب یہی کہہ رہے تہے اُن میں جہاں بانی کی سب صفتیں تہیں وہ اپنی سب رعایا کو خواہ وہ کسی مذہب اور قوم کی ہو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے تھے۔
وزارت پناہ۔ بیشک۔
حضور معلے۔ اور ہر ایک فرمانروا کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔
خان۔ انہیں باتوں میں حضور کی پیدائش اور تعلیم و تربیت کے حالات بھی بیان ہونے لگے۔
حضور معلے۔ کیا۔
خان۔ یہی کہ اگلیا حرف بابش مہاراجہ صاحب کے سامنے حضور کی تعلیم اور تربیت اچھی طرح سے شروع ہوئی اور ابتک کس طریقے سے ہوئی ہے۔ انہیں باتوں میں کسی نے یہ بھی کہا دادا صاحب مرحوم شمشیر جنگ بہادر کے عہد وزارت دربہیلہ تہی میں حضور کی خدمت میں حاضر رہنے کے لئے قدیم معزز نمکخواران ریاست کی اولاد سے

چند بچے منتخب کئے گئے اِن کا انتخاب اِس طور سے ہوا۔
حضور۔ کیونکر۔
خان۔ خود پریسیڈنٹ صاحب کیلاش باش نے سردار صاحبان کے بتائے ہوئے بہت سے نام لکھے اور اُن لڑکوں کو بُلا کر ملاحظہ کیا اُنکے عقل شعور۔ شائستگی۔ اور تندرستی کو جانچا۔
وزارت پناہ (شفقت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے) حضور قصہ سنتے ہیں۔
حضور۔ یہ مولوی صاحب قصہ خواں اچھے ہو سکتے ہیں۔
وزارت پناہ۔ درست۔ مگر حضور والا حکیم اصغر علی و حکیم حسیب علی حضور کو تاریخی حالات خوب سنا سکتے ہیں گذشتہ ناموروں کے حالات سے اچھا سبق ملتا ہے فضول جھوٹے قصوں سے اکثر بُرے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے پرانے قصہ گو لکیر کے فقیر ہیں۔ زمانہ بدل گیا۔ مگر اُن کا ڈھنگ نہیں بدلا۔ وہی باغ وہی جنگل۔ وہی رزم وہی بزم وہی سوز و گداز وہی عیش و نشاط جادوگروں کی لڑائیاں۔ دیووں کی زور آزمائیاں! سحر کی نیرنگیاں۔ رد سحر کے اثر کے حیرت فزائیاں سب سامان وہی قدیم ہے۔ اکثر نوعمر ناتجربہ کار سننے والے کو ایسے قصوں سے بُرے اخلاق کی تعلیم ہوتی ہے۔
حضور معلےٰ۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ قصہ کہا کریں۔
وزیر صاحب۔ نہیں۔ اور معاذ اللہ۔ میں نے یونہی تذکرۃً یہ کہدیا حضور کے لئے تاریخی حالات بہت بہتر قصے ہیں۔ اور کسی قصہ کو جی چاہے تو نئے ڈھنگ کے قصے جنھیں ناول کہتے ہیں دیکھنے کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ اُن میں بیہودہ مضامین ہوں یہ قصہ اکثر طرز معاشرت اور اخلاق کی درستی کی غرض سے مفید مضامین پر دلچسپ پیرایہ میں لکھے جاتے ہیں۔ نصیحت قصہ کے ضمن میں ہوتی ہے اِس سے زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ بعض تاریخی حالات پر بھی لکھے جاتے ہیں۔ اُنکے واقعات اور مضامین سب تاریخی ہوں تاہم ایسے ہوتے ہیں جو روزمرہ انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اِن میں کسی چیز کی تعریف اور برائی بھی اوسی حد تک اوسی طرح کیجاتی ہے جو واقعیت سے دور نہو۔ اِن میں زبان کی درستی کا خیال بھی کیا جاتا ہے۔

ایسی زبان میں اس طرز پر لکھی جاتی ہیں جو تہذیب سے دور بنوٹ سے الگ ہو

مولوی صاحب۔ (دست بستہ) درست۔ مگر بادشاہوں کے حضور میں قصہ خوانی ضرور ہوتی تھی۔

وزیر صاحب۔ بیشک

مولوی صاحب۔ ایسے لغو کام کو ایسے متین۔ ذی علم۔ عقلمند حضرات نے کیوں گوارا فرمایا۔

وزیر صاحب۔ سلاطین اور مہاراجگان کے حضور میں انکی مدح وثنا کے قصیدے اور کبت پڑھی جاتی تھیں۔ سواری کے ساتھ نقیب اور بھاٹ انکی حمد وثنا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں کیا طوفان باندھتے تھے۔

مولوی صاحب۔ درست۔

وزیر صاحب۔ یہ سب باتیں اُن لوگوں کو عمدہ سبق دینے کے لئے اختیار کی گئی تھیں۔ قصیدوں۔ اور کبتوں کا پڑھنا شروع میں صرف اس لئے تجویز ہوا تھا۔ ان میں موجودہ بادشاہ یا مہاراجہ کے اگلے بزرگوں کی سچی تعریف ہوتی۔ اور کل جو اثر لوگوں کے دلوں میں تھا۔ اپنے خیالات خلق اللہ کے نسبت جیسے تھے اُنکے مزاج میں جیسا استقلال تھا۔ اُنکی ہمتیں جیسی بلند تھیں یا عزم جیسے پکے تھے۔ ان خوبیوں سے اُنکے زندگی میں باتیں جو وارد ہوئے تھے۔ اُنکے ابدان کا نام نیک جیسا کچھ مشہور رہا اور ایسے ہی باتیں بیان ہونگی۔ یہ نظم تاریخی حالات سننے والے سن کے دلپر زیادہ اثر کرینگے۔ کبتوں کی کیفیت بھی ایسی ہی مضامین کی ہوتی تھیں جنسے بہادروں کی رگ غیرت جوش میں آتی تھی۔ اس زمانہ میں فوج کے سردار اکثر موروثی نمک خوار قدیم جاں نثار معتبر اور یقینی سرفراز کی اولاد سے ہوتے تھے جس دولت کے وہ ملازم ہوتے تھے اوسی کی جانثاری میں انکی کئی پشتیں گذر چکی ہوتی تھیں اور آئندہ نسل بھی اوسی دربار کے نمک خوار بننے پر فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایسے سرداروں کو تھوڑا سا بھی اونکی ہمت کو بڑھانے کی ضرورت میدان جنگ پر اس مضمون کے اشعار یا کبت سنائے جاتے تھے جن میں اونکے بزرگوں کے واقعے کا ناموں کا سچا تذکرہ ہوتا تھا۔ قصہ

تو ان کی اصلیت بھی یہی ہے۔ ابتدا میں صرف تاریخی حالات اس غرض سے سنائے جاتے تھے کہ اپنے عمدہ سبق حاصل ہو۔ مگر رفتہ رفتہ خود پسند خود بیں طبیعتوں نے اس اصل غرض کو کھو دیا۔ قصہ محض جھوٹے بیان ہونے لگے وہ بھی صرف اس غرض سے کہ سننے والے کو نیند جلدی سے آجائے۔ لوگوں میں خود اپنی تعریف ہونے لگی سواریوں کے ساتھ نقیب اور کبیشروں نے جھوٹی تعریفوں بیہودہ خوشامدوں سے پل باندھ دیے۔ درباری شاعروں اور کبیشروں نے ممدوح فرمانروا کو بڑھاتے بڑھاتے خدا سے بھی دو زینہ اونچا کر دکھایا۔ اس عمل نے برا اثر کیا ملک اور قوم کی یہ حالت ہوگئی ہے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں۔ قوم میں خود بینی بیہودہ شیخی۔ بزرگوں کے حالات پر بیہودہ فخر کرکے اوسی کو اپنی عظمت کے لئے کافی سمجھنا ایسے ہی بہت سے عیب پیدا ہوگئے ان عیبوں نے اسے کاہل بنادیا۔ اور کاہلی کا نتیجہ یہ ہوا۔

حضور معلےٰ۔ بیشک

مولویصاحب۔ درست اسرکار سے۔ دست بستہ حضور وہ گزارش رہ گئی۔

حضور معلےٰ۔ ہاں۔

مولویصاحب۔ اُن صاحبزادوں کی انتخاب کا تذکرہ ہوا تو میں نے کہا۔ کارپاری صاحب نے (دیوان) صرف ہندو معززین کے لڑکوں کا انتخاب کیا یہ اچھا نہ کیا۔

حضور معلےٰ۔ کیوں۔

مولویصاحب۔ حضور عالی غور فرمائیں ہندو مسلمان۔ دونوں حضور کی رعایا ہیں حضور کی شاہانہ نوازش اور شفقت کے سب مستحق ہیں حضور کے بزرگوں نے کبھی اُن دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی۔ کسی کو ترجیح نہیں دی۔ سب کے حقوق برابر رکھے۔ خود کیلاش باسی مہاراج صاحب کے عہد دولت میں بہت سے مسلمان معززین میں داخل تھے۔ وہ علم و ہنر کے قدر کرتے تھے آدمی کے جوہر شناس تھے کسی مذہب سے انہیں عرور کار نہ تھا۔ حضور والا کے عہد دولت میں ابتک یہی بات ہر نہ آئندہ بھی انشاء اللہ یہی عملدرآمد رہیگا۔ پھر دیوان صاحب مرحوم نے کیوں ایک فرقہ کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے کی حق تلفی کی گویا حضور کا نقصعال کرنے کی عزت کے

معتوق انکی اولاد نہ تھی۔ میری وابسات پر سردار صاحب خاموش ہو گئے مگر آ گئے
دیوان صاحب نے بہت ترش ہو کر کہا اس سیاست میں مسلمانوں کا کیا حق ہے۔
میں نے بھی کہا بہت کچھ حق ہے۔ بانیان ریاست کے زیر علم ہمارے بزرگ بھی تھے
انہوں نے بھی فتوحات میں بہت بانکاہی کی ہے۔ بڑے بڑے معرکوں میں
کام دیا ہے۔

شاستری صاحب۔ آپکے بزرگوں نے۔

مولوی صاحب۔ خاص میرے دادا پر دادا نے نہ سہی۔ اور مسلمانوں کے بزرگوں نے تو ضرور ایسی خدمتیں کی ہیں۔ وہ برابر شروع سے فاتح مہاراجگان کے زیر علم رہے ہیں۔ پھر ہر ایک مسلمان کو بھی کہنے کا حق ہے جو میں نے کہا۔

شاستری صاحب۔ مگر اس دعوے کا ثبوت۔

وزیر صاحب۔ اور حضور معلے نے مولوی صاحب کی طرف دیکھا اور مولوی صاحب نے اکرم احمد خاں کی طرف۔

خانصاحب۔ جناب شاستری صاحب۔ حسن خاں بہلیا۔ بابو خانصاحب۔ موتی خانصاحب کے مورث کون تھے۔

شاستری۔ مسلمان تھے۔

خانصاحب۔ وہ سب اس ریاست میں کب آئے۔

شاستری۔ میں انکے حالات سے واقف نہیں ہوں۔

مولوی۔ آپ یہ ضرور جانتے ہیں۔ یہ سب صاحب جاگیر دار ہیں۔

شاستری۔ جی ہاں۔

خانصاحب۔ یہ جاگیریں۔ انکو کب اور کیوں ملیں۔

شاستری۔ کیا معلوم۔

خانصاحب۔ تو یہی بتا دیجئے خود ان کو ملیں یا۔۔

شاستری۔ انکے مورثوں کو۔

خانصاحب۔ کس وقت کے صلہ میں۔

شاستری۔ مجھے نہیں معلوم۔

خانصاحب۔ افسوس۔

شاستری۔ ہیں! کیوں۔

خانصاحب۔ آپکی معلومات کا یہ حال ہے۔

مولوی۔ اور مسلمانوں پر بیجا اعتراضوں کے بوچھار کی یہ کیفیت ہے۔

شاستری۔ میں نے تو ایک بات سنی تھی۔

حضور معلے۔ ایسی بات کیوں کہی بے ثبوت کے۔

وزارت پناہ۔ شاستری کیا آپکو فرمانروا کے حضور میں کوئی بات خلاف واقعہ کہنا بیجا نہیں ہے۔

شاستری۔ ہے۔

وزارت پناہ۔ پھر ایسی بات کیوں کہی گئی۔

حضور معلے۔ اور جب اسکا ثبوت مانگا گیا تو ہر سوال کے جواب میں صرف مجھے نہیں معلوم کہہ کے اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا۔ آئندہ احتیاط رکھو ایسی بات کبھی عرض نہ کرو۔

خانصاحب۔ اُن مسلمانوں کی تاریخی حالات حضور خود بدولت واقبال پناہ و جناب عالی پر بخوبی ظاہر ہیں۔ اراکین ریاست بھی سب اس سے آگاہ ہیں انہیں جاں نثاران بارگاہ شاہی پر شاہانہ رحمت کی خاص نظر ہونے کے سبب اتبک یہ دستور اس دربار میں ہے ہولی دسہرہ ایسے ایسے بڑے بڑے ہنود تیوہاروں کی طرح عید بقرعید کا دربار بھی مہارانیگان عالیشان منعقد فرماتے ہیں اس میں مسلمان ملازم حاضر ہوتے ہیں ان کی نذر بھی قبول کیجاتی ہے۔ اس دربار نے ہمیشہ دونو قوموں کو ایک ہی نظر سے دیکھا اسی سے دونوں ہر ایک کام میں متفق رہے اور ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ بھی یہی حالت رہیگی۔ عادل۔ بیدار مغز۔ رعایا کی فلاح چاہنے۔ ملک کی بہی خواہ اپنے فرائض حکمرانی سے آگاہ شہریار میں ضرور یہی صفت ہونا چاہئے۔ جو اس عالیجاہ دربار میں تدبیر سے اتبک ہے۔ ہمارے شہریار جب تک ان دونو قوموں کو ایک ہی نظر سے دیکھینگے ان میں باہمی رشک رقابت پیدا نہوگا دونو متفق رہینگے جب تک یہ اتفاق رہیگا سرکاری تمام کام بہت خوبی سے انجام پائینگے۔ اور تمام رعایا بہت امن آرام سے رہے گی خوب ترقی کرے گی۔

ہر سلطنت اور ہر ملک کی ترقی اور بہتری کی جڑ ہمیشہ ارکین اور رعایا کا باہمی نفاق ہی قطع کرتا ہے اور یہ نفاق باہمی خود شہریار عہد کی بیجا رعایت سے پیدا ہوتا ہے جو کسی ایک خاص شخص یا خاص قوم کو بغیر مرجح حق حاصل ہونیکی بڑھا دیتی ہے۔ خدا کا شکر ہے یہاں ابتک دونو قومیں برابر اور متفق ہیں مسلمانوں پر اس دربار کی نوازشیں اس حد تک ہیں کہ اس موقع پر جو ابھی گزارش کیا گیا۔ ان کی جو حق تلفی کی گئی۔ انھیں اس کی طرف اپنے خیال کو رجوع کرنا بھی کفران نعمت معلوم ہوا ہی سے انہوں نے ابتک اپنی اس حق کی بابت کبھی کوئی گزارش نہیں کی۔ خدا انہیں ہمیشہ ایسا ہی وفادار راسخ العقیدہ رکھے۔ اور ہمارے شہریار کو ہمیشہ ان پر قدر دانہ رحمت فرمانے کی توفیق خیر دے۔

وزیر صاحب۔ اس انتخاب کے بعد کوئی موقع نہ رہا تھا تاہم کسی وقت ہم سے کہا جاتا تو ہم ضرور سرکار سے انہیں ان کا حق دلانیکی کوشش کرتے۔ بیشک یہ ایک نامناسب بات تھی۔ جو نہیں معلوم کیوں ایسے ہوئی۔ ریاست کے قدیم معزز نمکخوار مسلمانوں کی اولاد سے ضرور اس خدمت کے لئے اچھے معتبر۔ لڑکے مل سکتے تھے مگر۔۔۔ خیر گزشتہ را صلوٰۃ۔ آئندہ یاد۔

مولوی صاحب۔ (دست بستہ) ہم قدیم نمکخواروں کو اسکی کچھ شکایت نہیں ہے۔ وہاں تذکرۃً یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔

وزیر صاحب۔ (حکیم اصغر علی سے) تم علی کریم رسالدار کے نسبت کچھ کہتے تھے۔

حکیم صاحب۔ جناب عالی۔ اب گزارش کرتا ہوں۔ علی کریم رسالدار بہادر کو جان نثاری کے صلہ میں جاگیر عطا ہونے کی تجویز پیش ہوئی۔ اس سادہ مزاج سپاہی نے یہ عذر کیا میں زمینداری کے جھگڑوں سے بہت بیزار ہوں۔ سرکار جاگیر مرحمت فرمائیگی تو مجھے اسکا انتظام کرنا پڑیگا۔ ابھی خاندان کا مشن پیچ پڑجائیگی اس سے یہی بہتر ہے سرکار مجھے جو کچھ عنایت فرماتے ہیں کسی اور مستحق کو بخشدیں جو اس کام کو کرسکے۔ سرکار نے ان کا عذر منظور فرمایا۔ اور جاگیر کے عوض چوبیس سو روپیہ سال علاوہ معمولی تنخواہ کے نسلاً بعد نسلاً ملنے کا حکم دیا۔ اس طرح حقداد خاں کو بارہ سو روپیہ

سال ملنے کا حکم ہوا۔ علی کریم کے بعد ان کا بیٹا اسی خدمت پر مامور ہوا۔ اور حقداد خاں کے ترکہ میں انکے داماد کو بھی حصہ ملا۔ یہ دونوں وارث اپنے مورثوں کے وظیفہ بھی پاتے رہے۔ علی کریم کے بیٹے علی احمد اور حقداد خاں کے داماد شہزاد خاں نے بھی اپنی خوب چلتی ہوئی تلوار کے ذریعہ سے خوب نام پیدا کیا۔ اپنی آخر عمر تک فوج کے ملازم رہے۔ علی احمد کے بعد انکا بیٹا علی سجاد رسالدار ہوا جو انکے ساتھ ہی فوج میں کوئی عہدہ پا چکا تھا۔ شہزاد خاں کی اسامی کسی اور کو ملی۔ انکا بیٹا انگریزی سرکار میں اہل قلم کے زمرہ میں خود شہزاد خاں کی زندگی میں ملازم ہو گیا تھا۔ مگر علی سجاد کی طرح اپنا موروثی وظیفہ وہ بھی پاتا رہا۔ علی کریم اور حقداد خاں بہت معزز خاندان سے تھے انکے بزرگ سرکار شاہی کے قدیم نمکخوار اور جاگیردار تھے کسی سبب سے دلی سے چلے۔

اس دربار کی قدردانی کا شہرہ سنکر یہاں پہونچے۔ اور گوالیاری ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہیں مکان بنالیا یہیں شادیاں کیں۔ یہیں کے ہو گئے۔ جب سے اس خاندان کی بود و باش یہیں ہے۔

وزیر صاحب۔ اور علی سجاد ابتک زندہ ہے وظیفہ پاتا ہے۔ شہزاد خاں کا بیٹا مظفر خاں مر گیا۔ اوسکے ایک لڑکی ہے۔ اوسکی بیوہ اپنی لڑکی کی پرورش کرتی اور وظیفہ پاتی ہے۔

حکیم صاحب۔ درست۔ مظفر خاں کے تمام ترکہ کے مالک وہی لڑکی ہے۔ مظفر خاں نے مرتے وقت اپنی لڑکی کا ولی سرپرست علی سجاد کو قرار دیا تھا۔

وزارت پناہ۔ ہاں اسکے بعض مقدمات کونسل تک آئے تھے ان میں بھی علی سجاد ہی پیروکار تھا۔

حکیم صاحب۔ حضور۔ ابتک علی سجاد ہی مظفر خاں کی بیوہ اور لڑکی کی خبرگیری اپنے نفس کی طرح کرتا ہے۔ **وزارت پناہ۔** علی سجاد کے کوئی اولاد نہیں ہے۔

حکیم صاحب۔ شاید ایک لڑکا ہے۔

وزارت پناہ۔ مظفر خاں علی سجاد کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں دودھ کے رشتہ سے بھائی ہوتا تھا اب علی سجاد جنابعالی

اور حضور والا سے یہ عرض کرنا چاہتا ہے۔
وزارت پناہ۔ کیا۔
حضور معلے۔ کیا پنشن اب نہیں ملتی۔ یا دیر سے ملتی ہے۔
وزارت پناہ۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ضرور ملتی ہوگی۔ وہ پنشن نہیں معافی نقدی ہے۔
حضور معلے۔ اور قدیمی ہے۔ کوئی قصور بھی نہیں ہوا ہے بند ہو جانے کی وجہ۔
حکیم صاحب۔ معافی ماہواری ملتی ہے۔
وزارت پناہ۔ پھر۔
حکیم صاحب۔ کسی اور معاملہ میں کچھ گذارش کرنا ہوگا جب مجھسے تذکرۃً ایک بار خود کہا گیا تھا میں حاضر ہوں گا مجھے کچھ عرض کرنا ہے اس وقت چوبدار نے انکے آنے کی اطلاع کی تو یہ کہا کہ وہ جناب عالی اور حضور والا سے کچھ گذارش کرنا چاہتے ہیں۔
وزارت پناہ نے اپنے نوعمر شہریار کی طرف دیکھا۔
حضور والا۔ (وزیر صاحب کی نگاہ سے انکا منشاء سمجھکر حکم دیا) بلا لیجئے۔
وزارت پناہ۔ (حکیم صاحب سے) اچھا۔ بلا لو۔
حکیم صاحب۔ (چوبدار کی طرف دیکھکر اشارہ سے)
چوبدار۔ حضور انکے ساتھ ایک شاہ صاحب بھی ہیں۔
حضور والا۔ وہ بھی اجازت چاہتے ہیں۔
چوبدار۔ (دست بستہ) غریب پرور۔
حضور والا۔ اچھا۔
چوبدار انہیں بلا لایا معمولی آداب و نیاز کے بعد (جو عالی جاہی دربار میں حاضر ہونے والے پر فرض ہے) وہ تو حضور کے سامنے مودب کھڑے ہوئے حضور نے اس خیال سے کہ ایک قدیم نمک خوار فوجی افسر ہے دوسرا تارک الدنیا فقیر جسکی سب دنیا دار عظمت کرتے ہیں دونو کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ (اس شاہانہ عنایت

کا شکریہ معمولی درباری طور سے دونوں نے ادا کیا اور بیٹھ گئے۔ علی سجاد نے دعا و ثنا کے بعد دست بستہ یہ گذارش شروع کی۔

علی سجاد۔ (دست بستہ) حضور والا اور جناب عالی پر بخوبی روشن ہے میں اس سرکار عظمت مدار ابد قرار کا موروثی نمک خوار اور قدیمی جاں نثار ہوں۔

حضور والا نے حکیم اصغر علی کو علی سجاد کی معمولی باتوں کا جواب دینے کا حکم اشارہ سے دیا۔

حکیم صاحب۔ حضور خود بدولت و اقبال آپکے سب حالات سے بخوبی واقف ہیں۔

علی سجاد۔ میرے بزرگوں نے حق نمک سے ادا ہونے کے لئے جو خدمات کیں انکے صلہ میں محض بنظر قدردانی و فیض رسانی گذشتہ فرمانروایان عہد کے خسروانہ مراحم [illegible] سے انہیں جاگیر عطا ہوئی خطابات ملے۔

حکیم صاحب۔ بیشک یہ انعامات صرف قدر افزائی ہی سے تھے۔ ورنہ وہ لوگ نمکخوار تھے اور متعلقہ خدمات کرنا ہر نمکخوار کا فرض ہے آپکے بزرگوں نے ان خسروانہ عنایات کی بہت قدر کی اور انکا شکریہ اچھی طرح ادا کیا تادم مرگ دل و جان سے سرکاری خدمات [illegible] دینے کو مستعد رہے۔

علی سجاد۔ یہی ہمارا فرض تھا۔

حکیم صاحب۔ بیشک۔

علی سجاد۔ میں نے بھی بذات خود اسکی خدمت کی۔

حکیم صاحب۔ حضور والا پر اچھی طرح روشن ہے۔

علی سجاد۔ چار پانچ برس ہوئے ایک باغی سرغنہ کے مقابلہ میں میرا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا۔ میں نے خدمت سے سبکدوش ہونے کی درخواست کی۔

حکیم صاحب۔ آپکے بیحد اصرار سے مجبور ہوکر سرکار نے درخواست منظور کی۔ بہ نظر قدردانی پوری تنخواہ کی پنشن عطا فرمائی۔

علی سجاد۔ درست ہیں اس سرکار کا قدیمی خانہ زاد ہوں۔ میری جان مال عزت ناموس سب اس سرکار کی دی ہوئی ہے میرا فرض ہے۔ میری زندگی کے حالات

میں جو تغیر ہوا اُسے اپنے شہریار کے حضور میں گزارش کروں۔

حکیم صاحب۔ بیشک۔

علی سجاد۔ میں اب تک دنیا میں بہت عزت و آبرو سے رہا۔ یہ آبرو سرکار ہی کی بخشی ہوئی تھی۔ میں نے اب تک بہت عیش کیا یہ عیش انہیں قدموں کی بدولت تھا اب میرا آخری وقت ہے۔ میں چاہتا ہوں جس طرح دنیا میں عیش آرام سے اب تک گزری اسی طرح عاقبت بخیر ہو۔ اب مجھے ان سیاہ کاریوں کی تلافی کرنا چاہئے جن میں اب تک میں دنیادار ہونے کے سبب مبتلا رہا۔ حضور والا۔ اگلے بزرگوں نے انسان کی عمر کے تین حصے تین کاموں کے واسطے الگ الگ کر دئے تھے۔ پہلا حصہ علوم فنون کی تحصیل کے لئے دوسرا دنیاداری کے جھگڑوں میں بسر ہونے کو میسر آتا تھا تیسرا عمر کے اعمال کی تلافی کرنے کی غرض سے اُس اعلیٰ ترین ہستی کی یاد کے واسطے مخصوص کیا تھا جو تمام دنیا کا مالک ہے۔

حکیم صاحب۔ درست۔ مگر اس تمہید سے مطلب۔

علی سجاد۔ عرض کرتا ہوں۔ میں نے انہیں بزرگوں کی تقلید سے اپنی زندگی کو بھی عمر ہی میں انہیں تین حصوں پر تقسیم کیا۔ اور یہ تقلید میں نے ایک وجہ خاص سے کی ہے جو حضور کو معلوم ہو جائیگی۔

حضور والا۔ کیونکر۔

علی سجاد۔ میرے اس وصیت نامہ سے جو میں اس وقت پیش کرنے کے لئے حضور میں لایا ہوں اب تک میری زندگی کے دو حصے اوس تقسیم کے موافق گزر گئے اور باقبال بندگان عالی اچھی طرح گزرے۔ پہلے حصہ عمر میں میں نے کچھ علوم دینی و دنیاوی اور فنون سپہگری سیکھے۔ دوسرے حصہ میں دنیاداری کا لطف اٹھایا اپنے آقا و ولی نعمت کی خدمت کی اب تیسرا حصہ باقی ہے۔

حکیم صاحب۔ زہے بابائے حضور آپکی عمر ابھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہوئی۔ آپ بالکل بڈھے نہیں ہو گئے ہیں۔

علی سجاد۔ درست۔ مگر میں دو کام اپنی عمر کے دونوں حصوں کے متعلق کر چکا ہوں۔

حکیم صاحب۔ یہ کیسی دنیاداری کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی بالکل ضعیف ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ ہر ایک کاروبار کے لائق ہیں

علی سجاد۔ جی ہاں۔ مگر میرے نزدیک دنیاداری تو اسی وقت ختم ہو گئی تھی جب میں نے پنشن لے لی تھی۔ اس وقت سے میری عمر کا تیسرا حصہ شروع ہو گیا تھا میں نے اب تک بہت غفلت کی اس حصہ عمر کو بھی دنیاداری ہی میں ضائع کیا۔ اب چونکا ہوں تو پھر اسی طرح سو جانا۔ قرین عقل نہیں ہے۔ شاید میری باقی عمر اسی غفلت میں گزر جائے۔ میں اسی حالت میں جاؤں اور بدعہدی کا مواخذہ مجھ سے کیا جائے۔

حکیم صاحب۔ آپکے کوئی لڑکا لڑکی بھی ہے۔

علی سجاد۔ ایک لڑکا ہے۔

حکیم صاحب۔ اسکی عمر۔

علی سجاد۔ سمت ۱۹۹۴ اور ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوا ہے۔ اب سمت ۱۹۴۷ اور عیسوی ۱۹۴۶ء میں سات برس کی عمر ہے۔

حکیم صاحب۔ تو گویا آپکو اسکی شادی تک دنیادار ہی رہنا چاہئے۔

علی سجاد۔ جو اس زمانہ میں موت آگئی۔

حکیم صاحب۔ خدا نہ کرے۔

علی سجاد۔ زندگی بے اعتبار ہے موت کا وقت کسیکو معلوم نہیں پھر میں کیوں بلا سبب اس وقت کو ضائع کردوں۔

حکیم صاحب۔ ترک دنیا کرکے آپ یہیں کسی جگہ بیٹھئے گا یا ۔ ۔ ۔ ۔

علی سجاد۔ یہاں رہا تو دنیا کو چھوڑا ہی کیا۔

حکیم صاحب۔ کیوں۔

علی سجاد۔ یہ میرا وطن ہے یہاں میرا سب کنبہ ہے سیکڑوں دوست ہیں انسے بیگانہ بالکل بے واسطہ بے تعلق رہنا بہت مشکل ہے۔

حکیم صاحب۔ کہاں کا ارادہ ہے۔

علی سجاد۔ جہاں خدا لیجائے۔

حکیم صاحب۔ آپ کس کے مرید ہیں۔

علی سجاد۔ (شاہ صاحب کی طرف اشارہ) ان کا غلام ہوں۔
حکیم صاحب۔ آپ شاید میاں بہت شاہ صاحب کے خاندان سے ہیں وہ بڑے اچھے فقیر تھے۔ شاید آپکا اسم مبارک رفعت شاہ ہے۔
شاہ صاحب۔ ہاں بابا۔ میں اسی خاندان کا غلام ہوں۔
علی سجاد۔ میں نے ترک دنیا کا ارادہ مصمم کر لیا تو جناب شاہ صاحب کو اطلاع دی کل آپ تشریف لائے میں اس وقت حضور میں حاضر ہوا میں اس بارگاہ کا مو۔ دی خانہ زاد ہوں۔ مجھے اس کار خیر کی بابت حضور والا سے گذارش کرنا اور اجازت لینا بہت ضروری تھا۔ اسکے علاوہ اس حاضری سے ایک ایک اور خاص غرض بھی ہے۔
حکیم صاحب۔ آپکا لڑکا بہت کم سن ہے۔ آپ اسکو اس عمر میں کیوں چھوڑتے ہیں۔ اسکی پرورش اور تعلیم کیسے ہوگی۔
علی سجاد۔ اسی کے متعلق کچھ عرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔
حکیم صاحب۔ کیا۔
علی سجاد۔ اب مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے تخلیہ میں عرض کروں گا
حکیم صاحب۔ ہم سب اٹھ جائیں۔
علی سجاد۔ جی نہیں آپ مولوی صاحب شاستری صاحب یہیں رہیں باقی حضرات۔

حضور والا کے حکم سے اور سب حاضرین دربار اٹھ گئے۔

علی سجاد۔ حضور والا۔ انگریزی سرکار میں وصیت نامہ امانت رکھانے کا قاعدہ ہے مگر یہاں نہیں ہے۔ اسی لیے میں نے خود حضور والا بدولت اقبال اور جناب عالی کو اپنی گذارش سننے کی تکلیف دی حضور بہت توجہ سے میری عرضداشت سنیں۔
حکیم صاحب۔ عرض کیجیے حضور بدل متوجہ ہیں۔
علی سجاد۔ میں نے ترک دنیا کا قصد مصمم کر لیا تو لڑکے کی پرورش اور تعلیم کے انتظام کرنے کی فکر ہوئی بہت سی تدبیریں سوچیں مگر کوئی اس سے زیادہ

سو منہ دکھانے کی جگہ نہیں تھی جسکے واسطے اس وقت میں حاضر ہوا ہوں - میرے ایک ہی لڑکا ہے اور ایک ہی بچی ہے۔

حکیم صاحب۔ مظفر خاں کی لڑکی۔

علی سجاد۔ جی ہاں۔

حکیم صاحب۔ آپنے ان دونوں کی پرورش اور تربیت کا کیا انتظام کیا ہے اور اس میں سرکار سے کیا امداد مطلوب ہے۔

علی سجاد۔ میں نے ان کی پرورش اور تعلیم کو خدا پہ چھوڑ دیا ہے

حکیم صاحب۔ پھر حضور سے کیا عرض کرنا ہے۔

علی سجاد۔ عرض کرتا ہوں - میرے کوئی جائداد بجز مکان اور چند دوکانوں کے نہیں ہے - نقد روپیہ اور سونے چاندی کا مرصع اور سادہ زیور جواہرات برتن شال سب سامان ہم لاکھ روپیہ کا ہے - اسکی فہرست ہے (ایک چھوٹی سی کتاب حضور میں پیش کرکے) یہ میرے اس وصیت نامہ کے ساتھ (ایک کاغذ پیش کرکے) امانت رہیگی۔

حکیم صاحب۔ کس کے پاس

علی سجاد۔ خود حضور والا کے خزانہ میں میں نے سرکار ہی کو اپنا امین قرار دیا ہے حضور والا کل ہی میری تمام جائداد اپنے اہتمام میں لے لیں۔

حکیم صاحب۔ اور مظفر خاں کی لڑکی کے بابت کیا انتظام کیا ہے۔

علی سجاد۔ اوسکی بھی تمام جائداد سرکار کے اہتمام میں رہے گی۔ مجھے سو روپیہ ماہوار - اور مظفر خاں کی بیوہ کو سو روپیہ جو وظیفہ اب تک ملتا ہے آیندہ سے میری بیوی کو صرف ساٹھ روپیہ ماہواری اور اتنا ہی مظفر خاں کی بیوہ کو ملا کرے - باقی بدا امانت جمع ہوتا رہے - اور میری پنشن اب قطعی بند کر دیا ہے۔

حکیم صاحب۔ کب تک۔

علی سجاد۔ ان دونوں کی شادی کے وقت تک - باقی وظیفہ اور سب جائداد امانت رہے۔

حکیم صاحب۔ مظفر خاں کی لڑکی کی نسبت کس سے ہوئی ہے۔

علی سجاد۔ جی ہاں میرے ہی لڑکے سے اسکی شادی ہوگی۔
حکیم صاحب۔ شادی کے وقت انکو تمام امانت دیدی جائے۔
علی سجاد۔ جی ہاں اور شادی سے پہلے جو مرجائے اُسکے جائداد کی مالک سرکار ہے دونو مفقود الخبر ہوجائیں یا ایک گمنام ہو جائے تو بھی شخص گم گشتہ کے تمام ترکہ کی مالک وہی ہیں مفقود الخبر کبھی حاضر ہوکر دعویدار ہو تو اس سے کافی ثبوت وراثت حسب تحریر وصیت نامہ لیا جائے تب جائداد دیجائے۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ یہ مرقع بھی ہے اس میں تمام بزرگوں کی اور ان دونو بچوں کی تصویریں ہیں۔ ان تصویروں سے بھی مدعی جائداد کی صورت ملائی جائے۔
حکیم صاحب۔ مگر آپ کو مظفر خاں کی جائداد کی بابت کوئی وصیت کرنے کا حق کیونکر حاصل ہوا۔
علی سجاد۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ مظفر خاں کا وصیت نامہ بھی شامل ہے۔ اسکا بھی مضمون ہے جو میں نے گذارش کیا۔ خود اس نے میرے مشورہ سے اپنے مرنے سے چند روز پہلے یہ وصیت نامہ لکھا تھا۔ مجھے ہدایت کی تھی جسوقت تم ترک دنیا کرو یہ وصیت نامہ بھی اپنی وصیت نامہ کے ساتھ حضور میں پیش کر دینا۔
حکیم صاحب۔ درست۔
علی سجاد۔ میری بیوی کو اس جائداد کی خبر نہیں ہے نہ مظفر خاں کی بیوہ اپنی جائداد کی موجودگی کا حال جانتی ہے۔
حکیم صاحب۔ یہ کیا۔
علی سجاد۔ ہم دونوں نے باہم صلاح کرکے بہت مدت سے تمام جائداد گھر سے علٰحدہ کسی اور جگہ رکھنے کا بندوبست کر لیا تھا۔ رفتہ رفتہ تمام مال الگ رکھدیا گیا۔
حکیم صاحب۔ اس نقل و حرکت کی اطلاع عورتوں کو ضرور ہوئی ہوگی۔
علی سجاد۔ کیوں نہیں۔ مگر انسے یہی کہا گیا۔ قرض کے ادا کرنے کی غرض سے یہ چیزیں بیچی جاتی ہیں۔ انہیں بھی معلوم ہے۔ تمام جائداد قرض میں گئی اب صرف پنشن پر گذر ہے۔

حکیم صاحب۔ اس میں کیا مصلحت تھی۔

علی سجاد۔ جائداد عورتوں کے اختیار میں چھوڑ دی جاتی تو تلف ہو جاتی۔

حکیم صاحب۔ بیشک وہ پردہ نشین ہیں اسکے محفوظ رکھنے کا انتظام ان سے نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ یہ ممکن تھا وہ خود بھگانے والوں کی دم جھانسے میں آ جاتیں اور کسی طرح جائداد برباد کر دیتیں آپنے یہ انتظام بہت مناسب کیا۔ مگر انسے چھپانے کی ضرورت کیا تھی۔

علی سجاد۔ یہ انتظام صرف اس خیال سے کیا گیا ہے انہیں خبر ہو گی تو وہ ضرور کسی وقت کسی کے بہکانے سے سرکار سے اپنی جائداد پانے کی بابت عرض کریں گی۔ اس صورت میں کسی سبب سے سرکار کو اگر رحم آگیا۔ جائداد عنایت فرما دی تو انہیں اسکے تباہ کرنے کا موقع مل ہی جائیگا۔

حکیم صاحب۔ درست۔

علی سجاد۔ جو علامتیں میرے وارث میں ہونی چاہئے وہ اس وصیتنامہ میں تحریر ہیں جسوقت جائداد میرے وارث کو دیجائے وہ علامتیں اس میں دیکھ لیجائیں۔ اسی طرح مظفر خاں کے وارث کی علامتیں انکے وصیت نامہ میں درج ہیں۔ میرے لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد یہ ہدایت ضرور کیجائے کہ وہ میری یہ آرزو پوری کرے۔ اپنی شادی مظفر خاں کی لڑکی ہی سے کرے اسی طرح مظفر خاں کی بیٹی کو ان کی یہ وصیت یاد دلائی جائے۔ کہ وہ اپنی شادی میرے لڑکے ہی سے کرے۔ مگر ان دونوں کی شادی جبھی ہو گی جب لڑکی کی ماں کا گمشدہ جہیز شوہر کے ذریعہ سے ملیگی بغیر اس صورت کی میری وصیت پوری نہو گی اور ان دونوں کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ بھی ہے۔

حکیم صاحب۔ اپنی جائداد کے محفوظ رکھنے کا بہت انتظام کیا۔ میرے نزدیک صرف سرکار کے سپرد کر دینا کافی تھا۔

علی سجاد۔ درست۔ میں نے یہ احتیاط صرف اس خیال سے کی ہے کہ کسیکو اس جائداد کا حال معلوم ہی نہو گا۔ تو کون دعوے کیونکر کرے گا۔ اور کسی طرح سے کسی کو معلوم ہو جائیگا۔ تو ان احتیاطات میں کامل تسلیم ہونے کے بغیر جائداد دیا جائیگا۔

اسکے علاوہ اس انتظام کے اور وجوہ وصیت نامہ میں درج ہیں۔
حکیم صاحب۔ ٹھیک
علی سجاد۔ اس وصیت نامہ کے ساتھ یہ ایک تعویذ بھی ہے۔ یہ علم نیرنجات کی بہت بااثر اور مشکل عمل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ تمام امتحانات کے بعد یہ تعویذ شخص مدعی وراثت کو دیا جائے وہ اپنے برہنہ بازو پر اسے باندھے۔ پندرہ منٹ کے بعد اگر بیہوش نہ ہو جائے تو ضرور وہی میرا وارث ہے۔
حکیم صاحب۔ آپکے لڑکے اور اس لڑکی کا کیا نام ہے۔
علی سجاد۔ لڑکے کا نام اچھے صاحب۔ اور لڑکی کا بھوّ ہے۔
حکیم صاحب۔ یہ عرف ہیں یا اصلی نام
علی سجاد۔ پیار کے نام ہیں اصلی نام وصیت نامہ میں اور زائچہ میں درج ہیں۔ اس جائداد کے وارثوں سے ان کا عرف اور اصلی نام بھی ضرور دریافت کیا جائے اور وصیت نامہ سے مطابق کیا جائے۔
حکیم صاحب۔ آپنے ان شاہ صاحب کو کیوں تکلیف دی۔
علی سجاد۔ ان دونوں وصیت ناموں پر جناب شاہ صاحب کی گواہی ہے۔ اور شاہ صاحب سے جناب عالی بخوبی واقف ہیں۔ حضور والا دریافت فرمالیں کہ مظفر خاں کا وصیت نامہ خود اسی کا لکھا ہوا ہے یا نہیں۔
شاہ صاحب۔ میں بحلف بیان کرتا ہوں۔ یہ وصیت نامہ مظفر خاں نے میرے ہی سامنے لکھکر علی سجاد کو دیا تھا۔ اس کا حرف حرف میں نے سنا ہے۔
وزارت پناہ۔ ہم شاہ صاحب کو پہچانتے ہیں۔ یہ بڑے زاہد عابد اہل اللہ درویش ہیں۔ انکی نسبت جھوٹ بیان کرنیکا گمان نہیں ہوسکتا۔ اسکے علاوہ میں مظفر خاں کا سواد خط بھی پہچانتا ہوں۔ یہ وصیت نامہ ضرور اسی کا لکھا ہے۔
حضور والا۔ آیا آپ مظفر خاں کا خط پہچانتی ہیں۔
وزارت پناہ۔ ہاں۔ اسکی اکثر درخواستیں میرے پاس جج کے طور پر آتی تھیں۔ انہیں میں ہی پڑھتا تھا۔ وہ کسی زمانہ میں میرا بہت معتبر خیر خواہ رفیق تھا۔ میرے جج کے بعض کام اسکے سپرد تھے۔

علی سجّاد۔ میری اولاد زندہ نہ رہتی تھی کئی بچے مرگئے تھے یہ لڑکا پیدا ہوا تو شاہ صاحب کے حکم سے اسکا عرف ایسا تجویز کیا گیا جس سے تذکیر و تانیث کا پتہ نہ چلے لڑکے کو زنانہ لباس اور زیور پہنایا گیا۔ ابتک وہ ایسا ہی لباس پہنتا ہے۔ اسکی زبان بھی عورتوں کی سی ہے۔ اُسے تعلیم خود اسکی ماں کرتی تھی اور ایک اُستانی بھی پڑھاتی ہے وہ بہت کم نکلتا ہے بارہویں سال اسکے منت کے بال پڑھائے جائینگے تب وہ مردانہ لباس پہنے گا اور مردانہ گفتگو کرے گا۔

اسوقت اسکی تعلیم بھی لڑکوں کی طرح ہوگی۔ بارہ برس کی قید اس وجہ سے لگائی ہے یہ خیال ہے اس وقت تمام آنے والی آفات سے وہ محفوظ ہوجائیگا۔

حکیم صاحب۔ اس بھیس بدلنی کی وجہ۔

علی سجّاد۔ صرف شاہ صاحب کا ارشاد۔ اور وہ ارشاد ایک خاص وجہ سے تھا۔

شاہ صاحب۔ میرے خیال میں اسکی زندگی کے لئے یہی تدبیر مناسب معلوم ہوئی اسکے پیدا ہونے کے وقت ایسی ہی منت مانی گئی۔ اب اسی کا نباہ ہے۔

علی سجاد۔ میں صاف صاف عرض کردوں (شاہ صاحب سے) اجازت ہے۔

شاہ صاحب۔ ہاں کہدو۔

علی سجاد۔ جناب شاہ صاحب کے ایک مرید نے اس کا زائچہ کھینچا۔ ان کا بیان ہے کہ یہ لڑکا اپنی صورت کے سبب بہت سخت تکلیف اُٹھائے گا اِن تکلیفوں سے اُسوقت نجات ملیگی جب اس کا بھیس بدل جائیگا۔ جناب شاہ صاحب نے انہیں کے اصرار سے لڑکے کو ابھی سے زنانہ بھیس میں رہنے کی ہدایت کی۔

حکیم صاحب۔ اس بھیس بدلنے سے وہ مصیبت نہ آئیگی۔

شاہ صاحب۔ کیوں نہیں۔

حکیم صاحب۔ نہیں۔

شاہ صاحب۔ بلکہ مجھے انکے حکم پر بالکل یقین نہیں ہے۔ تاہم میں نے انکی مروت سے یہی تجویز کیا۔ اس پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو یہ بھیس اسے ہرگز بچا نہیں سکتا۔ میرا یہی عقیدہ ہے۔ اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہوسکتا ہے۔

حکیم صاحب۔ بیشک۔

علی اسجاد۔ کیا عجیب ہونے والی بات کی ضرور ہی ہونے کا یہی نہیں ہو جائے اور ہمکو اس شادی کے سبب اُنسے یہ سمجھائی گئی ہو۔

حکیم صاحب۔ شاید۔

علی اسجاد۔ مظفر خاں کی لڑکی کا زائچہ بھی میرے اُنہیں پیر بھائی نے کھینچا تھا۔ اسکی آیندہ زندگی کی بابت بھی اُنہوں نے ایسے ہی احکام سنائے تھے۔

حکیم صاحب۔ واہ کیا۔

علی اسجاد۔ اُنہوں نے کہا تھا۔ اس لڑکی کی شادی علی سجاد کے لڑکے سے ہوگی دونو باہم محب و محبوب ہونگے۔ دونوں پر اسوقت بہت سخت مصیبت پڑے گی جب وہ شادی سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ شادی اُس وقت ہوگی جب بیوی کی وہ گم شدہ کوئی چیز میاں کے ذریعہ سے ملیگی جسکا گم ہونا ان تمام مصیبتوں کا باعث ہے۔ شادی کے ساتھ ہی سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حکیم صاحب۔ شادی سے پہلے بچپن میں بھی وہ باہم نہ ملیں۔ یہی مطلب ہے نہ۔

علی اسجاد۔ جی ہاں۔

حکیم صاحب۔ اسیر عملدر آمد۔

علی اسجاد۔ کیا گیا۔

حکیم صاحب۔ جیسے وہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مظفر خاں کی بیوی علی سجاد کے یہاں نہیں آتی نہ ان کی بیوی اُنکے یہاں جاتی ہے۔ وہ لڑکی بھی ابتک باہر نہیں نکالی گئی ہے۔

حکیم صاحب۔ اپنے گھر سے کہیں نہیں گئی۔

شاہ صاحب۔ گئی کیوں نہیں مگر بے پردہ نہیں گئی۔ صرف اس خیال سے کہ بچے صاحب کو وہ نہ دیکھے اور وہ اسے نہ دیکھ سکے۔

حکیم صاحب۔ شاہ صاحب کیا یہ ہو سکتا ہے۔

شاہ صاحب۔ آپکے اعتراض کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں میرا یہی عقیدہ ہے۔ تقدیر کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن کسی طرح نہیں مٹتی۔ ضرور ہوتی ہے

ہوتی ہے وہی جو کچھ بدی ہے

علی سجاد۔ بس اب مجھے کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ حضور والا کسی کو حکم دیں۔ اس فہرست کے مطابق سب چیزیں سنبھال لے۔ حضور والا۔ ابھی۔

علی سجاد۔ کل دن میں۔ ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا۔ وصیت ناموں میں تمام جائداد کا ایک ثلث کسی کار خیر میں لگانے کے لئے بھی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں وصیت ناموں کی نقل۔ بزرگوں کی تصویروں کا مرقع یہ سب چیزیں ایک اور جگہ بھی امانت رکھی گئی ہیں ان لڑکوں کو انہیں سے یہ حال معلوم ہوگا۔ جس وقت امانت انکو دیجائے وہ وصیت نامہ وغیرہ دیکھ لیا جائے۔

حضور والا۔ (وزیر صاحب سے) آپا۔

وزارت پناہ۔ ہاں حکیم اصغر علی حکیم محبت علی اور شاستری کو تعینات کر دیجئے۔ یہ سب چیزیں فہرست سے ملا کے لے لینگے۔

حضور والا۔ (علی سجاد سے) یہ دونوں بھائی اور شاستری۔

علی سجاد۔ بہت خوب۔ میں نے حضور والا کو بہت تکلیف دی۔ لیکن حضور خیال فرمائیں۔ تو یہ تکلیف ہی بجا نہیں ہے۔ حضور۔ ہماری جان و مال عزت آبرو کے مالک اور محافظ ہیں۔ حضور سے بڑھ کے اور کون ہے جو کام لے سکتا ہے۔ حضور کو جیسا کچھ خیال ہم نمک خواروں کی بہبودی کا ہو سکتا ہے اور سے اور کون کر سکتا ہے۔

حکیم صاحب۔ درست۔

علی سجاد و حکیم صاحب رخصت ہوگئے دربار بھی برخاست ہوگیا

جلد اول تمام شد

قیمت فی بوتل کلاں [illegible] روپیہ محصول [illegible]

قیمت فی شیشی ایک روپیہ محصول [illegible]

ڈاکٹر گنیش پرشاد بھارگو

[illegible] نمک سلیمانی [illegible] معزز دوا فروش اور سوداگر اس کارخانہ

سے [illegible] وقت [illegible] دوکانداروں کو معقول کمیشن کارخانہ سے

دیا جاتا ہے [illegible] تجربوں سے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض دوکاندار

[illegible] دوسروں کا بنایا ہوا نمک سلیمانی [illegible]

فروخت [illegible] التماس ہے کہ ہمارے نمک سلیمانی کے خریدار

[illegible] دوکانداروں سے خرید [illegible] شیشی یا بوتل کے لیبل پر رجسٹری شدہ

[illegible] ڈاکٹر گنیش پرشاد بھارگو کی دستخطی مہر

[illegible] ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ دھوکہ نہ ہو اور ایسے

[illegible] ہمارے نام سے دوسروں کا نمک

سلیمانی [illegible] لیا جاوے۔

ہمارے نمک سلیمانی کے فوائد کی تصدیق ہزاروں معزز اصحاب سے فرمائی ہے

[illegible] نمک سلیمانی کا استعمال تندرستی اور بیماری دونوں حالتوں

میں فائدہ [illegible] تندرستی میں اس کے استعمال سے جگر اور معدہ کی قدرتی

[illegible] قوت [illegible] حالت پر قائم رہتی ہے اور جو کچھ کھاتے وہ پورے طور سے

ہضم [illegible] تندرستی قائم رہتی ہے۔

[illegible] قوت انسان [illegible] بیماری کی حالت میں چونکہ

معدہ اور جگر کی [illegible] ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مریض دن بدن کمزور

ہوتا جاتا ہے لیکن ہمارے نمک سلیمانی کے استعمال سے معدہ اور جگر کی قوت بڑھ

جاتی ہے [illegible] طبیعت میں قوت پیدا ہوتی ہے اور مرض کا دفعیہ جلد

ہو جاتا ہے۔

[illegible] نمک سلیمانی ان امراض [illegible] جو کہ معدہ کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں

[illegible] پیٹ کا درد۔ قولنج [illegible] ڈکاروں کا آنا۔ اسہال

[illegible] بواسیر۔ ریاح کا درد۔ بائو گولہ۔ اور مستورات

[illegible] ملنے کا پتہ — [illegible] بھارگو مینیجر کارخانہ نمک سلیمانی۔ محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس

کے ایام کی بیماریوں کو بہت جلد رفع کر دیتا ہے اس لیئے اس ہندوستانی دوا کا ہر ایک گھر میں موجود رہنا بہت ضروری ہے یہ نمک سلیمانی قبض کو رفع اور خون کو صاف کرتا ہے بدن کو گرمی و سردی کی گڑبڑی کا محافظ ہے اور معدے کے فضلات فاسد کو تحلیل کرتا ہے اس وجہ سے زیادتی پیشاب گھٹیا۔ اور خون کی بیماریاں مثلاً داد سہوال وغیرہ میں بھی مفید ہے پیچش اور دستوں کے دنوں میں اس نمک سلیمانی کا روزانہ استعمال تریاق کا کام دیتا ہے سمندر کے سفر میں مثل متلی یا ابکائی کے اور دوران سر وغیرہ کے جو شکایتیں ہو جاتی ہیں۔ وہ سب اس نمک سلیمانی کے استعمال سے فوراً رُک جاتی ہیں بچھو یا بھڑ کے کاٹے ہوئے مقام پر اس نمک سلیمانی کو ملدینے سے فوراً تکلیف رفع ہو جاتی ہے بچوں کے دانت نکلنے کی جگہ پر جہاں آماس ہو ملدیا جاوے تو انکو تکلیف بالکل نہیں ہوتی۔ اگر کسی حصہ جسم پر ضرب آکر چوٹ کے ورم یا پھوڑا یا درد شروع ہو تو چند روز اس نمک سلیمانی کو اس جگہ پر ملا یا باندھ دینے سے مادہ تحلیل ہو جاتا ہے اور تکلیف رفع ہو جاتی ہے دانتوں میں اگر ورم یا درد ہو تو اس نمک سلیمانی کو منجن کی طرح ملکر گرم پانی سے کلی کر ڈالنا چاہیئے۔ فوراً فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے نوجوانوں سے جو اپنی کمزوریوں کا علاج کشتوں یا محرک دواؤں سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری گذارش ہے کہ وہ پہلے معدہ کی درستی کریں۔ اور اگر ان کو کسی قسم کی کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ تو وہ ایک شیشی ہمارے نمک سلیمانی کی منگا کر حسب ہدایت استعمال کریں جس سے ہر طرح کی کمزوری چند روز کے استعمال سے رفع ہو سکتی ہے اور اس طرح سے جو قوت بدن میں پیدا ہوگی وہ مستقل ہوگی۔

اسکے علاوہ اس نمک سلیمانی کے استعمال سے معدہ کی قوت بڑھتی اور فضلات فاسد تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے انسان کی تندرستی اس نمک سلیمانی کے استعمال سے قائم رہتی ہے اور بہت سی بیماریوں سے اسکا استعمال کرنیوالا محفوظ رہتا ہے۔

قیمت فی بوتل کلاں پانچ روپیہ محصولڈاک ۱۰؍ قیمت فی شیشی ایک روپیہ محصولڈاک ۴؍

ہزاروں میں سے چند معززین کی رائے آگے درج کی ہیں

پتہ

نونہال سنگھ بہار گو منیجر کارخانہ نمک سلیمانی محلہ گائگھاٹ شہر بنارس

بنارس کے مشہور ڈاکٹر [illegible] نمک سلیمانی کے نسبت [illegible] چند معزز صاحبان کی رائیں

جناب [illegible] صاحب [illegible] تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کا نمک سلیمانی [illegible] استعمال کیا [illegible] مجھ کو فائدہ [illegible] بخوبی [illegible] نمک سلیمانی کی تعریف کرتا ہوں۔

جناب [illegible] صاحب [illegible] تحریر فرماتے ہیں کہ [illegible] نمک سلیمانی [illegible] استعمال [illegible] کی کل بیماریوں میں [illegible] نمک سلیمانی [illegible] سفارش کرتا ہوں کہ [illegible] مہربانی فرما کر ایک شیشی نمک سلیمانی بذریعہ ویلیو پیبل کے بھیجکر ممنون فرمائیے۔

جناب [illegible] صاحب [illegible] تحریر فرماتے ہیں [illegible] نمک سلیمانی [illegible] استعمال [illegible] نمک سلیمانی کی نسبت [illegible] تجربہ مجھکو بخوبی ہو چکا ہے۔ مہربانی فرما کر ایک شیشی نمک سلیمانی اور [illegible] ویلیو پیبل کے روانہ فرمائیے۔

جناب [illegible] صاحب [illegible] تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کا نمک سلیمانی منگوایا [illegible] بیشک یہ نمک سلیمانی [illegible] شکایت [illegible] لہذا دو شیشی نمک سلیمانی [illegible] بھیجکر ممنون فرمائیے۔

جناب [illegible] صاحب [illegible] تحریر فرماتے ہیں [illegible] نمک سلیمانی منگوا کر استعمال کی [illegible] استعمال کیا [illegible] لہذا [illegible] شیشی نمک سلیمانی کی [illegible] بھیجکر ممنون فرمائیے۔

ملنے کا پتہ - [illegible] کارخانہ نمک سلیمانی - محلہ [illegible] گھاٹ شہر بنارس